

Sufism

by

Khwaja Shamsuddin Azeemi
Patriarch Azeemia Sufi Order

تصوف

خواجہ شمس الدین عظیمی

خلاصہ

ہر شخص کی زندگی، روح کے تابع ہے
اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے
جو بندہ اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے
وہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھ لیتا ہے

انتساب

کائنات میں پہلے صوفی

حضرت آدم علیہ السلام

کے نام

فہرست

(۱) تصوف کی تعریف

- ۱ باطنی مشاہدات
- ۲ روحانی تشریح
- ۳ علم شریعت
- ۴ نفس کا عرفان
- ۵ تزکیہ نفس
- ۶ اعمال و اشغال

(۲) تصوف کی تاریخ

- ۹ زمین پر انسان کا پہلا دن
- ۱۰ معاشرتی قوانین
- ۱۱ جسمانی رنج۔ روحانی رنج
- ۱۱ ایک اور دنیا
- ۱۱ نوع انسانی کا پہلا صوفی
- ۱۳ نماز میں حضور کی
- ۱۳ دعوت حق
- ۱۴ یوم ازل کا وعدہ
- ۱۵ اللہ کے نمائندے
- ۱۷ اللہ کی بادشاہی کا مرکز
- ۱۷ بشارت

(۵) تصوف کی اہمیت و حقیقت

36	اسلام
36	ایمان
36	احسان
37	انس و آفاق
37	حضرت رابعہ مصری
38	فلاسفہ اور تصوف
38	مذہب اور تصوف
39	محبت
40	مادرائی شعور

(۶) تصوف اور مکارم اخلاق

43	اخلاق حسنہ
44	فضائل اخلاق
46	عبادات کا کردار
46	چار ستون
48	سیرت طیبہ اور صوفیہ کرام
49	مابعد الطبیعی اساس
51	مومن کے اخلاقی اوصاف

(۷) خدمتِ خلق

53	مخلوق کی ذمہ داری
54	مکیارہ ہزاروں میں

18	قرآن و تصوف
20	گھڑی کی سوئیاں
20	پیدائشی شعور
21	پہلے آسمان کا شعور

(۳) تصوف اور رہبانیت

23	ترک دنیا
24	مذہب عالم اور تصوف
24	یونانی تصوف
25	یہودی تصوف
25	عیسائی تصوف
25	ہندومت اور تصوف
26	تصوف اور سائنس

(۴) تصوف اور معترضین

29	اعتراضات
30	قیاسی علوم
31	مناقضات طرز عمل
31	تاریک الخدیج
32	تھیاسوفی
33	اسلام میں تفرقے
33	مخلوق اللہ

54	ہر مخلوق دوسری مخلوق کے ساتھ بندھی ہوئی ہے
55	کائنات کا ہر ذرہ تعمیل حکم کا پابند ہے
57	حقوق انسانی اور دیگر مخلوق کے حقوق

(۸) بیعت

59	قرآن کریم اور بیعت
59	ضرورت شیخ
61	شعوری استعداد
62	اساتذہ کا کردار
63	بیعت کا قانون
64	انکلام تربیت
64	روحانی اساتذہ کی خصوصیات

(۹) نسبت

67	نسبت ملیہ
68	نسبت شیعہ
68	نسبت عشق
68	نسبت جذب
69	قرب و افل - قرب و فرائض

(۱۰) مخلوقات

71	مخلوقات کا علیہ
72	ظلام
73	میں بڑا فرشتے

74	دو کھرب سیلو
74	سائنس اور ہوا
74	خون کی رفتار
75	اللہ کی عبادت
76	ہر شے کی بنیاد پانی ہے
76	درختوں کی دنیا
78	بارش پر سامنے کا فارمولا
79	فطرت کے قوانین
79	کائناتی سسٹم
80	میراثہ مستقیم

(۱۱) انسان

81	ایک تخلیق سے ہزاروں تخلیقات
82	زمین اور آسمانوں کی روشنی
83	روحانیوں کا علم
83	علوم تعلیم کے کائنات
84	انسانی ذات کے تین پہلو
84	الطیف الوار - کثیف جذبات

(۱۲) جہات

87	ابواب الجن حار و نوس
87	جہات کی دنیا
88	مشرک جہات

110	جنت کا مول کوثر
	(۱۳) فرشتے
113	مختص اکبر۔ رضوان (جنت کے مظلومین فرشتے)
114	حکم ماکم اعلیٰ
115	اللہ کا تھوڑا سا رسول اللہ ﷺ کی پشت پر
116	اللہ سب سے پیارا کرتا ہے
117	ملائکہ کی قسمیں
117	نورانی فرشتے
117	علاء اعلیٰ
117	انسانی رویہ
117	خطیرۃ القدس
118	ملائکہ اسفل
118	ملائکہ ساری
118	ملائکہ منصری
119	کرانا کا تین
119	بیت المعمور
119	فرشتوں کے گروہ
119	فرشتوں کی صلاحیتیں
120	کا کائناتی نظام
120	اعمال نامہ

88	جنت کی غذا
89	مسلمان جنت
90	درخت کی گواہی
90	مغیردہریں۔ مرکب لہریں
91	شاگرد جنت
91	دس لاکھ چھین ہزار فٹ
91	جنت کی عمریں
92	سلطان
92	جن مسلمانوں کی تعداد
93	مخلوقات کے چار گروہ
94	حضرت سلیمان کا لشکر
94	ایک خوبصورت روحانی تمثیل
95	مٹی اور آگ کی تخلیق
95	جنت کے بارہ طبقے
96	انہونی بات
97	جن اور انسان میں عشق
100	واہمہ اور حقیقت
100	نسبت نامہ شاہ عبدالعزیز
104	تعمید گنڈے سے ملان
106	خوش اخلاق جنت
109	جنت کی سی۔ آئی۔ ڈی

140	حضرت انسؓ
141	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
141	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
141	حضرت اسید بن حضیرؓ
141	حضرت جابرؓ
142	حضرت سفینہؓ
142	حضرت ابو ہریرہؓ
143	حضرت ربیع بن ہراثؓ
143	حضرت عطاء بن حفریؓ
144	حضرت اسامہ بن زیدؓ
144	حضرت سلمانؓ
	(۱۷) نماز اور تصوف
145	صلوٰۃ کی اہمیت
146	حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل کیلئے دعا کی
146	حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی
147	غیب کی دنیا
147	نماز میں خیالات کا نجوم
147	اللہ کا عرفان
148	روح کا وظیفہ
149	اللہ کو پہچاننا

	(۱۳) لطائف
123	روح اعظم
124	کشش جیدہ کشش قریب
126	چار نورانی نمبریں
127	لطائف سے
130	نورانی لہروں کا نزول
	(۱۵) معجزہ، کرامت، استدراج
131	تصرف کی تین قسمیں
133	شکر یزوں نے گلہ پڑھا
133	آواز کی فریکوئنسی
134	ریڈیائی اور مقناطیسی لہریں
135	کھکشانی کلام کا کمپیوٹر
	(۱۶) تصوف، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ
137	سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ
138	سیدنا فاروق اعظمؓ عمر بن خطابؓ
138	سیدنا عثمانؓ ذو النورینؓ
139	سیدنا علیؓ ابن ابی طالبؓ
139	ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ
139	ام المومنین حضرت عائشہؓ
140	حضرت بی بی فاطمہؓ

(۱۸) صوم اور تصوف

151	روزہ کا مقصد
152	حدیث قدسی
154	روزہ ترک کا نظام ہے
154	لیلیٰ القدر

(۱۹) حج اور تصوف

157	قرآن کریم اور حج
158	ارکان حج کی حکمت
158	اللہ تعالیٰ نے پکارا
159	تفکریاں مارنے کی حکمت
159	حج کا جال
160	سعی کی حکمت
160	آب زم زم
160	طواف کی حکمت
161	مشاہدہ حق
161	خلق کرانے کی حکمت
161	برقی بیضیا
162	احرام باندھنے کی حکمت
162	حقا طبعی توانائی

(۲۰) صوفیاء کا حج

165	حضرت مولانا ظلیل احمد سہارنپوری
-----	---------------------------------

166	شیخ اکبر ابن عربیؒ
166	حضرت باجریہؒ
166	حضرت عبداللہ بن مبارکؒ
167	شیخ حضرت یعقوب بصریؒ
167	حضرت ابوالحسن سراجؒ
168	حضرت عبداللہ بن صالحؒ
169	حضرت جنید بغدادیؒ
169	حضرت خولید معین الدین چشتیؒ
170	حضرت ابراہیم خواصؒ
170	حضرت شیخ ابوالخیر اقلعؒ
171	حضرت احمد رضا خان بریلویؒ

(۲۱) سلاسل کی دینی جدوجہد اور نظام تربیت

174	دوسو سلاسل
175	سلسلہ قادریہ
175	ابوبکر شبلیؒ
176	امام غزالیؒ
178	جنس کی تبدیلی
178	عورت اور مرد کی تخلیق
179	عیسائی اور مسلمان
180	علمی توجہ
181	لوب محفوظ پر تبدیلی

202	مقام ولایت
202	اخلاق
203	کشف و کرامات
203	تفنیقات
206	سلسلہ عظیمیہ کی خدمات
206	رہنمائی و کشمکشات
207	دعا و دعا و جہد
	(۲۲) ذکر اذکار
209	اسم اعظم
210	گیارہ ہزار خواجی
211	چھپا ہوا خزانہ
212	نظر
213	حضرت عاتقہؓ
214	ذاکرین اور فرشتے
215	غازی اور مجاہدین
216	قانون
	(۲۳) مراقبہ
219	ذہنی مرکزیت
219	مرقان
220	مراقبہ کی تعریف
220	چراغ کی رو

182	سلسلہ چشتیہ
182	حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ
183	حضرت خواجہ مشاد دینوریؒ
185	سلسلہ چشتیہ کی خدمات
186	راگ اور سر
187	انداز کی آنکھ
188	سلسلہ سہروردیہ
189	حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ
190	شیخ الاسلام
191	تعلیمی سرگرمیاں
191	دین پیالے والے تاجر
192	حضرت زکریا ملتانیؒ کی فلاحی خدمات
194	سلسلہ نقشبندیہ
195	دل کی نگرانی کرنی چاہیے
195	ادبی فیض
197	صوفیہ کرام کی دینی خدمات
200	سلسلہ عظیمیہ
201	پہلا دور
201	تربیت
202	روزگار
202	بیعت

238	مراقبہ نور
238	ہاشمی اور عافکہ
239	اسمائے طہیہ کا مراقبہ
240	روحانیوں کی اصل
	(۲۴) عالم اعراف
241	کشف القہر
242	جنت کا بارخ
242	جنت کے انگور
243	جنت کا لباس
244	دیہ لایق
244	ہاتھ نہی
245	کائنات آواز کی بازگشت ہے
246	آواز میں اسرار و رموز
247	مراقبہ قلب
	(۲۵) مسلمان سائنسدان
250	عبداللہ اکرمی
250	جابر بن حیان
250	محمد موسیٰ الخوارزمی
250	علی ابن سبیل ربان الطبری
251	یعقوب بن اسحاق الکندی
251	ابوالقاسم عباس بن فرہاس

221	شہر
221	بصارت
222	سماعت
222	شلتہ اور لیس
222	حضرت معروف کرہی
223	سیر یاسعائے
224	مراقبہ کے فوائد
225	مراقبہ کی اقسام
226	تلف رنگوں کی روشنیوں کے مراقبے
227	مراقبہ کرنے کے آداب
228	مراقبہ کیلئے بہترین اوقات
228	مراقبہ کس طرح کیا جائے
230	پرہیز و احتیاط
231	مرتبہ احسان کا مراقبہ
231	مراقبہ موت
232	قبر میں دروازہ
234	فرشتے کہتے ہیں
235	ہنگوں میں انگارے
235	نجیبت
236	قییوں کا مال
236	ملک الموت اور ایک عورت کا مکالمہ

260	معین مقداریں
261	ذرات کی تین قسمیں
261	روشنی کا جال
262	مقیات اکوان
262	لہروں کا جال
263	صوتی اور سائنسٹ
	(۲۶) ظاہری علوم اور روحانی علوم
265	علم حضوری
265	علم حصولی
266	اطلاعات کا علم
267	سائنسی اسکینڈل
267	مفروضہ علوم
268	مادی جیالوجسٹ
269	ہر ج ایک ذائقہ ہے
269	انسانی فطرت
269	روحانی جیالوجسٹ
270	ملا جینوں کا %
271	پانچ فیصد صلاحیت
	(۲۷) مادی اور روحانی جسم
273	ارتقاء
275	باطن الوجود ظاہر الوجود

251	ثابت ابن قرۃ
251	ابوبکر محمد بن زکریا الرازی
251	ابوالنصر فارابی
251	ابوالحسن مسعودی
251	ابن سینا
252	شاہ ولی اللہ
252	بابا تاج الدین نامپوری
252	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
253	محمی الدین ابن عربی
253	قنبر بابا اولیاء
254	قرآنی نظریہ
254	یوندرشیاں
255	روحانیت کے خلاف سازش
255	ادبی زندگی کا راز
256	آج کا انسان
256	الیکٹران
257	منکر جن اور اقوام عالم
257	تعلیمی فارمولے
258	TOM
258	ماذہ اور توانائی
259	نور کے خلاف

293

خواب اور زندگی

(۳۰) کائنات کا سفر

295

شعور۔ لاشعور

295

شعور کا پہلا دن

297

ہر جگہ نام اور نام نہیں ہے

298

ماضی کی حقیقت

298

احدات الوجود۔ وحدت الشہود

299

ہم باہر نہیں دیکھتے

299

لگاؤ کی پہلی مرکزیت

300

نظریہ رنگ و نور

(۳۱) زمان و مکان

304

ہم چلتے ہیں تو زمین ہمیں دھکیلتی ہے

307

آدم کا سراپا

307

ایک ہزار سال کا ایک دن

308

ایک ہزار سال کے برابر

308

DIMENSION

309

پروانہ کی عمر

310

آدم کی اصل مادہ نہیں ہے

311

علم کی تشریح

311

مزدور و مزدوریناں

312

پرنسے میں عقل و شعور

275

پہاڑ اڑتے ہیں

276

تجزیہ

277

مادہ اور روح ہم رشتہ ہیں

279

زرو جو ابر

279

انسان بے سکون کیوں ہے؟

(۲۸)

وسوسوں سے آزاد دنیا

281

جنت کا دماغ۔ دوزخ کا دماغ

282

تصوف کے اسباق

283

روح حیوانی

283

روح انسانی

284

روح اعظم

285

دیکھنے کی طرزیں

286

پانی سے بھرا ہوا گلاس

286

اندھی آنکھ

287

حواس میں اشتراک

288

جذبات کس طرح پیدا ہوتے ہیں

(۲۹)

نیند اور بیداری

291

میں کون ہوں؟ آپ کیا ہیں؟

292

روح کے زون

292

روح کی تلاش

329	کہکشاں کا نظام
331	دخان = مثبت کیفیات / منفی کیفیات
332	خیالات کا قانون
333	انا کی لہریں
333	اندرونی تحریکات
334	حضرت سلیمان کا عمل
334	قرآنی سائنس
335	روحانی حواس
336	عجیب و غریب سرگزشت
337	قبر کے اندر

312	معاشرتی جانور
313	جانور دوتے ہیں
313	یقین کا پیرن
313	یقین کیا ہے
314	پتھر کی موتیاں
315	تاروں کی بھری رات
315	شعور کا آئینہ
316	انسان کے اندر کمپیوٹر
317	کرنٹ اور جان
318	حق الیقین
319	علم اور سینما
	(۲۲) انسانی دماغ

322	Sleep Laboratories
322	ویدائی دماغ
323	سائنس زندگی ہے
323	غیب کی دنیا
324	بارہ کھرب خلیے
324	جراثیم تو اتنی
	(۲۳) روحانی سائنس
328	دن کیا ہے؟ رات کیا ہے؟
328	لاختی نظر

قطرہ بارش

روحانیت اور تصوف کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اکثر صوفیاء چونکہ اُن کا لباس پہنتے تھے اس لئے لوگ انہیں صوفی کہتے تھے۔ اُن کو عربی میں صوف کہتے ہیں۔ وہ لوگ یہ لباس اس لئے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر غیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا معمول رہا ہے۔ بعض حضرات کے خیال میں اصحابِ صفہ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں، جبکہ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ صوفی صفا سے مشتق ہے لیکن ان ساری تشریحات سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔

تصوف کے اصطلاحی معانی دراصل "نفس کا تزکیہ" ہے۔ تصوف اس جذبہ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور ضمیر نورِ باطن ہے۔ صوفی اللہ کی معرفت سوچتا ہے۔ اس کی گفتگو کا محور اللہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ جیتا ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ مرتا ہے اسی کا کلمہ پڑھتا ہے اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے عشق میں ڈوبا رہتا ہے اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے ملاقات کے شوق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

مختارِ قطرت، سمندر کی غلیانی اور سکون میں، اپنے آگے پیچھے اور نیچے۔ صوفی کو ہر طرف اللہ نظر آتا ہے۔

ہر دور میں فلسفی موضوعات پر غور کرتے رہے، جو فلسفی اللہ کی ہستی کے قائل ہیں، وہ اللہ کو صرف کائنات کا صنعتکار قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہوتا۔ اللہ کسی انسان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔

تفکر کیا جائے تو سائنس دان اور فلاسفہ کے بیان میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ سائنس دان کہتا ہے کہ اللہ اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس کی موجودگی دلیل کی محتاج ہے اور انسان

کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے اللہ کو دیکھنا تسلیم کر لیا جائے۔

سائنس کا عقیدہ ہے کہ کائنات حادثاتی مظاہرہ ہے۔ حالانکہ سائنس دان الیکٹرون کو تخلیق کی اکائی مانتا ہے۔ جو نظر نہیں آتی اور کبھی نظر نہیں آتی۔ سائنس اور فلسفہ کی بنیاد عقل پر ہے جبکہ لاکھوں سال میں عقل کی کوئی حتمی تعریف نہیں ہو سکی۔ سائنس اور فلسفہ کے برعکس مذہب کہتا ہے کہ صحیح عقیدہ کی بنیاد وحی اور الہام ہے اور عقل کا وحی اور الہام میں کوئی دخل نہیں ہے۔

تصوف کے معنی ہیں صوفی ہونا اور صوفی کا مطلب ہے: ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا۔ صوفی وہ ہے جو خود کو تنہا کر کے اللہ سے متعلق رہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔ صوفی کا یقین ہے کہ اللہ خود اپنا کلام کسی بندے پر نازل کرتا ہے اور انسان اس سے رابطہ میں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) کسی بشر کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ سے جسکلام ہو۔ مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے۔ یا کسی قاصد کے ذریعہ۔ یا اللہ جس طرح چاہے۔

(سورہ شوریٰ آیت نمبر ۵)

(۲) اگر تم پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔

(۳) تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

(۴) میں تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں۔

(۵) میں تمہارے اندر ہوں تم دیکھتے کیوں نہیں؟

(۶) اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں اس کی جزا دوں گا اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے۔

(۷) اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت سے تمہاری شخصیت میں میری صفات کا عکس نمایاں ہو جائے گا۔ اور میرے قرب سے تم میرا دیدار کر سکو گے۔

جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کو کافی سمجھا اور جنت کو اپنا مقصد بنالیا۔ لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ اللہ کے ساتھ تعلق اور محبت کو سرمدری سمجھا اور اللہ کے دیدار کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔

روحانیت یا "تصوف" روح انسانی سے واسطہ ہونے کا جذبہ ہے۔ تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔

تصوف من کی دنیا میں ذوب کر سرائے زندگی پا جانے کا نام ہے۔ علم روحانیت یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ ازل میں روح اللہ کو دیکھ چکی ہے، روح میں اللہ کی آواز سننے کے بعد "قانونی" کہہ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کر چکی ہیں۔ صوفی کہتا ہے اگر میری روح اللہ کو نہ جان سکتی تو اللہ مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔ صوفی پر اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔ صوفی کے اوپر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ روح ایک ایسی ہستی سے محبت کرتا چاہتی ہے جو اس کا خالق ہے اور وہ کائنات میں حسین ترین ہستی ہے۔ صوفی کے یقین میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔

روحانی بندہ اللہ کی تلاش میں "ارتکاز توجہ" (CONCENTRATION) سے استفادہ حاصل کر کے حقیقت الحقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔

والشور پوچھتے ہیں کہ خیر صوفی کو وہ مشاہدات کیوں نہیں ہوتے جن کا صوفی اعلان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان روح سے واسطہ نہیں ہوتا چاہتا۔ اور جب اپنی انا یعنی روح سے واقف نہیں ہوتا چاہتا تو روح کی حقیقت اس کے لئے پردہ بن جاتی ہے۔

انسان مادی اور دنیاوی علوم کے لئے اپنی ساری توانائی اور مال و دولت خرچ کرتا ہے۔ آدمی بے مرکز پاس ہونے کے لئے 35600 بجٹیں اور کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے لیکن روح کا عرفان حاصل کرنے کے لئے دن و رات میں 20 منٹ بھی یکسو نہیں ہوتا۔ اللہ کے پاس جانے کے خیال سے ہی دنیا دار کے اوپر مرونی چھا جاتی ہے جبکہ اللہ کی برکت اسے ایسی نکلتی ہے۔

ہر فرد بشر جانتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ عام لوگوں کے برعکس اللہ کے دیدار کے لئے صوفی اس وقت کا شوق سے انتظار کرتا ہے۔

احسان و تصوف کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بالخصوص امت مسلمہ اور بالعموم نوع انسانی، اپنی پیدائش، حیات و ممات اور منصب خلافت فی الارض کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ کائنات میں ہر مخلوق باشعور ہے لیکن انسان واحد باشعور مخلوق ہے جو یہ جان لیتی ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے، کیوں پیدا ہوا، مرنے کے بعد کس دنیا میں چلا جاتا ہے اور اس دنیا کے شب و روز کیا ہیں؟

تصوف پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتاب تصویرہ ایک نیا رخ پیش کرتی ہے۔ لوگوں نے تصوف کے اوپر بے پناہ اعتراضات کئے ہیں اور تصوف کی فضیلت میں قصیدہ خوانی بھی کی گئی ہے۔ تنقید و تعریف کے انبار میں تصوف کو ایک الجھا ہوا مسئلہ سمجھا جانے لگا۔ کوئی کہتا ہے کہ تصوف دنیا بیزار اور کامل الوجود لوگوں کا مسلک ہے۔ کسی نے کیا۔ گدی نشین حضرات کا محبوب مشغلہ ہے اور مریدین سے خدمت لینے کا بہترین ذریعہ ہے۔

کسی نے بتایا کہ یہ مسریم، چنانچہ اور عامل معمول کا مکمل ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ "نظر یہ تصوف" گانے بجانے اور دھمال ڈالنے کا اچھا طریقہ ہے۔

صاحب قلب و نظر افراد نے ہر دھار، پراہم اور سچائی کی عظمت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قلبی مشاہدات اور روحانی کیفیات کا نام تصوف ہے۔ صوفی کے دل کی ہر حرکت اللہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کہتے ہیں کہ:

"یار دم بدم و بار بار می آید"

اہل عقل و دانش نے فلسفیانہ استدلال، منطق اور عقلی توجیہات سے تصوف کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ تصوف ایک علم چیستان بن گیا ہے۔ انہوں نے اس علم کو یہودی، عیسائی، ویدانت اور بدھ ازم کا لباس پہنا دیا ہے۔

قوم کے ہمدرد اور مخلص حضرات و خواتین نے تصوف کے اعلیٰ ذوق کو اختیار کر کے توکل، قناعت، اور استقامت کی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔ انہوں نے عملاً اس بات کا مظاہرہ کیا کہ تصوف ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا اور دین کی ہر بھلائی حاصل کر لیتا ہے۔ تصوف کے پیروکار راہب نہیں ہوتے، وہ محنت مزدوری کر کے، حقوق العباد پر رے کرتے ہیں اور شب بیدار ہو کر اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔

میری دانست میں تصوف کی تعریف یہ ہے کہ:

تصوف ایک ایسا School of Thought ہے جس میں انسان کو انبیاء علیہم السلام کی طرز فکر کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ انسان تعلیم مکمل کر کے جب اس اسکول سے نکلتا ہے تو وہ آدم سے ممتاز ہو کر انسان بن جاتا ہے۔ اور اسکے اندر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرز فکر نظر آتی ہے۔ وہ زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ کو دیکھنے اور اس سے قریب تر ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد خود کو پہچان کر اللہ کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصل یعنی روح سے واقف ہونے کی توفیق دے۔ (آمین)

آئیے! جدوجہد کریں کہ ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے اور ہم سب اس طرح اللہ سے قریب ہو جائیں جس طرح اللہ چاہتا ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

مرکزی مراقبہ ہال
سرکاری ٹاؤن، کراچی

تصوف کی تعریف

باطنی مشاہدات:

صوفی ریاضت و مجاہدہ کے بعد محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ وہ عیان اور مراقبوں کے ذریعہ اس کے اندر یہ یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ کا عرفان ہے۔

تصوف ایک ایسا علم ہے جو روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور مخلوق کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔ روحانیت یا تصوف کے راستے کا مسافر باطنی کیفیات اور مشاہدات سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور اسے اللہ سے ہمکناری کا شرف نصیب ہو جاتا ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء نے جسمانی وظائف کے ساتھ روح کے عرفان کے اعمال و اشغال کو تصوف کہا ہے۔ اسلام میں شریعت اور طریقت کا تصور بھی یہی ہے کہ انسان عبادت میں جسمانی پاکیزگی اور اعمال کے ساتھ اپنی فکر کے ذریعے اپنی ذات سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اس کے مشاہدے میں یہ بات آجائے کہ انسانی ذات (روح) دراصل کسی انسان کے اندر مادرائی دنیاؤں میں داخل ہونے کا نام ہے، چونکہ روح اللہ کا ایک حصہ ہے۔ یعنی کل کا جز ہے۔ جب جز کا مشاہدہ ہوتا ہے تو (حقیقت مطلقہ) سامنے آ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس جو شخص اپنے رب سے طاعات کا آرزو مند ہو اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری میں کسی کو شریک نہ کرے“

(سورہ کہف آیت نمبر ۱۱۰)

• محبت و توحید، تقویٰ اور عرفان نفس تصوف کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔ انسان خود پرستی، کبر و نخوت اور

• ہڈی جلی

”زیر پستی میں جتنا ہو گیا تھا۔ فطری اقدار کے منافی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ۳۶۰ جن کو معیوب بنایا گیا تھا۔“

اس پر آشوب..... بے یقین..... فساد سے بھرپور اور موسوں کے دور میں قرآن نے اعلان کیا: ”بس وہی ہر شے کا اڈل ہے۔ اور وہی ہر شے کا آخر ہے۔ اور وہی ہر شے کا ظاہر ہے۔ اور وہی ہر شے کی کڑ کو جاننے والا ہے۔“

قصوف، تقویٰ پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کتاب متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ ”بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن ہیں۔“

(سورہ نحل آیت نمبر ۱۲۸)

قصوف، عشق و محبت کا مستند ہے اور محبت حصول مقصود کا ذریعہ ہے۔ مومن کو ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے ان لوگوں کو جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو فہم پر یقین رکھتے ہیں اور صلوة قائم کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں ان کے یقین میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔“

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۰۳)

روحانی تشریح:

اس کتاب میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں۔ اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے۔ متقی لوگوں کو۔ اور متقی لوگ وہ خواتین و حضرات ہیں جو فہم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان، یقین سے مشروط ہے۔ یقین کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس طرح دیکھ لیا جائے کہ اس میں ابہام باقی نہ رہے۔ اور قائم کرتے ہیں صلوة یعنی متقی لوگوں کا اللہ کے ساتھ رابطہ رہتا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق مومن دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ مومن یقینی طور پر اس

بات کا ادراک رکھتا ہے کہ بندہ جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے تو وہ اس دنیا میں آتا ہے اللہ وسائل فراہم کرتا ہے تو وہ وسائل استعمال کرتا ہے۔ مومن اپنی مرضی سے نہ جیتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے۔

مشاہدہ کرنے والے لوگ ہی اللہ سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔

”اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔“

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۶۵)

”(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم بہت عزیز رکھتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا زیادہ محبوب ہے تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

(سورہ توبہ آیت نمبر ۲۴)

صوفی قرب الہی کا شیدائی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف ہونے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ روحانی آدمی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے رسول! مجدہ کرتے رہو اور کرب حق حاصل کرتے رہو۔“

علم شریعت:

شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی ہر تخلیق اللہ کے علم سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ قادر مطلق ہے اللہ جو چاہے جب چاہے جس طرح چاہے اس کے امر سے اور جہاں سے۔ شریعت پر عمل کرنے سے انسان کے شعور میں غیب کو سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ اس کے دماغ میں فہم بنی کے خلیے (CELLS) چارج ہو جاتے ہیں۔ صاحب شریعت بندے میں اللہ کی نشانیں پر نظر کرنے اور تزکیہ

نفس کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔

تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے بعد انسانی شعور غیب کی دنیا کو دیکھ لیتا ہے انسان کو ایمان یعنی یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کی ابتداء، انتہاء، اول و آخر، ظاہر و باطن سب اللہ کے احاطے میں ہے۔ شریعت پر کار بند و نماز پڑھتا ہے اور صاحب شریعت صوفی نماز میں اللہ کا دیہ ار کرتا ہے۔

ایک آدمی بادشاہ کے احکامات پر اور اس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتا ہے دوسرا آدمی بھی اچھا شہری ہے قوانین کا احترام کرتا ہے لیکن اسے بادشاہ کی قربت بھی حاصل ہے۔ دونوں اچھے شہری ہیں۔ لیکن جسے قربت حاصل ہے، اس کا درجہ بڑا ہے۔

صاحب شریعت بندہ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے فرمانبردار بندے کی طرح احکامات کی تعمیل کرتا ہے برائیوں سے بچتا ہے غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہے یک عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سب کام صوفی بھی کرتا ہے لیکن وہ اللہ کے قرب کا حتمی ہوتا ہے۔ اللہ کو جانتا ہے۔ اللہ کو دیکھتا ہے ہر شے پر اللہ کے محیط ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ رگ جان سے زیادہ قریب ہے اس آیت کے مصداق خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں تقرب الی اللہ اور حق العین کا پورا نصاب بیان ہوا ہے۔ شریعت مطہرہ ہمیں رہنمائی عطا کرتی ہے کہ ایمان بالغیب (حق العین) حاصل کرنے کے لئے اس طرح عمل کیا جائے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہمارا ذہن کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ سے وابستہ ہو جائے۔

علم شریعت اور علم حضوری سیکھنے کے بعد انسان کے شعور میں غیب پر یقین کرنے اور غیب کی دنیا کے کینوں کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نفس کا عرفان:

تصوف کے علوم یا علم حضوری حاصل ہونے کے بعد انسان عالم دنیا سے نکل کر عالم ارواح میں عالم ملکوت و جبروت میں پہنچ جاتا ہے۔ صدق مقال، اکل حلال کمانے والا بندہ اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والا اسی اپنے نفس اور اپنی روح سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسہ اور ارشادات پر دل و جان سے عمل کر کے اللہ کو پہچان لیتا ہے۔

”بہن اسے رسول جب آپ فرائض منہی سے فارغ ہوں تو عبادت میں منت کریں اور اپنے رب کی طرف راغب رہیں۔“

(سورۃ الم نشرح آیت نمبر ۷-۸)

”اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔“

(سورۃ اللہ آیت نمبر ۴)

”بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو سچی ہیں اور محسن بھی ہیں۔“

(سورۃ النمل آیت نمبر ۱۲۸)

تزکیہ نفس:

روحانیت یا تصوف کے دستور العمل ”تزکیہ نفس“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے اُمیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنا تا ہے، اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

(سورۃ جعد آیت نمبر ۲)

سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات ”تزکیہ نفس“ کے رہنما اصول بتاتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر پسندیدہ عمل کی اطاعت کرتے ہیں اور تمام غیر پسندیدہ اعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔

اہل اللہ خواتین و حضرات نے تصوف یا روحانیت کے اصول انہی آیات کی روشنی میں مرتب کئے ہیں۔

”اے پیغمبروں میں لپٹنے والے رات کو کھڑے رہا کرو۔ مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا نصف سے کسی قدر کم کرو۔ یا نصف سے کچھ بڑھا دو۔ اور قرآن کو خوب صاف صاف

پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے۔ اور بات خوب ٹھیک لگتی ہے۔ بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔ تو اپنے سارے کام اس ہی کے سپرد کر دو۔ اور یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں ان پر مبرکرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور ان جھٹلانے والوں ناز و نفست میں رہنے والوں کو چھوڑ دو۔ اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دو۔ (سورہ مزمل آیت ۱۱۳)

تصوف میں جتنے اعمال و اشغال، سادگ کو تلقین کئے جاتے ہیں وہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

اعمال و اشغال:

- (۱) ذکر اور کاردھ و تسبیح کرنا۔
- (۲) CONCENTRATION، تلاش، جدوجہد، فکر
- (۳) صلوات میں اللہ سے تعلق قائم کرنا۔
- (۴) اللہ سے قریب ہونے کے لئے روزے رکھنا۔
- (۵) تزکیہ نفس کے بعد تقویٰ اختیار کرنا۔
- (۶) مسلمان ہونے کے بعد غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرنا۔
- (۷) ہر طرف سے ذہن ہٹا کر یکسوئی کے ساتھ اپنے اندر کا کھوج لگانا یعنی مراقبہ کرنا۔
- (۸) فطرت پر کنٹرول حاصل کر کے اپنے اندر منورہ درگزر کی صفات پر پیدا کرنا۔
- (۹) اللہ تعالیٰ بغیر غرض کے اپنی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں، صوفی بھی اس صفت کے حصول کے لئے خاصاً اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔
- (۱۰) صوفی سنوآت پر بروج کی زینت کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

- (۱۱) صوفی کے اندر خوف اور غم نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے دوستوں کی پہچان ہے۔
- (۱۲) صوفی نفس کی عظمت کو دور کر کے اپنے رب کو پہچانتا ہے۔
- (۱۳) صوفی آسمانوں، زمین اور تحیر کائنات کے قارمولوں سے واقف ہوتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ اسے اس ناسوتی دنیا میں ہی جنت دکھا دیتے ہیں اور اوزار کے عذاب سے وہ خود کو بچانے کی ہر لہر کوشش کرتا ہے۔
- (۱۴) صوفی اللہ کی برکت پر شکر ادا کرتا ہے اور جو حاصل نہیں اس کا شکوہ نہیں کرتا۔
- (۱۵) صوفی معاملہ فہم ہوتا ہے۔ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔
- (۱۶) صوفی باخوف مذہب و ملت، ہر شخص کا احترام کرتا ہے اور ان کے کام آنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔
- (۱۷) صوفی جھوٹ کو پسند نہیں کرتا اور خود جھوٹ نہیں بولتا۔
- (۱۸) صوفی سلام میں پہل کرتا ہے۔
- (۱۹) صوفی سخی ہوتا ہے۔ مہمان نوازی صوفیاء کی روایت ہے۔
- (۲۰) صوفی کو علم الحقین، عین الحقین اور حق الحقین حاصل ہوتا ہے۔
- (۲۱) مرشد کے فیض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اور اللہ کے فضل و کرم سے صوفی ذابغون فی العلم کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

تصوف کی تاریخ

• آدم و حوا جب زمین پر آئے تو ان میں شعور بہت کم تھا وہ نہیں جانتے تھے کہ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ قانون قدرت کے تحت آدم کی نسل دو سے چار، چار سے آٹھ اور اسی طرح جب ہزاروں سے تہاؤں کر گئی تو شعور بھی لاکھوں گنا ہو گیا۔ آدم و حوا کے بچوں نے جڑیں، ٹاپخت پھل اور کچا گوشت کھانے میں کراہیت محسوس کی ان کے شعور نے رہنمائی کی کہ کچا گوشت نہ کھایا جائے۔ گیہوں کے دانے چبانے کے بجائے گندم چیں کر آنے کی روٹی پکانی چاہیے۔

زمین پر انسان کا پہلا دن:

قانون یہ ہے کہ شعور ایک ہو یا ہزار ہوں جب کسی نقطے پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو اس کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی نے غیر اختیاری طور پر دو پتھر اٹھائے ان کو آپس میں ٹکرایا مگر ان سے حرارت پیدا ہوئی تو پتھروں میں سے چنگاری نکلی۔ چنگاری کی چمک نے ابن آدم کو اس طرف متوجہ کیا کہ چنگاری سوکھی گھاس کو جلا ڈالے گی اور دیکھتے دیکھتے آگ بھڑک اٹھی۔

زمین پر انسان کا یہ پہلا دن تھا جب انسان حیوانات سے ممتاز ہوا اور اس نے اس ایجاد سے اپنے لئے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ حیوانات سے ممتاز ہونے کے بعد انسان کے ذہن میں نئے نئے خیالات آتے رہے اور پھر ایجاد کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

آدم اور حوا کے آنے سے پہلے زمین موجود تھی اور زمین پر جنات آباد تھے۔ زمین کے وارث جنات اور آدم ہیں۔

جنات نے جب زمین پر خون خرابہ کیا اور زمین کی کوکھ اجاڑنے کی ہر تدبیر پر عمل کیا تو قدرت نے زمین کو فساد زدہ قرار دے دیا اور جنات سے زمین کی سرداری چھین کر آدم کو دے دی۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ابن آدم نے بھی وہی کیا جو جنات کرتے چلے آ رہے تھے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

• جہنم فسطیہ

معاشرتی قوانین:

حضرت آدم علیہ السلام نے انسانی معاشرہ کے لئے جو قوانین وضع کئے ان کی اولاد نے ان پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ طویل عرصے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ برس تک توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پانی کے ہر گھونٹ اور ہر لقمے پر الحمد للہ کہتے تھے۔ نو سو پچاس برسوں تک تبلیغ کرنے پر اسی (۸۰) مرد اور عورتیں ایمان لائے باقی قوم نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اس پاداش میں قوم پر عذاب نازل ہوا۔ زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے آسمان سے اتنا پانی برسا کہ زمین سمندر بن گئی۔ گاؤں، گونہ، قصبے، شہر ڈوب گئے۔ پوری قوم غرق آب ہو گئی حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا۔ اسی (۸۰) مرد اور عورتیں جو ایمان لائے تھے عذاب الہی سے بچ گئے۔ زمین چھ مہینے تک پانی میں ڈوبی رہی طوفان ختم ہونے پر کشتی "جودی" پہاڑی پر ٹھہری۔

ایمان لانے والے سلامتی کی ساتھ کشتی سے اترے لیکن ان کی نسل نہ چل سکی۔ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے "حام، سام، یافث" جو کشتی میں سوار تھے ان سے آدم کی نسل کا دوبارہ آغاز ہوا۔ حام چھوٹے بیٹے تھے، سام ٹھکے اور یافث بڑے بیٹے تھے آج کی دنیا میں جہاں بھی جس رنگ کی بھی نسل آباد ہے وہ ان ہی تین بھائیوں کی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے زمین کے چبے چبے پر ہادی اور پیغمبر بھیجے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی حیات طیبہ پر فخر کیا جائے تو تمام پیغمبروں نے آدم زاد کو اپنی روح سے واقف ہونے کی ہدایت دی ہے۔ یعنی مادی وجود کو سہارا دینے اور مادی وجود کو قائم رکھنے والی روح کو پہچاننے کی ہدایت دی ہے کہ روح اللہ کا امر ہے انسان کو اللہ کے امر کا علم دیا گیا ہے مگر تمہارا علم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تمہارا علم لامحدود علم کا قلیل علم ہے۔

سمندر کے پانی کا ایک قطرہ یعنی سمندر کے قلیل کا تجزیہ کیا جائے تو اس قطرہ میں پورے سمندر کی صفات نظر آتی ہیں۔ پتیل کے درخت کا جج خشکاش کے دانے سے چھوٹا ہے۔ اگر پتیل کا ستنے چھوٹے جج کو مانیکرو سکوپ فلم میں دیکھا جائے تو اس ننھے سے جج میں پتیل کا پورا درخت نظر آتا ہے۔

• رسول اللہ ﷺ (جلد سوم)

جسمانی رُخ روحانی رُخ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ ہر انسان دو رُخوں سے مرکب ہے۔

انسان کا ایک رُخ جسمانی رُخ ہے اور دوسرا رُخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لحظہ پھوٹ پھوٹ رہتی ہے۔ مٹی کا جسم فنا ہو کر مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ روحانی جسم اللہ کا امر ہے۔ ہر مادی وجود کی حرکت روحانی وجود کے تابع ہے۔ مادی وجود روحانی وجود کے تابع ہو کر حرکت کرتا ہے۔ روح اگر جسمانی وجود سے رشتہ منقطع کر لے تو مادی وجود میں کسی بھی طرح کی حرکت نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، چلنا پھرنا غم اور خوشی سے متاثر ہونا شادی بیاہ اس ہی وقت ممکن ہے جب روح جسم کو سہارا دے۔ دنیا ہزاروں سال سے موجود ہے ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ کسی مردہ جسم نے کوئی ایجاد کی ہو۔ یا مردہ اجسام سے کوئی اور انسانی عمل سرزد ہوا ہو۔

ایک اور دنیا:

آسمانی کتابوں اور قرآن حکیم میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ دنیا عارضی دنیا ہے۔ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں جا کر ہمیں اپنے اعمال کی سزا یا جزا کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ جس طرح اس دنیا کے بعد دوسری دنیا عالم آخرت ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ایک دنیا ہے۔ جہاں سے ہم آئے ہیں۔ اس دنیا کا نام عالم ارواح ہے۔

اللہ کے فرستادہ ہر نبی مکرم علیہ السلام نے اس امر کی تبلیغ کی ہے کہ انسان کا صحیح ورثہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو خود پڑھایا اور سکھایا ہے۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب بھی یہی علم ہے۔ جو جنات کو اور فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔

نوع انسانی کا پہلا صوفی:

ایک علم ظاہری ہے۔ دوسرا علم باطنی علم ہے۔ ظاہری علم معیشت و معاشرت کا علم

ہے۔ اور باطنی علم تصوف ہے۔ تصوف کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا "میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھاتا۔ باطنی علوم کے زمرہ میں آتا ہے۔ باطنی اور آسمانی علوم، بنی نوع آدم کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس طرح نوع انسانی میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں۔

پیغمبروں کی تعلیمات رہنمائی کرتی ہیں کہ ہر پیغمبر نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ کیا ہے اور خود اس پر عمل کر کے با مقصد زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔

پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق واحد ذات اللہ کی پرستش نہ ہو تو وہ ہرگز تصوف نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں بھائی چارہ چاہتے ہیں۔ اپنی مخلوق کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ مخلوق کا بے سکون رہنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

اللہ مخلوق کو خوش دیکھنے کے لئے مخلوق کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے راستے پر چلنے کو اپنا راستہ قرار دیتے ہیں۔ پیغمبروں کی زندگی پر نظر کیا جائے تو ان میں صراطِ مستقیم پر قائم رہنے اور صراطِ مستقیم پر دعوت دینے کا بھرپور عزم ہوتا ہے۔ پیغمبر مفلح و مکرر سے کام لیتے ہیں حق تعالیٰ نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہر پیغمبر کی تعلیمات کا مقصد توحید پرستی ہے یہی سب باتیں پیغمبرانِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والا صوفی بتاتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

"اور ہم نے آسمان کو بروح سے زینت بخشی دیکھنے والوں کے لئے اور چھپایا ہم نے اس خوبصورت آرائش اور زینت کو شیطان مردود سے"

(سورۃ الحجر ۱۶-۱۷)

تصوف کا شیعہ ذاتی صوفی اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتا ہے جو لوگ آسمان پر بروح کی زینت کو نہیں دیکھتے یا دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہے ہر انسان اس صلاحیت کو بیدار کر کے آسمان پر بروح کو دیکھ سکتا ہے۔

نماز میں حضوری:

قرآن پاک میں ہے:

"یٰس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں۔"

(سورۃ مومن آیت نمبر ۶)

یعنی نماز تو وہ پڑھتے ہیں لیکن انہیں نماز میں مرتبہ احسان حاصل نہیں ہوتا۔ صوفی کہتا ہے جس کو نماز میں مرتبہ احسان یعنی حضور قلب نہ ہو اس کی نماز، نماز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے خرابی ہے۔ صوفی کا عقیدہ ہے کہ اگر انسان خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کو صدق دل کے ساتھ حاضر و ناظر جان کر صلوٰۃ قائم کرے تو اسے حضوری قلب نصیب ہو جاتی ہے۔

دعوتِ حق:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے نظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔ (آنکھیں کھول کر دیکھنے سے مراد باطنی نظر سے دیکھنا ہے جو روح کی آنکھ ہے) اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید زمرہ رہنے کی جو مہلت دی گئی ہے اسکے پورے ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے عزت اور شرف سے نواز دے اور جسے چاہے ذلیل و خوار کر دے۔ اللہ بخیر و اکساری کو پسند فرماتا ہے۔

تکبر اور غرور اللہ کے لئے ناپسندیدہ اعمال ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال جب حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو قدرتِ مافرانوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ ہر انسان اپنے عمل کا خود جوابدہ ہے اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا انہیں بن سکتی ہے اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہو سکتی ہے۔

حضرت عابد علیہ السلام کے قصے میں بیان ہوا ہے۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اونچی عمارتوں والے عبادِ اہل سے کیا سلوک کیا؟"

(سورۃ حجر آیت نمبر ۶-۷)

اور عادی طرف بھیجا ان کا بھائی ہوؤ بولا:

"اے قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا سہارا اس کے سوا، کیا تم کو ڈر نہیں؟"

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۶۵)

گمراہ قوم نے تعجب سے پوچھا تم ہمارے پاس صرف اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا! کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے تاسوں پر رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔ قوم ہوؤ نے عادی تعلیمات سے بیزاری کا اظہار کیا، بولے:

"ہم کو برابر ہے تو نصیحت کر سے یا نہ کرے۔"

(سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۳۶)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے کہا:

"یاد کرو اس ذات کو جس نے تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو تم چاہتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولاد دیں دیں، باغ و شجر دیئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم اللہ کے ساتھ انہیں شریک کرتے ہو جو تمہیں قطع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ عظمت و خوشحالی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تم نے کئی کئی منزلیں عایشان قرار دیں بنائی ہیں، دولت اور ثروت ہونے کے باوجود تمہیں اطمینان قلب نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم نے مادی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔"

(سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۳۲-۱۳۵)

یوم ازل کا وعدہ:

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے ہو (جو وعدہ تمہاری روحوں نے یوم ازل میں اللہ سے کیا تھا اور تم نے قلوبی کہہ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا) خدا اور انتقام کے جذبے نے تمہیں اندھا کر دیا ہے تم لوگوں نے اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔"

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۷۶-۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے باپ بت ترش اور بت پرست قوم سے بیزار ہوئے انہیں

خدا کو جاننے پہنچانے اور عرفان حاصل کرنے کی آرزو ہوئی، ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ماں سے پوچھا "اے ماں اتیر خدا کون ہے؟ بیٹا میرا خدا تیرا باپ ہے، میری ضروریات کا کلیل ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا ماں تیری امیر ہے باپ کا خدا کون ہے؟ ماں نے بتایا کہ آسمان پر چمکنے والے ستارے تیرے باپ کے خدا ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ ان کے اندر کے نور نے خدا کی تلاش کے لئے انہیں متحرک کر دیا۔

رات اندھیری ہو گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے کہا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے۔ تو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاتا پھر آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے! یہ سب سے بڑا ہے تو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مظاہر فطرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پھر ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں تجاہلات دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔"

(سورۃ انعام آیت نمبر ۷۵)

قرآن پاک میں مذکور ہے:

"اور یاد کرو کتاب میں اسماعیل کا ذکر تھا۔ وہ وعدہ کا سچا، اور تھا رسول اور نبی اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو صلوٰۃ کا اور تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ۔"

(سورۃ مریم آیت نمبر ۸۴-۸۵)

اللہ کے نمائندے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے

اور ایک صاحب باطن مرد خدا (صوفی) کے درمیان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! جہاں دوسندہ ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! پروردگار اس بندے تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس مقام پر مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ شخص تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا اور بتایا کہ میرا نام موسیٰ ہے۔ اس شخص نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اس شخص نے کہا اے موسیٰ! تم میرے ساتھ رہ کر ان معاملات پر صبر نہیں کر سکو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! انشاء اللہ مجھ کو آپ صابر پائیں گے۔ اس شخص نے کہا تو پھر شرط ہے کہ جب تک آپ میرے ساتھ رہیں کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔

اس شخص نے (جسے اہل باطن مونیہ حضرت کہتے ہیں) کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ آپ نے کیسی عجیب بات کی ہے کہ کشتی والوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا اور آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت حضرت نے کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ کشتی کنارے لگی تو دونوں اتر کر ایک میدان میں پہنچے۔ میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت حضرت نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو بہت برا ہوا کہ آپ نے ناحق ایک معصوم کو قتل کر دیا۔ حضرت حضرت نے کہا کہ میں نے آپ سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر و ضبط سے کام نہیں لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس مرتبہ اور نظر انداز کر دیجئے اس کے بعد کوئی نذر نہیں رہے گا۔ اور آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

پلٹے پلٹے ایک بہتی میں پہنچ گئے ایک مکان کی دیوار گرنے لگی تھی۔ حضرت حضرت نے اسے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بہتی والوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ ہمیں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ آپ نے بغیر اجرت کے دیوار بنادی۔

۔۔۔۔۔

سورہ کہف میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

”پس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا ہے ہاں جن باتوں میں تم سے صبر نہ ہو سکا۔ ان کی حقیقت تم کو بتلاؤں۔“

(سورہ کہف آیت نمبر ۸۷)

اللہ کی بادشاہی کا رکن:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں یہ انکشاف ہے کہ اللہ کے نظام میں ایسے لوگ بھی کام کرتے ہیں جو نبی نہیں ہیں لیکن یہ سب لوگ توحید پرست ہوتے ہیں اللہ وحدہ لا شریک کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی رگوں کو اللہ کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہی صاحب عرفان لوگ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے نائک سے یا خلیفہ ہوتے ہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام انہی جلیل القدر بندوں میں سے ہیں۔ جب فرشتوں نے کہا کہ ”اے مریم علیہ السلام! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برتری دے دیا۔ اے مریم علیہ السلام! اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز قائم کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر۔“

بشارت:

قرآن حکیم میں ہے جب فرشتوں نے مریم علیہ السلام سے کہا:

”اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے حکم کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام سچا ابن مریم علیہ السلام ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں ہوگا۔“

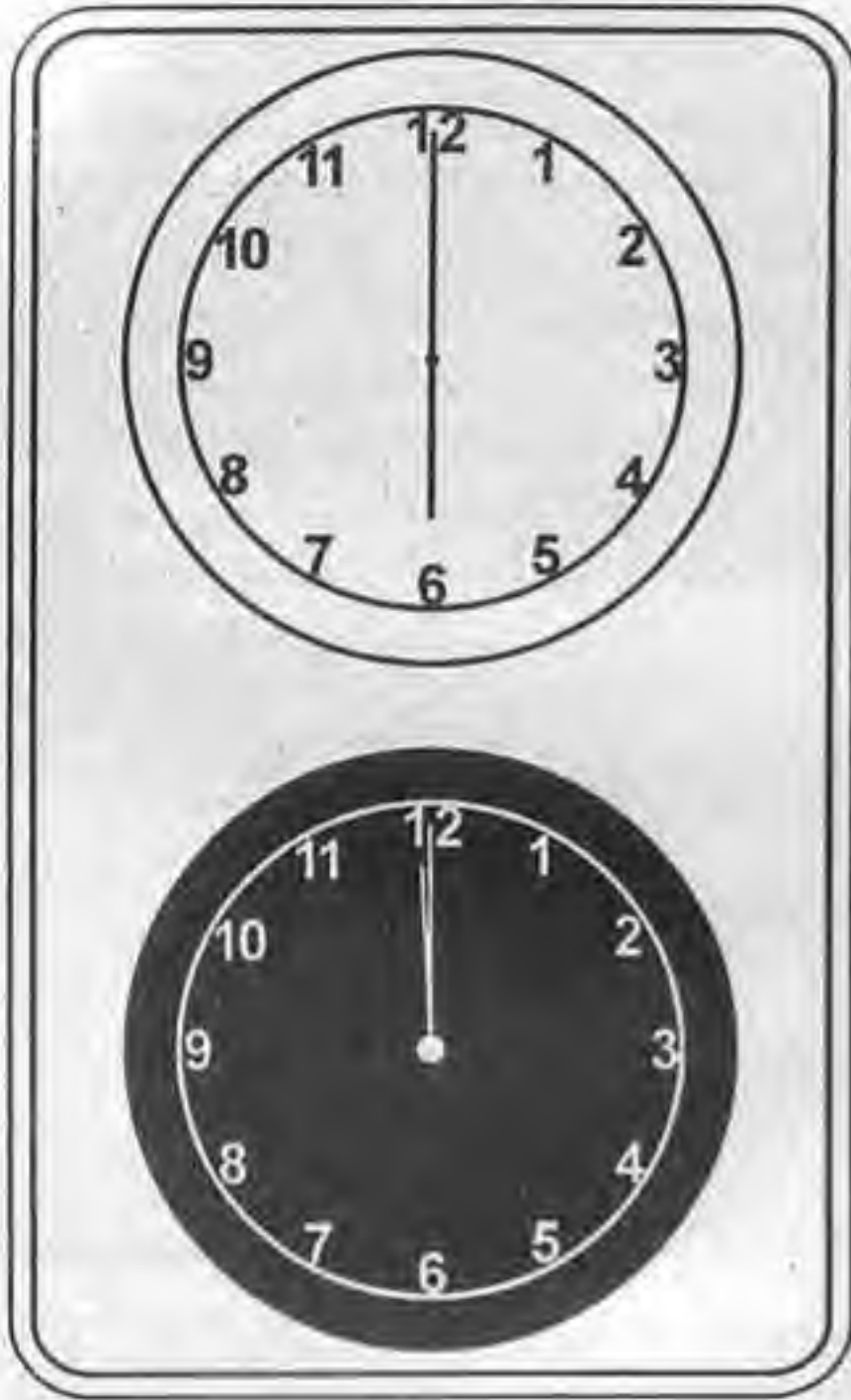
(سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۵)

”وہاں کی گود میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔“

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۶)

مریم علیہ السلام نے کہا کہ:

”میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔“



فرشتے نے کہا:

”اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی شے کے لئے حکم کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔“

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۷)

حضرت مریم علیہ السلام بچے کو گود میں لے کر جب شہر میں پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے:

”مریم علیہ السلام یہ تو نے کیسی جہمت کا کام کر لیا ہے۔ اسے ہارون کی ماہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی پھر یہ کیا کر بیٹھی ہے؟“

(سورۃ مریم آیت نمبر ۲۷-۲۸)

مریم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو میں تو آج روز سے تہ ہوں۔

حضرت مریم علیہ السلام کے اس واقعے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح روحانی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔

قرآن اور تصوف:

سورۃ الرحمن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

”اے گرد و جنات اور گرد و انسان اتم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“

(سورۃ الرحمن آیت نمبر ۳۳)

تصوف میں سلطان کا مطلب چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ کوئی انسان زمینی شعور میں رہتے ہوئے چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کر لے تو وہ زمینی شعور سے باہر نکل سکتا ہے۔

ہر آسمان ایک شعور ہے آسمانی دنیا کو پہچاننے کے لئے ان شعوروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آسمانی دنیا سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جب انسان سات شعوروں کا ادراک حاصل کر لیتا ہے تو اس میں مرثیٰ معلیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں:

بورڈ کے اوپر گھڑی بنی ہوئی ہے گھڑی میں سوئی کے ساتھ ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے ہوئے ہیں ہندسے جس جگہ لکھے ہوئے ہیں وہ آپس سے اور سوئی کا گھومنا قائم ہے، اگر سوئی کو اتنی رفتار سے گھمایا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے 12 سے 6 کے ہندسے پر پہنچ جائے تو شعور پردے میں چلا جائے گا اور جو شعور ایک دور تین کے وقفوں میں سے گزر کر پچھلے پہنچتا ہے وہ حذف ہو جائے گا۔ یعنی ذہن کی رفتار اتنی تیز ہو جائے گی کہ آپس کے وقفے نظر انداز ہو جائیں گے اور جب سوئی کو اس طرح گھمایا دیا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے بارہ پر پہنچ جائے تو ذہن کی رفتار اتنی زیادہ ہو جائیگی کہ ایک سے بارہ تک وقفوں کو نظر پھلانگ جائیگی۔

انسان کے اندر بیک وقت دو نظریں کام کر رہی ہیں ایک نظر وقفہ وقفہ سے کام کرتی ہے اور دوسری نظر وقفوں کی لمبی کر کے آگے اور بہت آگے دیکھتی ہے۔

پیدائشی شعور:

ریورس میں بارہ سے گیارہ، گیارہ سے دس اور اسی طرح گزر کر ایک پر آ جائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جائیگا جو پیدائش کے وقت تھا۔

اگر سوئی بارہ کے ہندسے سے ریورس ہو کر بیک وقت دس پر آ جائے تو انسان کو وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جو اسے خواب دکھاتا ہے۔ اگر سوئی بارہ سے اچھل کر لو پر آ جائے تو اسے مراقبہ کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر سوئی آٹھ پر آ جائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔ اور یہ وحی وحی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی۔ اگر بارہ کے ہندسے پر قائم سوئی تیزی کے ساتھ حرکت کر کے ایک دم سات پر آ جائے تو انسان کے اوپر کشف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اگر سوئی چھ پر آ جائے تو انسان کے اندر وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو قرآن نے سلطان کہا ہے۔ یعنی اب انسان زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے۔

پہلے آسمان کا شعور:

زمین کے کناروں سے باہر دیکھنے کی صلاحیت کے حامل سالک کے اندر پہلے آسمان کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح سات آسمانوں کو وہ دیکھ لیتا ہے اور سات آسمانوں میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا:

”ہم نے آسمان اور زمین کو تہہ در تہہ بنایا ہے۔“

”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی

انہی کی مانند ہے۔“

”اور تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے مخلیق کے کام سے ہم

اچھی طرح واقف ہیں۔“

(سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱)

تہہ در تہہ سے مراد دراصل وہ شعوری صلاحیتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔ سات تہوں والے آسمانوں یا زمین سے مراد یہ ہے کہ ہر تہہ ایک مکمل نظام ہے اور ہر نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ایسا ضابطہ حیات جس کا ایک دوسرے سے تضاد نہیں ہوتا ان سب کا رشتہ خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے۔

تمام چیزیں اور مخلوقات اس بات کا علم رکھتی ہیں کہ ہمارا خالق اللہ ہے اور اس علم پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتی ہیں اور شکر ادا کرتی ہیں۔

اریوں کھربوں سے زیادہ ان چیزوں یا مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق بھی اللہ کی خالقیت سے انحراف کرے تو نظام زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اللہ کی حمد بیان کرتی ہیں۔ یعنی اللہ کی خالقیت سے انحراف نہیں کرتیں۔

تصوف اور رہبانیت

یہ اعتراض کہ تصوف رہبانیت کی طرف آمادہ کرتا ہے اور صوفی کامل الوجود ہوتے ہیں۔
نہایت مضحکہ خیز بات ہے۔

صوفی کے علاوہ جو لوگ کام نہیں کرتے بڑھراہم ہوتے ہیں۔ بچوں کے حقوق پورے نہیں کرتے
دیویاں دن بھر کام کرتی ہیں، شوہر گھر میں بیٹھ کر وقت ضائع کرتے ہیں۔ کیا یہ سب بھی صوفی ہیں؟

ترک دنیا:

صوفی روحانی صلاحیت اور باطنی استعداد کو متحرک کرنے کے لئے جب خانقاہ میں داخل ہوتا
ہے۔ چند سال تک خانقاہ کے ہاسٹل میں رہتا ہے۔ تو اسے مخالفین راہب اور تارک الدنیا کہتے ہیں۔ اور
جب کوئی طالب علم دنیاوی علم حاصل کرنے کے لئے کاروبار یا شہر کا کام سیکھنے کے لئے ملازم حکمران کی اطاعت
کے لئے مزدور مزدوری کے لئے، اجیر فیکٹری میں کام کرنے کیلئے جب سالہا سال گھر اور وطن سے دور
رہتا ہے۔ تو کوئی نہیں کہتا یہ تارک الدنیا ہے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ راہب ہے۔

سائیک خانقاہ میں رہ کر اپنی باطنی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
زیارت سے شرف ہوتا ہے۔ اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ بلا اصلہ و ستائش اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے
کے لئے خود کو اہل بناتا ہے۔ اللہ کا دوست بن کر خوف اور غم سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ تو اسے راہب
اور دنیا پرار کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

تصوف مذہب کی روح ہے اور اسلام کے اصولوں پر اس کی تدوین ہوئی ہے۔ اسلام میں
رہبانیت نہیں ہے۔ دوسرے علوم کی طرح روحانی طالب علم شب و روز محنت کر کے، وقت لگا کر یہ علم سیکھتا
ہے اور جب علم کی تکمیل ہو جاتی ہے تو گوشہ نشینی یا ہاسٹل کی رہائش ترک کر دیتا ہے اور دنیا کے سارے کام
پورے کرتا ہے۔ سائیکس کے اوپر یہ الزام ہے کہ وہ تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ کیا ہم لا اور میں مقیم حضرت
داتا گنج بخش اور ملتان میں موجود حضرت بہاؤ الدین زکریا کو تارک الدنیا کہہ سکتے ہیں۔

داتا صاحب کا مزار مرجع خلافت ہے جہاں ہزاروں انسان روزانہ کھانا کھاتے ہیں۔ کیا ہم اس دولت عام کو ترک دنیا کا نام دے سکتے ہیں۔

* مذہب عالم اور تصوف

تصوف کی ابتداء کسی طرح ہوئی اور تصوف کی شروعات کہاں سے ہوئی اس کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایک معتد ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ تصوف سب سے پہلے فارس میں نمودار ہوا۔ جب زرتشتی عقائد دنیا میں پھیل گئے۔ اور شام اور مصر سے یونان میں اور وہاں سے چین اور ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان عقائد کے ساتھ ساتھ جو روایات گوام تک پہنچیں ان کو تصوف کا نام دیا گیا۔

* یونانی تصوف:

یونان میں صوفیانہ تصوف کا آغاز ایک دیوالائی شخص "آرمینس" سے ہوا۔ اس وقت مغربی ایشیاء میں سامی افکار اور زرتشتی عقائد پھیلے ہوئے تھے۔ جنہوں نے رفتہ رفتہ عمومی رسومات کی صورت اختیار کر لی۔ فلسفیانہ افکار نے عقلیت پسند فہموں کو ان رسومات سے بدگمان کر دیا۔

انہوں نے ایک طرف تو خیر و شر کی پائدار قدر کی تلاش شروع کر دی اور دوسری طرف شر سے محفوظ رہنے کے طریقوں کو تلاش کیا۔ اس ماحول میں آرمینس کے باطنی نظریہ نے جنم لیا۔ اس نے "زہد و اتقا" کو بنیاد قرار دے کر ذاتی تجربہ اور انکی فکری توجیہات کی اشاعت شروع کی۔ تاریخ میں پہلی بار آرمینس نے خائفانہ ہیں قہر کیس۔ اس نے یہ عقیدہ پیش کیا۔ اگر روح جسم کی بندشوں اور مادی حدود سے آزاد ہو جائے تو اسکی قوتوں میں بے حد اضافہ ہوگا۔ مادی جسم کی بندشوں سے آزادی کے لئے جو طریقے وضع کئے گئے۔ اس میں دنیا سے دور ہو کر ریاضت و مجاہدے شامل تھے۔ اس تصور سے رہبانیت کا آغاز ہوا۔ لیکن اس کا کوئی مثبت نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔

یونان کے بعد اسکندریہ میں فیثاغورثی فلسفہ قائم ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ "خدا، روح اور جسم" تین مختلف چیزیں ہیں۔ خدا نے روح کو جو خیر مطلق تھی، جسم میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ جسمانی

اساتذہ اہل علم و فضلہ

ہذبات اور خواہشات پر قابو پانا ہی روح کی معراج ہے۔ اور اس معراج کے حصول کے لئے مخصوص رسومات کو رواج دیا گیا۔

فیثاغورث کے بعد یونان کا بڑا فلسفی فلاطون تھا۔ اس کے نزدیک خدا ہر شے سے بلند اور مادہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عالم دو ہیں۔ ایک محسوسات کا عالم اور دوسرا عقولیات کا عالم۔ روح محسوسات کے عالم سے تعلق رکھتی ہے۔

* یہودی تصوف:

یہودیوں کے یہاں ظاہری رسوم کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ یونانی اثرات کے تحت یہودی مذہب میں جس تصوف نے جنم لیا۔ اس کا بہترین نمائندہ حکیم فیلو ہے۔ حکیم فیلو نے مذہب اور فلسفہ میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی۔

یہودی تصوف میں خدا کے دو وجود ملتے ہیں۔ ایک خدائے خالق اور دوسرا خدائے مطلق۔ ان کے نزدیک تورات کا خدا، خدائے خالق ہے۔ لیکن حقیقی خدا ایک علیحدہ ہستی ہے جو انسانوں کی عقل سے مادہ ہے۔ خدائے خالق کو انہوں نے حقیقی خدا کے مشابہت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

عیسائی تصوف:

عیسائی تصوف کی بنیادیں بائبل اور مصری تہذیب کی پیدا کردہ ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک کائنات کے تمام واقعات نہ تو قوانین فطرت اور انسانی ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ بلکہ تمام واقعات دیوتاؤں کے فیصلہ کا نتیجہ ہیں۔ یہ دیوالائی فیصلے باطنی اسرار سمجھے جاتے ہیں۔

ہندومت اور تصوف:

وید کے اشلوک اور بھگوت گیتا کی عبارتیں پڑھ کر غیر جانبدار آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ویدانت توحیدی عقیدہ پر قائم ہے۔ جس طرح دوسرے پیغمبروں نے توحید و رسالت کا پرچار کیا ہے۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں میں بھی واضح طور پر توحید کا پیغام موجود ہے۔ کرشن جی نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم بھی یہ ہے کہ زمین پر سے شر اور فساد کو ختم کیا جائے اور خیر کو پھیلا دیا جائے۔ انسان کا

خالق سے ایک رشتہ ہے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ انسان مجبور ہے اللہ تعالیٰ کی کفالت میں رہنے کے لئے۔ خالق اور مخلوق کی صفات جدا گانہ ہیں۔ روح سے دوری شر اور فساد کو جنم دیتی ہے۔ اور روح سے قربت انسان کی قوت میں ایسے اضافے کرتی ہے جس سے انسان عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور ریاضت و مشقت کے نتیجہ میں خالق ارض و سما سے متعارف ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کم و بیش جسمانی صلاحیتوں سے واقف ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ انسانی صلاحیت روح کے تابع ہے۔ جب تک کوئی انسان روح کی فضیلت سے واقف نہیں ہوتا اس وقت تک وہ فانی اور مراند کے جسم میں مقید رہتا ہے۔

دوسرے مذاہب کی طرح ہندو مذہب کے دانشوروں نے بھی اپنی اپنی مصلحتوں کے تحت مذہب کی تشریح کی اور مذہب میں ایسی رسومات داخل کر دیں۔ جن کا تعلق روحانی و خائف سے نہیں ہے۔ ان مصلحتوں میں ایک مصلحت آواگون کی بھی ہے۔ اسی آواگون کی وجہ سے حلول و ارتداد کی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ ہندو مذہب کے صحیح پیجاری اور سچے راستے پر قائم رہنے والے بزرگوں نے مذہبی دانشوروں کی بہت ساری مصلحتوں کے سامنے دیواریں کھڑی کیں لیکن عوام کے اذہان ان کا ساتھ نہیں دے سکے۔ نتیجہ میں ہندو مذہب میں بت پرستی کا عنصر غالب آ گیا۔ بت پرستی کے عروج کی ایک بڑی وجہ دیومالا کی کہانیاں بھی ہیں۔ جو دیوی دیوتاؤں سے منسوب کر کے عوام کے ذہنوں میں رائج کی گئی ہیں۔ لیکن اب بھی ہندو مذہب کے سچے پیروکار مذہب میں اور توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہندو مذہب حضرت اربعہ و خواتین حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات پر کار بند ہیں۔

تصوف اور سائنس:

روئیس ایک جگہ لکھتا ہے۔ سب سے زیادہ بہترین انسان جو تجربہ کی بنیاد پر سفر کرتا ہے وہ صوفی ہے۔ وہ اپنے تجربات اور واردات کو ہر قسم کے خارجی معیار پر پرکھتا ہے۔ اسکی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ خالص حقیقت تک پہنچ جائے۔

اور اس حقیقت کو عام علمی زبان میں بیان کر سکے۔ یعنی اسے بیان کرنے میں استدلال اور مشاہدے کی قوت حاصل ہو۔ سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ کوئی بات اس وقت قابل قبول ہے جب اس کے

پچھے دلیل ہو اور وہ بات مشاہدے میں آجائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلسفہ تصوف اور سائنس کا طریقہ استدلال ایک ہے۔ سب سائنس کا یہ فرض ہے کہ وہ صوفیانہ واردات کا کھوج لگائے۔ اور ان تمام مشاہدات کو سائنسی دلیل کے ساتھ پیش کرے۔ جو آج تک شخصی اور ذاتی مشاہدات میں محدود رہی جاتی ہے۔

ولیم جیمز کے نزدیک ہر مصوفانہ واردات اور تجربہ ناقابل بیان ہوتا ہے۔ اس تجربہ میں صوفی جن واردات سے گزرتا ہے وہ اسے محسوس تو کرتا ہے اور الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق محسوساتی دنیا سے نہیں ہوتا اسلئے وہ اسے مادی لباس نہیں پہنا سکتا۔ غور کرنے سے علم حاصل ہوتا ہے کہ صرف مصوفانہ واردات ہی نہیں ہر جذبہ باقی تجربہ بھی ذاتی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر جذبہ باقی تجربہ دوسرے تک متعلق نہیں ہو سکتا مثلاً محبت کے جذبات کے بارے میں کسی دوسرے کو سمجھنا محال ہے۔ عشق کسی استدلال کا محتاج نہیں ہے اور بطور تجربات اور واردات ایک ذاتی کیفیت ہے جس میں کوئی دوسرا شامل نہیں ہوتا۔

تصوف اور معترضین

ایک طبقہ اعتراض کرتا ہے کہ تصوف کا اسلام میں کوئی "کردار" نہیں ہے اسے اسلام میں زیر سی داخل کر دیا گیا ہے۔ ایک اور طبقہ یہ کہتا ہے کہ تصوف یا روحانی سکالہ "نظر المومن" ہے ان علوم کو سکالہ کر آدمی مفلوج ہو جاتا ہے۔ صوفی دنیاوی نعمتوں سے اس لئے فرار حاصل کرتا ہے کہ دنیا میں موجود کلا حقیقتوں کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی کم ہمتی، سستی، کالی اور بزدلی کی وجہ سے وہ گوشت و پھیر ہو جاتا ہے۔

یہ بحث ہزاروں سال سے جاری ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف بدعت سے ماخوذ ہے ان لوگوں کا دنیا سے قطع تعلق در حقیقت گوتم بدھ کی تعلیم ہے، بدھ صاحب نے تخت و تاج چھوڑ کر فقر و قانہ کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اسی طرح مسلمان صوفیاء نے بھی دنیاوی لذتوں، آسائشوں اور راحت و آرام ترک کر کے جنگلوں اور غاروں کو اپنا مسکن بنالیا

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی حضرات بے عملی کی سنہری زنجیروں میں خود کو گرفتار کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لئے آلام و مصائب سے ڈر کر فرار حاصل کر لیتے ہیں۔

کہنے والوں نے بہت کچھ کہا اور سننے والوں نے معترضین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی دیئے اور اس طرح تصوف کو ایک الجھا ہوا مسئلہ بنا دیا گیا۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اہل تصوف ہر زمانے میں موجود رہے اور انہوں نے روحانی علوم کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اپنے شاگردوں میں یہ علوم تحریر کے ذریعے مکتوبات کے ذریعہ کتابوں کے ذریعہ اور علم سینہ کے ذریعے منتقل کرتے رہے۔

اعتراضات:

ہم نے تاریخ کا جس حد تک مطالعہ کیا ہے۔ ہمیں تصوف کے بارے میں کوئی اعتراض

نہیں ملا جو قابل توجہ ہو۔ جتنے اعتراضات ہیں سب فردی اور منطقی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ :

(۱۰) جن علماء نے اشراقیین کی پیروی کی اور اسلامی احکامات کو اشراقی اصولوں پر ترتیب دیا۔ تصوف اسی کا ثمرہ ہے۔

(۲۰) علم اصول کے ماہرین کے نظریات کو تصوف کہتے ہیں۔

(۳۰) تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ادیان و مذاہب سے اپنے مفید مطلب، اعمال و عقائد کو اخذ کر کے ایک عجیب و غریب مجموعہ تیار کیا گیا اور اس کا نام تصوف رکھ دیا گیا۔

(۴۰) چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں جب تصوف نے ہم گیر عظمت حاصل

کر لی تو اس میں وصیان و گمان کے قدیم اصول داخل کر دیے گئے۔

(۵۰) دسویں صدی ہجری میں اور اس کے بعد تصوف کو ایک طمس ہو کر بے بنیاد بنا دیا گیا۔

(۶) تصوف اور بہانیت کا درس دیتا ہے۔ اس میں دنیا پر اور لوگ شامل ہوتے ہیں۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اصحابِ صفہ کے سوا تصوف کی مزید تفریح نہیں ملتی۔

یہ ایسے اعتراضات ہیں جو صاحبِ فہم اور عقل و شعور رکھنے والے فرد کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔

قیاسی علوم :

قرآن حکیم اور احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق کو خود سے متعارف کرانے کیلئے مخلوق کے سامنے اپنی روحانی کی۔ یہ اعتدال میں روحوں کے ساتھ ہوا۔ روح نے جب مادی جسم کو اپنا مسکن بنایا اور مادی جسم نے دنیاوی دلچسپیوں کو مقصدِ حیات بنالیا تو وہ علوم سامنے آئے۔

(۱) قیاسی علوم (۲) حقیقی علوم

(۱) قیاسی علم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں کبھی کوئی بات نہ ہو۔ علم کی برحق قیاس پر یا گشت پر قائم ہو۔

الذہری

(۲)

حقیقی علم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں انسانی قیاس شامل نہ ہو۔ علم کے ہر شعبہ پر حقیقت وار وہ کا غلبہ ہو۔

علم کے بارے میں مستشرقین کی بحث ہو، علم اصول کے نظریات ہوں، ادیان و مذاہب سے اپنے مفید مطلب اعمال و عقائد کی تشریح ہو، سب قیاسات پر مبنی ہیں۔

ہر انسان دونوں علوم سیکھ سکتا ہے۔ ایک علم قیاسی ہے اور دوسرا علم غیر قیاسی یعنی عقلی ہے۔

غیر قیاسی علوم باطنی علوم ہیں۔ ان باطنی علوم کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ بحث کہ تصوف صوفیہ سے ماخوذ ہے۔

صوفی ادنیٰ کپڑے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ادنیٰ کپڑے کا لباس انبیاء کرام نے ان کے شاگردوں اور تلامذہ

نے زیادہ پہنا ہے اس لئے انہیں صوفی پکارا جاتا ہے۔ یہ تصوف کی صحیح تعریف نہیں ہے۔

منافقانہ طرزِ عمل :

یہ کہنا کہ اصحابِ صفہ کا ایک گروہ تھا اور انہوں نے دنیا ترک کر کے صرف اسلام کی تبلیغ

کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا اس لئے جو بندہ ترک دنیا کر کے تبلیغ کیلئے خود کو وقف کر دے وہ صوفی ہے۔

یہ بات حقیقت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ اصحابِ صفہ جب شادی کر لیتے تھے تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا کام ان کے سپرد اس طرح فرماتے تھے کہ وہ اپنے بیوی بچوں، خاندان،

معاشرے اور چڑوں کے حقوق پورے کر کے دین کا فریضہ انجام دیں۔

یہ اعتراض کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور اہل تصوف رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں۔

تصوف کے خلاف منافقانہ طرزِ عمل اور سازش ہے۔ جن لوگوں نے بدنامی خود اپنے آپ کو نمایاں کرنے یا ان

کے خول میں بند ہو کر اپنی پڑائی کو عام کرنے کے لئے لفظ "صوفی" اور تصوف کے مادہ اشفاق میں نوہ

لگائی ہے ان کے پاس بھی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔

صوفی کا لفظ نہ عربی ہے نہ اسلامی ہے۔ بلکہ یہ ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کا مادہ "صوف" ہے۔ یونانی زبان

میں صوف کے معنی "حکمت" ہے۔

تاریک الذہن :

"دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے تو اشراقی تہمت،

نے صوف کا ترجمہ "حکیم" کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ لفظ صوفی سے "صوفی" ہو گیا۔

یہ روایت بھی ہے کہ غوث بن مرز نے خود کو خانہ کعبہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کا مشہور نام "صوف" تھا۔

جن لوگوں نے خود کو غوث بن مرز سے منسوب کیا وہ صوفیاء کہلائے۔ غوث بن مرز کو صوف اس لئے کہتے تھے کہ اس کی ماں کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی تھی۔ صوف کی ماں نے منت مانی تھی کہ اگر اسکی اولاد زندہ رہی تو وہ اس کے سر پر اون کا کرکے شریف کیلئے وقف کر دے گی۔ چنانچہ اس نے منت پوری کی اور غوث بن مرز کا مشہور نام صوف زبانِ زو عام ہو گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ "صوفانہ" سے مشتق ہے جو کہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ چونکہ صوفی لوگ صحرا کی گھاس پات کھا کر گزارا کرتے تھے۔ اس لئے وہ صوف کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بعض لوگوں نے تو لفظ صوفی کی تشریح میں غضب ہی کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نام "بیٹ صوفیہ" گرجا کے رہنے والے راہبوں کی وجہ سے ہے جو اپنے آپ کو تارک الدنیا کہتے تھے۔ اور یہ نام اہاں سے نکل کر مسلمان درویشوں میں رائج ہو گیا۔

غرضیکہ جتنے معنائی باتیں۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے اس کا مفہوم یہ نہیں سمجھا کہ لفظ صوفی کا تعلق ظاہری اور باطنی صفائی سے بھی ہو سکتا ہے۔ یاد وہ لوگ جو کدورت، بغض و عناد، نفرت اور فساد سے پاک صاف ہو جاتے ہیں ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔

الحمد للہ! یہ بات قابلِ شکر ہے کہ باوجود مخالفت کے مخالفین نے بھی تصوف اور صوفی کا کوئی تاریک پہلو پیش نہیں کیا۔

تھیاسوفی:

یونانی لفظ تھیاسوفی کا ترجمہ "حکمتِ خدا" ہے۔ اس نکتہ نگاہ سے صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طلبگار ہو۔

یونانی لفظ کے مطابق صوفیاء دراصل وہ بزرگ تھے جنہوں نے دوسرے مشاغل ترک کر کے اپنی زندگی Research میں اور کائنات میں، خالق کائنات کی حکمت کی تلاش کرنے میں صرف کر دی۔

اور یہ ایسی بات نہیں ہے جس میں ترک دنیا کا پہلو نمایاں ہوتا ہو۔ اس لئے کہ جب کوئی سائنسدان ریسرچ کرتا ہے تو وہ بھی دنیا کے دوسرے مشاغل سے یکسو ہو جاتا ہے۔

اسلام میں تفرقے:

طوائف الملوکی کے زمانے میں ایران کے ذہین طبقہ نے حکمتِ خدا کی طرف رجوع کیا۔ ان بزرگوں نے نفسِ انسانی کا کھوج لگانے کی جدوجہد کی۔ زمانے میں رائج تا انسانی اور استعمار کے خلاف عدم تعاون کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جاہ پسند اور دنیا پرست لوگوں نے صوفیاء کو ہیبت ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ مگر صوفیاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تشریف رشت میں کسی مخالفت، مخالفت اور تشدد کی پروا نہیں کی انہیں دانشوروں کے علاوہ سلاطین کے قتلہ دار بے رخی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ انشاء اللہ صوفیاء کی یہ جماعت اللہ اور اللہ کے رسول کے توحیدی مشن کو پھیلانے میں تاقیامت عزم اور حوصلہ کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف رہے گی۔

ہمیں اس بات کا ارمان ہے کہ..... کاش ہمارے علماء اسلام میں ناقابلِ فہم تفرقوں پر بھی توجہ دیں تاکہ اللہ کے حکم کی سرمتِ خلاف ورزی ختم ہو جائے۔

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھم ہو کر پکڑو اور آپس میں تفرق نہ ڈالو" کے پیٹ فارم پر امت مسلمہ جمع ہو جائے۔ امت مسلمہ کی اجتماعیت سے ہی..... مبلغین پوری نوعِ انسانی کو حقیدہ توحید پر قائم رہنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔

حقوق اللہ:

"اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوفی کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہیں تھا اس لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہم سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں الحمد للہ، اہل قرآن و وحی ہندی، بریلوی، بابائی، شیعہ، سنی وغیرہ کے الفاظ بھی رائج نہیں تھے۔ حکیم الامت، علماء، مولانا، مولوی کے الفاظ کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ کسی نے مولانیت یا مولویت کے الفاظ کا اشتقاق کیوں دیا۔

تلاش نہیں کیا۔ کیا صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کوئی بزرگ مولوی ابو ہریرہؓ مولانا معاض بن جبل یا صفوان مسعود یا عامر ابن عباسؓ حکیم الامت ابن عمرؓ مولانا ابو بکر مفتی عثمان فنی کے نام سے مشہور تھے؟

بحث و مباحثہ کا سارا زور لفظ "صوفی" کیوں ہے؟..... اس لئے کہ صوفی یہ کہتا ہے کہ قال کے ساتھ حال ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ باطن ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ اگر باطن نہیں ہوگا تو عبادت کی قبولیت کا مژدہ نہیں ملے گا۔ اگر اسلام کے ساتھ ایمان نہیں ہوگا تو اسلام کی تکمیل نہیں ہوگی۔ نماز میں اگر حضور نہیں ہوگا تو نماز معراج المومنین نہیں بنے گی۔ حقوق اللہ پورے نہیں کئے جائیں گے تو شرک سے نجات نہیں ملے گی۔ اللہ وحدہ لا شریک کو دیکھ کر اس کا عرفان حاصل نہیں کیا جائے گا تو تخلیق کا مقصد برباد نہیں ہوگا۔

صوفی کا پیغام یہ ہے کہ:

"ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے ،
اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے ،
جو بندہ اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے ،
وہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھ لیتا ہے"

تصوف کی اہمیت و حقیقت

حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ:

ایک روز اچانک جبرائیل علیہ السلام بہ صورت انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ انہیں منسوب بیٹھ کر چند سوال کئے۔

(۱) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا رسول ہے اور قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اگر سرفراخ کی استطاعت ہو۔

جبرائیل نے کہا:

مجھ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۲) حضرت جبرائیل نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اس کی تقدیر پر بھلی ہو یا بری۔

جبرائیل نے فرمایا: مجھ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۳) حضرت جبرائیل نے پوچھا: احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایمان کر سکتے تو اس طرح عبادت کر کہ گویا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جبرائیل نے کہا:

مجھ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

• قصہ توبہ

حضرت جبرائیل کے اس استفسار میں تین باتیں بطور خاص غور طلب ہیں۔

☆ اسلام کیا ہے؟

☆ ایمان کسے کہتے ہیں؟

☆ اور احسان کیا ہے؟

اسلام:

اللہ وحدہ لا شریک کو ایک مان لینا اور اسی کو برحق معبود سمجھنا اسلام ہے۔ شریعت مطہرہ پر بلا چون و چرا عمل کرنا، یہی امن اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ایمان:

ایمان یہ ہے کہ اعمال و اشغال کے نتیجے میں ایسا یقین حاصل ہو جائے جس میں شک کا شائبہ نہ رہے۔ ایمان یقین ہے اور یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ کوئی عدالت یعنی شہادت کے بغیر گواہی قبول نہیں کرتی۔

احسان:

احسان کا مطلب ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ کر عبادت کرے یا بندہ اس کیفیت میں ہو کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ یقین کے اس درجے کو تصوف میں مرتبہ واحسان کہتے ہیں۔ اگر آدمی اسلام قبول نہیں کرے گا تو مسلمان نہیں ہوگا اور اگر مسلمان یقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہوگا تو مومن نہیں ہوگا اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھتا ہے یا وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

علماء اس حدیث شریف کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

”اسلام یہ ہے کہ شریعت کے آداب و احکامات کا علم ہو اور اس پر عمل کیا جائے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی ذات و صفات اور اس کے فرشتے اللہ کے فرمان کے مطابق برحق ہیں۔“

• مشاہدات

فرشتے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم اس کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا، اور رسولوں کو اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ وہ معصوم و گناہوں سے پاک ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں قیامت، بہشت و دوزخ کے عذاب و ثواب پر۔ اہل تصوف اس حدیث شریف کی تشریح یہ کرتے ہیں:

اسلام قبول کر کے، احکام شریعت پر پوری طرح عمل کر کے، غیب کی دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا، اور اللہ رب العزت کے سامنے حضور قلب سے حاضر ہونا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ مقام شہود و مشاہدہ ہے اور یہ کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام مراقبہ ہے اس مراقبہ میں بندہ علم الہی سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

انفس و آفاق:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مفقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں دکھائیں گے۔“

حضرت رابعہ بصری:

”حضرت رابعہ بصری نے بارگاہ الہی میں عرض کیا۔ اے اللہ! اگر میں تیری عبادت و دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھوٹک دے اور اگر میں تیرے حضور جنت کی لالچ میں مجھہ کرتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کر دے اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو، تو مجھے اپنے دیدار سے نواز دے۔“

زاہد و عابد دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، مصوفیاء کے اوپر بھی عبادت فرض ہے لیکن وہ عبادت میں ہمہ وقت اللہ کے طرف متوجہ رہتے ہیں وہ صرف اس لئے اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کے علاوہ دوسرے نہیں ہوتا۔ وہ اللہ سے اللہ کو مانگتے ہیں۔

• ایک سو ایک بابا بزرگ

فلاسفہ اور تصوف:

انسان کی عقل اور روحانی زندگی میں تصوف کی اہمیت کا اندازہ مشہور فلسفی برٹریڈ رسل کی اس تحریر سے ہوتا ہے:

”دنیا میں جس قدر عظیم فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفہ کے ساتھ ساتھ تصوف کی ضرورت کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ دنیا کے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے ہو سکتا ہے اور بہترین انسانی خیروں کا اظہار تصوف کے ذریعہ ہی ممکن ہے“

برٹریڈ رسل نے حسب ذیل فلاسفہ کے نام بطور مثال کے پیش کئے ہیں، پرفیلیس، پارمینائڈیز، افلاطون، اسپنوزا، برونو، بیگل، برگساں اور دہانت بنڈ وغیرہ۔ فلاسفہ نے تصوف کی اہمیت پر مقالے لکھے ہیں۔ تصوف کیا ہے، تصوف خالق اور مخلوق کے عقائد کا ذریعہ ہے۔

تصوف سالک کے اوپر یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ انسان کا مادی جسم اور مادی جسم کے تمام حصے روح کے تابع ہیں۔ روح کے بغیر مادی جسم DEAD BODY ہے۔

مذہب اور تصوف:

تصوف مذہب کی روح ہے۔

مذہب کیا ہے؟..... مذہب اپنے پیروکاروں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ مجھے اللہ کی دعا ہے۔

مذہب شعور عطا کرتا ہے کہ رزق اللہ کا ہے، میں جو کچھ خرچ کرتا ہوں وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

مذہب..... انسان کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھتا ہے۔

جب کوئی انسان مذہبی ارکان پر سے گرتا ہے تو وہ روح کی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور

یومنون بالغیب کے زون میں داخل ہو جاتا ہے۔

..... مذہب مساوات کا درس ہے اور اپنے پیروکاروں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ اللہ ہر وقت ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے۔

..... سچا آدمی کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔

..... اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑنے اور تفرقوں سے بچنے کے لئے مذہب ایک پلیٹ فارم ہے۔

مذہبی دانشور کہتا ہے اے مسلمان اللہ سے ڈر۔

صوفی کہتا ہے اے مسلمان خالی زبان سے اللہ کا نام نہ لے۔ منافقت کا ٹھیل نہ کھیل، دل

کے راستے یقین کی دنیا میں اتر جا۔ اللہ سے محبت کر۔ اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے گناہوں سے اجتناب کر۔

ہر انسان کسی نہ کسی عقیدہ پر قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو کچھ مستقل کی حفاظت کے لئے کسی

ایک ذات پر یقین ہونا ضروری ہے۔۔۔ بڑوں کا قول ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ یہ چراغ وہ توحید

پرست صاحبِ دل حضرات و خواتین ہیں جو تزکیہ اور تقویٰ کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

صاحبِ دل انسان اتمامِ انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ علوم و فنون کا احترام کرتا ہے۔ اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر خوش ہو کر عمل کرتا ہے۔ لہذا بھی خوش رہتا ہے اور دوسروں

کو بھی خوش رکھتا ہے۔ تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ صوفی نہیں ہے۔

عمل کے بغیر عرفان حاصل نہیں ہوتا۔ پس جو شخص باعمل نہیں وہ صوفی نہیں ہے۔ اسے ہم فلسفی

یا مستطعم کہہ سکتے ہیں۔ صوفی اپنے باطن سے واقف ہوتا ہے۔ اللہ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے

اوپر غیب کی دنیا روشن ہوتی ہے وہ صرف تزکیہ نفس کی تلقین نہیں کرتا۔ اپنے شاگردوں کو بتاتا ہے کہ انسان

کے اندر پوری کائنات بسی ہوئی ہے، کائنات باہر نہیں ہے ہمارے اندر ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں سے

وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ عرفانِ الہی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان بندوں کے اوپر ہدایت کے

راستے کھول دیتا ہے۔

تخلیقِ خاطر کے ساتھ یقین و استحکام کے ساتھ دل کی گہرائیوں کے ساتھ کوشش کرو گے تو تم

اللہ کو دیکھ لو گے۔

محبت:

تصوف مذہب کی روح ہے۔ اور روح باطن کی گہرائیوں میں مشاہدہ کا ذریعہ ہے۔ مومن،

کافر، ہندو مسلمان کالے گورے اپنے پرانے جبرٹھس سے صوفی اس لئے محبت کرتا ہے کہ سب اللہ کی مخلوق

ہیں۔ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مخلوق اللہ کا کعبہ ہے۔"

ولی اللہ بھی خود کو اللہ کے کعبہ کا فرد سمجھتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ ہر شے کے ظاہر و باطن میں اللہ کا نور جلوہ گر ہے، ہر شے میں اسی کا ظہور ہے۔ ساری کائنات پر اسی کی حکمرانی ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے، وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پیدا ہونے، زندہ رہنے اور کبھی نہ مرنے پر کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

ماورائی شعور:

رب العالمین انسان پر یہ حقیقت منکشف کرتے ہیں کہ عالم ایک نہیں ہے۔ شریات سے زیادہ عالمین ہیں اور ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیاں ہیں اور تمام دنیاؤں کو اللہ تعالیٰ وسایل عطا کرتا ہے۔

ان کے کھانے پینے لباس، مگر روزگار، اور نسلوں کے لئے توازن، توازن اور تسلسل کے ساتھ رزق پیدا کرتا ہے۔ اور سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان وسائل کو رحمت کے ساتھ تقسیم فرماتے ہیں۔ ایک عالم یا ایک دنیا کے علاوہ لامتناہی دنیاؤں کو دیکھنا۔ سمجھنا اور ان دنیاؤں کے شب و روز سے واقف ہونا۔ ناممکن نہیں ہے۔ ہر انسان کے اندر ناممکن شعور کے ساتھ ماورائی شعور بھی ہے۔ اس ہی ماورائی شعور سے واقفیت حاصل کرنے کا علم تصوف ہے۔ جس نے اپنے نفس (ماورائی شعور) کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

نوعوں میں افضل بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اپنے پاس بلایا اور خود سے اتنا قریب کر لیا کہ دو کمانوں کا فاصلہ ہو گیا یا اس سے کم۔

"ہم نے اپنے محبوب بندے سے رات و نیا کی باتیں کیں اور ہمارے بندے نے جودیکھا بھوت نہیں دیکھا"

(سورۃ نجم۔ آیت نمبر ۱۰-۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت مشقت، مصائب اور پریشانی برداشت کر کے اپنی امت کو توحید پر قائم رہنے کا پروگرام عطا کیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو تم اپنے لئے چاہو وہی اپنے بہن بھائیوں کے لئے چاہو۔

☆ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

☆ جہاں تم چار ہو وہاں پانچواں اللہ ہے۔

☆ اللہ تمہاری رنگ جال سے سے زیادہ قریب ہے۔

☆ اللہ ہر شے پر محیط ہے۔

☆ دوسرے مذاہب کے علماء کا احترام کرو، انہیں برا نہ کہو اگر تم برا کہو گے تو وہ

تمہارے علماء کو برا کہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف اور درگزر فرما دیتے تھے۔

اللہ کی کتاب قرآن حکیم میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

"پس آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳)

تصوف اور مکارم اخلاق

محبوبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا نمونہ ہوتا ہے اس کے اندر سیرت مکتوبہ کی ہر ایک نظر آتی ہے وہ غصہ نہیں کرتا حقو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ اس کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کا احترام ہوتا ہے۔ دوسروں کے کام آتا ہے، ایسا ہے جہد میں نرمی اور ہلکتا ہوتا ہے۔ ہر اخلاقی برائی سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر اچھی بات پر دلیلی سے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ کسی پر ظلم و تشنیع نہیں کرتا اور نہ کسی کو بدعنوانیتا ہے۔ ہر کسی کو ان کی سہولتوں سے بہرہ مند کرتا ہے۔ اخلاق و سیرت اس کی شناخت بن جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا مطلق عظیم ہے"

اخلاق حسہ:

"اخلاق وہی اچھا ہے جس میں صفات ربانی کا عکس ہو کچھ صفات ایسی ہیں جن میں انسان برابری نہیں کر سکتا مثلاً اللہ واحد ہے اور مخلوق کثرت ہے، اللہ خالق ہے مخلوق مملوق ہے، کبریائی اور بڑائی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے بندے کا کمال یہ ہے کہ اس میں کبریائی کے مقابلے میں خاکساری اور تواضع ہو قادر مطلق اللہ کی صفات میں بندہ فروتنی محسوس کرے۔ خوش اخلاق ہو کیونکہ اسلام نے انسان کی اعلیٰ تکمیل کا ذریعہ اخلاق کو قرار دیا ہے۔ صفات الہیہ کے انوار سے بندہ بشر جس حد تک قریب ہوتا ہے اس کی روحانی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے ہیں اور سب نے اخلاقیات پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ تمام مذاہب کی بنیاد بھی اخلاق حسہ پر رکھی گئی ہے۔ دنیا میں ایک اکٹھے نہیں ہزار پیغمبر تشریف لائے سب نے اس بات کا اعادہ کیا کہ سچ بولنا اچھا عمل ہے اور جھوٹ بولنا برائی ہے۔ انصاف برائی ہے اور ظلم برائی ہے، خیرات نیکی ہے اور چوری جرم ہے۔ دوسرے کے کام آنا ایسی عادت ہے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور حق تلفی کرنا اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔

سیرت حبیب

فضائل اخلاق:

نبوت کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور رسالت اور نبوت کا اختتام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گیا۔

آسمانی کتابوں اور صحائف میں اس بات کو مسلسل دہرایا جاتا رہا ہے کہ ایک خیر البشر آئے گا اور آسمانی علوم کے مطابق تکمیل دین کا اعلان کرے گا۔ حضرت مسیح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرستادہ آخری نبی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر اپنی نعمتیں پوری فرمادیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

”میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشت نبوی سے پہلے ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا تھا۔ ابو ذرؓ نے اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آ کر اپنے بھائی کو بتایا:

”میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں“

نبیاشی نے جب مسلمانوں کو بلا کر اسلام کے بارے میں تحقیق کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے کہا:

”اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے جن کو پوچھتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں

کرتے تھے، زہریلوں کو تنگ و پریشان کرتے تھے اور بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردستوں کو غلام بنالیتے تھے ان حالات میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا..... اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم چوروں کی پرستش چھوڑ دیں، جج پولیس خوزریوں سے باز آجائیں۔ قیدیوں کا مال نہ کھائیں۔ مسائیلوں سے اچھا سلوک کریں، ضعیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں“

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیانؓ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاک بیان کیا اس میں یہ تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ پاک و ناپیستی اختیار کریں۔ جج پولیس اور قرابت داروں کا حق ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا:

”یہ پیغمبر جاہل اور ان پرہیزگاروں کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو حکمت سکھاتا ہے“

اس آیت میں دو لفظ بہت زیادہ تکرار طلب ہیں۔

(۱) تزکیہ (۲) حکمت

تزکیہ کے لفظی معنی ہیں..... پاک صاف کرنا، بھارتا.....!!

قرآن پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”بلایہ جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنایا وہ کامیاب ہوا جس نے اسے منیٰ میں ملایا وہ ناکام رہا“

(سورۃ شمس۔ آیت: ۱۰ تا ۱۲)

”وہ ہوتا جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کیا اور نہانہ پرہیزی“ (سورۃ اعلیٰ۔ آیت: ۱۵ تا ۱۷)

”پیغمبر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیوری چیز حائل اور منہ موڑا کہ اس کے پاس اندھا آئے۔ اور تجھے کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا تو تیرا سمجھاتا اس کے کام آتا“

(سورۃ صافات۔ آیت: ۱۷ تا ۲۱)

ان آیات میں تزکیہ کا مفہوم واضح ہے جسے پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات قرار دیا ہے۔ یہ مفہوم بھی لفظ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا سب سے بڑا منصب یہ تھا کہ وہ انسانی نفس کو برائیوں، نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کرے، اور ان کے اخلاق و اعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائے۔

(۲) حکمت کا لفظ نور کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا گیا ہے۔ جس کے آثار

بیت منیٰ

و مظلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنن و احکام کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اور ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں بتائیں کہ خدا کا شکر ادا کریں“

(سورۃ لقمان - آیت ۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اخلاق کے مرتبے کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو حیثیت حاصل ہے، اخلاق کو بھی اتنی اہمیت حاصل ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو! کوٹ کر، سجدہ کرو اپنے رب کو پوجو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ“

(سورۃ الحج - آیت ۱۰)

عبادات کا کردار:

”مقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات اور تعلقات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے اس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک و بد بندے پر بند نہیں ہوتا۔ شرک و کفر کے سوا ہر گناہ قابل معافی ہے۔ مگر حقوق العباد، اخلاقی فرائض کی کوتاہی اور تقصیر کی معافی اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا تو ظالم بھائی کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں ظلم کو معاف کرالے ورنہ یوم حساب میں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم و درہم نہیں ہوگا، صرف اعمال ہو گئے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور مظلوم کے احوال میں لکھ دی جائیں گی“

چار ستون:

بے سمجھ و اعتدال اور ابن الوقت مذہبی دانشوروں کی لٹلا بیانی سے یہ لٹلا بھی پیدا ہو گئی ہے کہ اسلام کی بنیاد صرف توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پانچ

ستونوں پر کھڑی ہوئی اسلام کی اس عمارت میں اخلاق حسنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اور عبادات سے اخلاق حسنہ کی ہی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نماز کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے۔ زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس ہے۔ اور حج مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ ہیں مگر ان کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔ اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمر حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ احکام الہی کی حقیقی تکمیل نہیں ہوئی۔

یہ عبادات ایسا درخت ہیں جس میں پھل نہیں آتا، ایسے پھول ہیں جس میں خوشبو نہیں ہے، یہ اعمال ایسے قالب ہیں جس میں روح نہیں ہے۔
احیاء علوم میں امام غزالی لکھتے ہیں۔

”اور اللہ فرماتا ہے میرے لئے نماز قائم کرو۔ جو لے والوں میں نہ ہو جائے۔ فحش کی حالت میں اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو“

سوال یہ ہے کہ کتنے ہی نمازی ایسے ہیں کہ جو شراب نہیں پیتے مگر جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے معافی اور مغفوم نہیں ہوتے۔ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا۔ دوسروں کا ایک طوقان انہیں گھیرے رہتا ہے۔

آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”کہ میں ہر آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بیانی کرتا ہے اور بندوں پر اپنی بیانی نہیں جتاتا اور جو مجھ کے حجاج کو میرے لئے کھانا کھلاتا ہے“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے ایسی نماز اس کو اللہ سے دور کر دیتی ہے“
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”روزہ رکھ کر جو شخص صیوت اور فریب کو نہ چھوڑے اللہ کو اسکی ضرورت نہیں ہے“
ان تعلیمات سے متکشف ہوتا ہے کہ عبادت کا ایک اہم مقصد اخلاق کا تزکیہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع کرتے ہیں اور جو لایعنی بات پر دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں"

(سورۃ مومنون - آیت: ۴۱)

"اور جو اپنی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے"

(سورۃ مومنون - آیت: ۸)

جب صوفی ان الفاظ کی اہمیت پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرب الہی اور دعا کی قبولیت کے بہترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن اخلاق کے لئے درخواست کی ہے۔

صوفی یہ بات جانتا ہے کہ ایمان میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"مسلمانوں میں کامل ایمان اسکا ہے جسکا اخلاق سب سے اچھا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"حسن اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے"

سیرت طیبہ اور صوفیاء کرام:

خاندانی نظام میں سالک کو پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے:

"باادب بالنعیب بے ادب بے نعیب"

سالکین کو سیرت طیبہ کا ہر پہلو پڑھایا جاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے ان کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ:

(۱) اگر تمہیں کسی سے تکلیف پہنچے تو تم اسے معاف کرو حالانکہ تم الہی مخلوق کے تحت بدلے سکتے ہو لیکن معاف کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

(۲)

اگر تم سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے۔ وہ اعلیٰ ذات ہو یا چھوٹی ذات میں شمار کیا جاتا ہو، مگر وہ ہو یا طاقتور ہو تم اس سے معافی مانگ لو۔

(۳)

دین اور دنیا کے معاملات میں تندی کے ساتھ پوری کوشش کرو لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

(۴)

قیام الصلوٰۃ کا مطلب ہے اللہ کے ساتھ رابطہ میں رہنا۔ یعنی اللہ کو دیکھ کر یا اللہ کو محسوس کر کے اسکی عبادت کرتا۔

(۵)

جہاں بھی رہو علم دین کے ساتھ علم دنیا بھی سیکھو۔ تاکہ شعوری استعداد میں اضافہ ہو اور اس علمی استعداد سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ۔

(۶)

اللہ کی پسندیدہ عادت مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ بغیر غرض کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ جب کوئی بندہ مخلوق کی غلصانہ خدمت کرتا ہے تو اسے اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

(۷)

قرآن ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو فیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان مشاہدہ سے شروع ہے۔

(۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے محبت کرتے ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے فرستادہ بندے اور رسول ہیں۔ اس ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔

(۹)

اولیاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اللہ کے دوست ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ کے دوست سے دوستی بھاتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو ایسے بندوں پر رحمت کی بارش برکتی ہے۔

مابعد الطبیعی اساس:

انسان جس جسمانی وجود سے اس دنیا میں چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے، وہ قافی ہے۔ ہر انسان کی اصل اس کی روح ہے۔

روح کا اور اک ہونے سے انسان اپنی اصل سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے واقفیت ہی عرفان الہی کا وسیلہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق (بیت المقدس) مغرب (غایت کعبہ) کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ پر قیامت پر فرشتوں پر کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور خواہش کے باوجود اللہ کی محبت میں اپنا مال، رشتے داروں، قبیلوں، غریبوں، مسافروں، ماتحتی والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، نماز ادا کرتا رہے، زکوٰۃ دیتا رہے اور جو وعدہ کرے اپنے وعدے کو پورا کرتا رہے، اور جو مصیبت، تکلیف اور پریشانی میں ثابت قدم رہے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ ہے“

(سورۃ البقرہ - آیت: ۱۷۷)

آیت کی تفہیم یہ ہے کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اس ہی طرح دوسرا لازمی نتیجہ بہترین اوصاف، فیاضی، ایلائے عہد اور صبر و شکیات وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”اور ہم اے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر رہے پاؤں چلتے ہیں اور جب تک لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور ہجرت میں رات گزارتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور کر، اس کا عذاب بڑا سنگین ہے اور جہنم برا الجہان اور مقام ہے اور جو خرچ کرتے ہیں وہ فضول خرچ نہ کریں اور نہ تنگی کریں، بلکہ ان دونوں کے درمیان ماورجواللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے اور جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے، جس کو اللہ نے منع کیا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے پیوست ہوگا“

(سورۃ فرقان - آیت: ۶۴-۶۳)

”اور جو ہم نے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی لغویات سے گزر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں اور جب اللہ کی نشانیاں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان کو نہیں سنتے اور یہ غامضات ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی شہنشاہ بخش اور ہم

کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا، اے“

(سورۃ فرقان - آیت: ۷۷-۷۶)

مومن کے اخلاقی اوصاف:

اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اہل ایمان (یعنی صاحب مشاہدہ خواتین و حضرات) کے اخلاقی اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جو غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں (یعنی اللہ ان سے ہمکلام ہوتا ہے) نماز قائم کرتے ہیں (یعنی ان کا اللہ سے رابطہ ہوتا ہے) اور ان کے کام باہم مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو دیا ہے اس میں سے کچھ خدا

کی راہ میں دیتے ہیں اور جو ان پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے، تو جو کوئی معاف کر دے اور تنگی کرے تو اس کا درجہ اللہ کے ذمہ ہے وہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا اگر مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں تاحق فساد پکارتے ہیں ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے، بلاشبہ جو مظلوم ہونے پر بھی ظالم کو معاف کر دے اور سختی سہلے تو یہ بہت کے کام ہیں“

(سورۃ الشوری - آیت: ۳۶-۳۳)

”جنت ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو دہاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ اچھا کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے“

(سورۃ آل عمران - آیت: ۱۳)

”یہ وہ ہیں جن کو وہ ہر اہر طے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور دہرائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں، اس سے کن روکشی اختیار کر لیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے تمہارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل

ہے، تم سلامت رہو، ہم نا بھول کو نہیں چاہتے۔

(سورۃ القصص آیت ۵۶-۵۴)

"اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں"

(سورۃ ہر آیت ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعائیں کہتے تھے اس میں یہ قلم بھی ہوتا تھا:

"اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، میرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے بھرا دے اور ان کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو۔"

خدمتِ خلق

سورۃ فاتحہ قرآن کی پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف بیان کی ہے۔
"الحمد للہ رب العالمین"

سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے، بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے، بلند سے بلند تر، اول سے آخر، آخر سے اول، ظاہر و باطن، ماضی و حال، حال و مستقبل، رات اور دن، سموات اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب سے زیادہ اللہ کی تعریف ہے۔

مخلوق کی ڈیوٹی:

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ پیدا کرنے سے پہلے زندگی کے لئے ضروری وسائل فراہم کئے اور کائناتی نظام کو اس طرح ترتیب دیا کہ کائنات کا ہر فرد اور ہر ذرہ ایک دوسرے کے کام آ رہا ہے۔
سب تعریفیں اللہ کے لئے مخصوص ہیں جس نے سورج بنایا، سورج کو اتنا مطیع، فرمانبردار اور ایثار کرنے والا بنایا کہ وہ نہیں دیکھتا کہ میری دھوپ سے کون فائدہ اٹھاتا ہے۔ دھوپ تپتے میدان پر پڑتی ہے۔ دھوپ بلند و بالا برف پوش پہاڑیوں کو حرارت بخشتی ہے۔ دھوپ مہلات کے کمروں اور پھولوں کی جمبوئیوں کو بھی روشن کرتی ہے۔ دھوپ کھیتوں پر بھی پھیلتی ہے اور دھوپ کچڑ میں رہنے والے کیڑے سے کھڑوں کو بھی زندگی عطا کرتی ہے۔

اللہ نے چاند بنایا۔ چاند کی روپوشی کریمیں مرغزاروں کو حسن عطا کرتی ہیں۔ پھلوں کو مشاس منتقل کرتی ہیں۔ پانی میں پھل پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی منور کرنیں جب سمندر کے سینے کو چیر کر اس کے دل میں اتر جاتی ہیں تو سمندر میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ پرسکون پانی میں اضطرابی کیفیت میں بھونچال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور سکون آمیز لہریں ہیں، تیس فٹ اوپر اچھلتی ہیں۔

آسمان کو اللہ نے ستاروں سے سجایا۔ گہپ اندھیرے میں ستارے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں اور پیدل چلنے والے قافلوں، اونٹنوں یا کشتیوں میں بیٹھے ہوئے مسافر ستاروں سے رہنمائی حاصل

کرتے ہیں۔

زمین جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا سخت نہیں بنایا کہ لوگ ٹھوکریں کھا کر گرنے لگیں اور اتنا نرم نہیں بنایا کہ زمین کے پاسی و لدل میں جھنس جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوقات کیلئے بچھوڑا بنادیا۔

گیارہ ہزار نوعیں:

زمین میں موجود ساڑھے گیارہ ہزار مخلوقات کی زندگی کا دار و مدار پانی پر ہے۔ پانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خدمت گزار کی میں معروف ہے۔ وہ نہیں سوچتا، نہیں دیکھتا کہ کون سرکش ہے، کون ظالم ہے، کون گنہگار ہے یا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اس کی تعریف بیان کرتا ہے۔ سب کی زندگی بن رہا ہے۔

”الحمد للہ رب العالمین“

سب تعریفیں اس وحدہ لا شریک اللہ کے لئے مخصوص ہیں جو عالمین کو پیدا کر کے وسائل عطا کرتا ہے۔ جو رحمن اور رحیم ہے۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بے حد رحمن اور نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے صفاتی نام تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار ہیں اور ہر نام اللہ کی ایک صفت ہے۔ سب ناموں پر اللہ تعالیٰ کا اسم رحیم محیط ہے۔ نوعوں کی تعداد بھی گیارہ ہزار پانچ سو بتائی جاتی ہے۔

ہر مخلوق دوسری مخلوق کے ساتھ بندھی ہوئی ہے:

ہر مخلوق کا ہر فرد جس طرح زمین کو دیکھتا ہے اس طرح آسمان کو بھی دیکھتا ہے۔ زمین پر دیکھتا ہے تو اسے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ زمین کے اندر دیکھتا ہے تو معدنیات کا سران ملتا ہے۔ زمین پانی میں اتر جاتا ہے تو پانی کی مخلوق کا اور اک ہوتا ہے۔ کوئی صاحب فہم انسان پانی کی مخلوق کے بارے میں فکر کرتا ہے تو اس کے اوپر عجائبات کی دنیا کھل جاتی ہے۔ چھوٹی مچھلی ایک انچ سے بھی کم اور بڑی وکیل مچھلی، گھونگھے، مہر جان پیپ کے پیٹ میں موتی، Sea Food وغیرہ سمندر کی مخلوق ہیں۔

جب انسان کی نظر زمین کے گرد و احاطہ سے نکل کر آسمان کو دیکھتی ہے۔ آسمان میں دس ہزار

ستاروں پر پڑتی ہے تو انسان ستارے کے بشری کو دیکھتا ہے۔ ستارے اس کو کبھی روکنے کہ مجھے نہ دیکھ، چاند بھی منع نہیں کرتا کہ مجھے نہ دیکھو۔ تصوف کی دنیا میں اس کا مطلب یہ لایا جاتا ہے کہ کائنات میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے غفلت میں بندھی ہوئی ہے۔ اگر مخلوقات کے درمیان چاہے وہ مخلوق زمینی ہو، چاہے وہ مخلوق پانی کی ہو، چاہے وہ مخلوق ہوا کی ہو۔ چاہے وہ مخلوق آسمانوں کی دنیا کی مخلوق ہو۔ اگر غفلت رشتہ میں جڑی ہوئی نہ ہوتی تو ہر آسمانی نظارہ دیکھنے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور پیدا کرتا۔

یہی غفلت رشتہ کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ اور بڑے سے بڑے گڑھ کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کئے ہوئے ہے۔

اس علم سے صوفی کے اوپر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تمام کائنات ایک ہی ہستی کی ملکیت ہے۔ اگر کائنات کے مختلف اجسام زمین، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جنات، مختلف ہستیوں کی ملکیت ہوتے تو یقیناً ایک دوسرے کی روشناسی میں تصادم پیدا ہو جاتا۔ ایک ہستی کی ملکیت دوسری ہستی کی ملکیت سے متعارف ہونا نہ پسند کرتی۔

قرآن پاک نے ایسی مالک ہستی کا تعارف اللہ کے نام سے کروایا ہے۔

”الحمد للہ رب العالمین“

سب تعریفیں کائنات کی مالک ایک ہستی کے لئے مخصوص ہیں اس ہستی کا نام اللہ ہے۔ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور بحیثیت رب کے مخلوقات کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ و جمیل نظم کا پابند ہے۔

اللہ اسم ذات ہے۔ اسم ذات مالکانہ حقوق رکھنے والی ہستی کا نام ہے۔ یعنی اللہ مالک ہے اور ساتھ ساتھ قادر مطلق بھی ہے۔ اللہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ جس طرح چاہے تخلیق کی نظام میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جس طرح چاہے کائناتی نظام کو چلانے میں ایک دوسرے کی ذیوبی نکال سکتا ہے۔ مخلوق کا کوئی فرد اس کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔

الحمد للہ رب العالمین ۝ الرحمن الرحیم ۝

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی دونوں صفات ملکیت اور رحمت و قدرت کا تذکرہ ہے۔ اسم ذات اللہ مالکانہ حقوق کا حامل ہے۔ اور رحمن و رحیم قادرانہ حقوق کا مالک ہے۔ قادرانہ صفت کو تصوف

کی زبان میں رحمت کہتے ہیں۔ اللہ کے ساڑھے گیارہ ہزار اسماء میں سے رحمانہ اور قادرانہ اوصاف ہر اسم میں موجود ہیں۔ یہی اوصاف مخلوقات کے درمیان مخفی رشتہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سورج کی روشنی اہل زمین کی خدمت گزاری سے اس لئے انکار نہیں کر سکتی کہ اہل زمین اور سورج ایک ہی ہستی کی ملکیت ہیں۔ وہ ہستی مالکانہ حقوق میں حاکمانہ قدروں کی مالک ہے اور اسکی رحمت و قدرت کسی وقت بھی اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ اس کی ملکیتیں ایک دوسرے کے وقوف اور خدمت گزاری سے منکر ہو جائیں۔

روحانی استاد اپنے شاگرد، سالک کو یہ راز منتقل کرتا ہے کہ موجودات، موجودات کی زندگی اور زندگی کے تمام اجزاء کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان اجزاء کو حرکت میں لانا چاہا تو "گن" فرمادیا۔ اس علم سے یہ منکشف ہوا کہ کائنات، کائنات میں ہر فرد بشمول انسان ایک حرکت ہے اور یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔ اس حرکت کے ہزاروں اجزاء ہیں اور ان اجزاء میں سے ہر چیز ایک حرکت ہے گویا انسان کی ذات لاشعراتوں کو مجموعہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہر مخلوق ایک حرکت ہے اور ہر حرکت کے ہزاروں اجزاء ہیں اور ان اجزاء میں سے ہر چیز ایک حرکت ہے۔ ہر حرکت دوسری حرکت کے ساتھ ملتی ہے۔

ہر حرکت اللہ سے شروع ہوتی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ چونکہ ہر مخلوق حرکت کی ہیئت پر متحرک ہے اس لئے ہر مخلوق کا دوسری مخلوق سے رشتہ قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب کا سب تمہارے تابع کر دیا ہے۔ یعنی انہیں تمہاری خدمت گزاری میں مصروف کر دیا ہے۔

سورج بھی خدمت میں مصروف ہے، چاند بھی خدمت میں مصروف ہے، زمین بھی خدمت میں مصروف ہے، نباتات اور جمادات بھی خدمت میں مصروف ہے اور انسان بھی مخلوقات کی خدمت میں مصروف ہے۔ یہ ایسی خدمت ہے، خدمت گزار کو جس کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تفصیلت بخشی ہے کہ انسان یہ علم سیکھ لیتا ہے۔

حقوق انسانی اور دیگر مخلوق کے حقوق:

ایک مرید نے مراد سے پوچھا:

اللہ سے دوستی کس طرح کی جائے؟

مراد نے مرید سے پوچھا:

تم کسی سے دوستی کرنا چاہو تو کیا کرو گے؟

مرید نے عرض کیا:

اس کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ کریں گے، اسکی خاطر مدارات کریں گے اس کا خیال رکھیں گے۔

مراد نے کہا:

اگر یہ باتیں نہیں کرو گے یا تمہیں اس کے مواقع نہیں ملینگے پھر کیا ہوگا؟

مرید نے عرض کیا:

ہو سکتا ہے کہ دوستی ختم ہو جائے۔

مراد نے فرمایا:

دوستی اس وقت پختہ ہوتی ہے جب آدمی دوست کی دلچسپیوں کو قبول کر لے۔ اگر تم نمازی کے

کچھ دوست بننا چاہتے ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کرو۔ جو کھیلنے والے کا دوست جواری ہوتا ہے

اور لڑ کرنے والے کا دوست اگر اس کے ساتھ نشہ نہیں کرتا تو آپس میں دوستی نہیں ہوتی۔

مراد نے مرید سے سوال کیا کہ:

اللہ تعالیٰ کیا کرتے ہیں؟

مرید نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ادھر ادھر کی باتیں کیں۔

مراد نے قطع کلام کر کے فرمایا کہ:

مختصر بات یہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ سے اگر دوستی کرنی ہے تو مخلوق کی

خدمت کرو۔

مراد نے مزید تشریح فرمائی:

کیا تم نے بکری دیکھی ہے؟

مرید نے عرض کیا:

جی ہاں دیکھی ہے۔

بیعت

”دنیاوی علوم کی طرح سلاسل طریقت اور خانقاہی نظام میں بیعت (شاگردی اختیار کرنا) بنیادی عمل ہے۔ بیعت فرض نہیں ہے لیکن دنیا میں بہت سارے کام ایسے ہیں جو فرض نہیں ہیں۔ مثلاً کہیں نہیں لکھا ہے انجینئر بننا فرض ہے، ویدھی کا کام سیکھنا فرض ہے، وڈا کٹر بننا لازم ہے۔ لیکن بہر حال تعلیم حاصل کرنا معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کے فوائد بیان کئے ہیں۔

قرآن کریم اور بیعت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے پیغمبر! جو لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے“

(سورۃ فتح۔ آیت ۱۰)

”تحقیق خریدی اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اور اس کے بدلے میں ان کیلئے جنت ہے“

(سورۃ توبہ۔ آیت ۱۱۱)

”اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو“

(سورۃ مائدہ۔ آیت ۳۵)

ضرورت شیخ

مفسرین و مفتہ مین اور اکابرین امت کے نزدیک وسیلہ سے مراد ”مرشد“ کا وسیلہ ہے یعنی استاد، شاگرد کا رشتہ ہے۔ شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہی معنی

”بیعت“ کے لئے لکھا ہے۔

پوچھا: بکری کیا کرتی ہے؟

مرید نے عرض کیا:

بکری دودھ دیتی ہے۔ لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اسکی کھال انسانوں کے کام آتی ہے۔

مراد نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ بکری انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔

مراد نے پھر پوچھا:

زمین کی کیا ذیوتی ہے؟

مرید نے عرض کیا:

زمین پر کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔ زمین درخت لگاتی ہے۔ درختوں پر پھل لگتے ہیں۔ زمین انسان کو خوش کرنے کے لئے پھولوں میں رنگ آمیزی کرتی ہے۔

مراد نے سوال کیا:

بکری اور زمین کا کیا رشتہ ہے؟

مرید نے عرض کیا:

بکری زمین پر گھاس چرتی ہے درختوں کے پتے کھاتی ہے۔

مراد نے ارشاد فرمایا کہ:

کائناتی سسٹم یہ ہے کہ ہر شے دوسرے کی خدمت کرنے میں مصروف ہے جب غیر

اشرف مخلوق اللہ کی مخلوق کی خدمت کر رہی ہے تو انسان کا بھی فرض ہے کہ مخلوقات کی خدمت کرے۔

جب سالک اس رمز کو سمجھ لیتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے تو

اسے اپنے باپ آدم کا ورثہ حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے باطنی علوم سکھائے ہیں۔ باطنی علوم

کا دوسرا نام تصوف ہے اور یہی علم حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔

آدم سب کے باپ ہیں۔ باپ اولاد کی خدمت کرتا ہے۔ اولاد کو پالتا پوستا ہے۔ آدم کا ہر

بیٹا بھی آدم کی اولاد کا باپ ہے۔ باپ کا یہ فرض ہے کہ اولاد کی خدمت کرے۔ آدم زاد کو بلا تخصیص مخلوق

کی خدمت اس لئے کرنی چاہئے کہ دوسری مخلوقات بھی آدم کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مراد لئے ہیں۔ اولیاء کرام کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وسیلہ سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن منکرین طریقت کہتے ہیں کہ وسیلہ سے مراد "نیک اعمال" ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ طریقت بھی مرید کے لئے نیک اعمال کرانے کا یا صراطِ مستقیم پر چلانے کا اور عرفانِ ذات کے بعد عرفانِ الہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔

”علماۃ دہخشری، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالرحیم، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء اور تمام اولیاء کرام، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسل اور حضرت مجدد الف ثانی، مولانا روم، فرید الدین عطار، علاء مہدیا اور قلندر بابا اولیاء“ لفظ ”وسیلہ“ سے مراد ”شیخ“ ہی لیتے ہیں۔

جب ہم انسانی جبلت اور فطرت پر غور کرتے ہیں تو ایک بات کے علاوہ دوسری کسی بات پر ذہن نہیں رہتا کہ کوئی علم بھی سکھنے کیلئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس اعتراض کے جواب میں کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کی کتاب موجود ہے تو معلم کتاب کی ضرورت سوالیہ نشان بن جائے گی۔ یہ بات امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس میں ماہرین فن معلم اور استاد کی ضرورت نہ ہو۔

دین ایک مکمل علم ہے اور دین میں شریعت بھی ایک علم ہے۔ اور شریعت مطہرہ کے ساتھ طریقت بھی ایک علم ہے۔ دین توحید پرست لوگوں کیلئے ایک مرکز ہے۔

شریعت اس مرکز کے ساتھ وابستہ رہنے کے قواعد و ضوابط اور رہنما اصول ہیں۔ طریقت اس مرکز پر محیط انوار و تجلیات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

جب کوئی بندہ شرک و بت پرستی سے نکل کر اللہ پرست ہوتا ہے تو وہاں بھی اسے استاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد شریعت سکھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔ شریعت میں ارکان نماز، اوقات نماز، روزہ کے آداب، حج کے آداب، معاشرتی قوانین، پڑوسیوں کے حقوق، اللہ

کے حقوق اور من الخیث القوم مسلمانوں کے اسلامی عقائد کے مطابق فرض کی آگاہی کا علم حاصل کرنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے جو آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔ اس کو سمجھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح تصوف یا روحانیت سکھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔

ہم جب کوئی علم سکھنا چاہتے ہیں تو اس بات کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ علم سکھانے والا صاحب علم ہے۔ اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ علم سکھانے والا وہ علم نہیں جانتا جو ہم سکھنا چاہتے ہیں تو ہم اس کی شاگردی اختیار نہیں کرتے۔

شعوری استعداد:

روحانی علوم سکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان جس شخص کو مرشد بنائے اس کے بارے میں تصدیق کر لی جائے کہ استاد روحانی علوم جانتا ہے یا نہیں؟

تعلیم و تربیت کے بغیر شعور کی داغ بیل نہیں پڑتی اور نہ لا شعور کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ شعور اور لا شعور دونوں سے مراد تعلیم و تربیت کا حصول ہے۔

دنیا میں جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے تو اسے اپنی ذات کے احساس کے علاوہ دوسری باتوں کا علم نہیں ہوتا۔

انسان کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اور انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا“

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

”اور ہم نے آدم کو علم الاسماء سکھایا ہے“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے اندر پہلا شعور اس کا علم ہے۔

مثلاً: ایک شخص کا نام زید ہے لیکن زید کا نام زید کی پیدائش کے بعد رکھا گیا ہے۔ پیدائش سے پہلے اس کا کوئی نام معاشرے میں متعارف نہیں تھا۔ پیدا ہونے کے بعد زید میں جو پہلا شعور بنا وہ ماں کی قربت ہے

یعنی ماں کی قربت بھی علم ہے۔

بچہ ماں کی قربت کے علم کے بعد ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے اور ماہ و سال گزرنے کی مناسبت سے شعور میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور شعوری سکت کے مطابق ماں باپ اور خاندان کے افراد زندگی کی ضروریات سے متعلق بچے کے اندر علوم منتقل کرتے رہتے ہیں۔ بالآخر بچہ والدین، خاندان اور برادری کے شعوری نقوش کو قبول کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے شعور میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر شعوری وسعت کے لحاظ سے قوم اور اقوام عالم کا شعور بچے کے شعور کے ساتھ ضرب در ضرب ہو کر ایک شعور لاکھوں شعور کے برابر ہو جاتا ہے۔

قانون یہ ہے کہ: جس شخص میں جتنی زیادہ شعوری استعداد ذخیرہ ہو جاتی ہے اسی مناسبت سے وہ عالم فاضل اور Genious ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ اہل حقیقت ہے کہ اگر پہلے دن پیدا ہونے والے بچے میں شعور نہ ہو اور شعوری استعداد قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو بچہ عالم فاضل نہیں ہوگا اس کی Handicapped کہتے ہیں۔

اساتذہ کا کردار:

یہ بات بھی صحیح کی طرح روشن ہے کہ اگر ماحول میں اساتذہ کا کردار نہ ہو تب بھی بچہ عالم فاضل اور دانشور نہیں ہو سکتا۔

ماحول میں اساتذہ کے کردار کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کیلئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہوں۔ جس طرح دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح علم طریقت، تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے لئے درسگاہیں (خانقاہی نظام) ضروری ہے۔

جب سے خانقاہی نظام پر قدغن لگائی گئی ہے۔ اسی وقت سے انسان بے سکون، بے چین، پریشان، اذیتزد اور کینسر جیسے موذی مرض کا شکار بن گیا ہے۔ اس لئے کہ انسان کا مادی وجود سزا مند اور تعفن کے عاویہ کی طرح نہیں ہے۔ سزا مند اور تعفن میں امراض ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی تعلیم کے مطابق جسمانی وجود کو زندہ

رکھنے والی، سہارا دینے والی، روح کا اور اک ضروری ہے اور روح کے اور اک کیلئے بیعت یعنی روحانی استاد کی شاگردی ضروری ہے۔ تصوف کا اصل اصول یہ ہے کہ روح (انسان کی اصل) کو اور روشنیوں سے نئی ہوئی ہے جب تک روشنیوں کا انسان مادی جسم کو اپنا معمول بنائے رکھتا ہے انسان زندہ رہتا ہے اور جب روشنیوں کا انسان مادی عناصر سے بنے ہوئے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

روحانی استاد، عرف عام میں جسے مرشد کہا جاتا ہے اس قانون سے واقف ہوتا ہے اور یہ علم اسے اپنے مرشد اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہوتا ہے۔

روحانی شاگرد یا مرید جب مرشد کے حلقہ میں آ جاتا ہے تو مرید کے اندر Positive اور Negative روشنیوں کا نظام بحال ہو جاتا ہے۔ مرید کی روشنیوں میں مراد کی روشنیاں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس عمل سے بتدریج تعفن کم ہوتا رہتا ہے۔ جس مناسبت سے تعفن کم ہوتا ہے اسی مناسبت سے لطیف روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے۔

مرید ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ شیخ کی زندگی کے احوال و اعمال سے مرید مطمئن ہو اور مرید اور مراد میں ہم آہنگی نہ ہو تو مرید کرنا یا مرید ہونا دونوں باتیں عقل و شعور کے خلاف ہیں۔

مختصر اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مراد اور مرید دونوں کے مزاج میں، عادات و خصائل میں، نشست و برخاست میں، وضع واری میں، طریقت و شریعت میں پوری طرح مطابقت نہیں ہوگی بیعت کا فائدہ نہیں ہوگا۔

* بیعت کا قانون:

ایک جگہ بیعت ہونے کے بعد مرشد کی اجازت کے بغیر مرید کسی دوسری جگہ بیعت نہیں ہو سکتا۔ مرشد کے وصال کے بعد بھی بیعت ختم نہیں کی جاسکتی۔ البتہ کسی صاحب روحانیت کی شاگردی اختیار کی جاسکتی ہے۔ وصال کے بعد بیعت کو اس لئے ختم نہیں کیا جاسکتا کہ وصال کے بعد بھی روحانی فیض جاری رہتا ہے۔

روحانی علم و اسل ورثہ ہوتا ہے۔ جس طرح شمس باپ اولاد کی بہترین تربیت کرتا اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے اسی طرح مرشد بھی شب و روز روحانی اولاد کی تربیت میں مشغول رہتا ہے۔ بڑی اذیتیں،

* تذکرہ خاندان باہاویہ

تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کر کے اپنے شاگرد کے اندر روحانی طرز فکر منتقل کرتا رہتا ہے۔ شاگرد کی کوتاہیوں پر صبر کرتا ہے۔ اس کی غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ مرشد اپنے شاگرد کے لئے مکمل ایثار ہوتا ہے۔

نظام تربیت:

تربیت کے دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کر تربیت کی جائے، فصرہ کر کے کسی کام سے روکا جائے۔ اس طرز عمل سے تربیت تو ہو جاتی ہے لیکن بندے کو جب بھی موقع ملتا ہے اور خوف دامن گیر نہیں ہوتا وہ اس کام کو ضرور کرتا ہے جس سے منع کیا گیا تھا۔

تربیت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوتاہیوں پر صبر کیا جائے اور غلطیوں کو معاف کیا جائے۔ اس قدر معاف کیا جائے کہ بندہ شرمندہ ہو کر ان کوتاہیوں اور غلطیوں کو چھوڑ دے۔ ایسا شخص غلطیوں کو نہیں دہراتا بلکہ تربیت کرنے والے استاد سے محبت کرتا ہے۔ جاں نثاری کی آخری حد تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔

روحانی استاد کی خصوصیات:

اولیاء اللہ نے روحانی استاد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- (۱) حقوق العباد پورے کرتا ہو۔
- (۲) آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا ہو۔
- (۳) اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہو۔
- (۴) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔
- (۵) گرامت دکھانے کا شوقین نہ ہو۔
- (۶) اسے اولیاء اللہ کی قربت حاصل ہو۔
- (۷) سیرت مطہرہ پر اس کا عمل ہو اور سیرت مطہرہ کے مطابق اپنے شاگردوں کی تربیت کرے۔
- (۸) ہر حال و حال میں اس کا منہجائے نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ ہو۔
- (۹) راسخ فی العلم ہو۔
- (۱۰) ہر بات کو منجانب اللہ سمجھتا ہو۔

(۱۱) اس کی مجلس میں بیٹھے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں یکسوئی محسوس ہوتی ہو۔

(۱۲) جو کچھ مریدین سے چاہتا ہو خود بھی اس پر عمل کرے کیونکہ عمل کے بغیر تعلیم کا اثر نہیں ہوتا۔

(۱۳) صالح اور معلم ہو۔

(۱۴) ضرورت مندوں کی درخواست کو غور سے سن کر اس کا تدارک کرے۔

(۱۵) اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے سے خوش ہو۔

(۱۶) مرشد جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس پر دل کی گہرائیوں سے شکر کرے اور ہر کام حاصل نہیں ہے اس کا شکوہ نہ کرتا ہو۔

علم طریقت حاصل کرنے کے لئے مشتق بے حد ضروری ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مؤمنین شدت کے ساتھ اللہ سے محبت کرتے ہیں“

”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا“

(سورۃ آل عمران - آیت: ۳۱)

جس سے اللہ محبت کرتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے بندے کو مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

”جس میں محبت نہیں اس میں ایمان نہیں“

حدیث قدسی ہے:

میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا تاکہ مخلوق مجھے پہچانے۔

بیعت کرنے سے پہلے مرشد کے انتخاب میں اگر وقت پیش آئے تو تصور کرنا چاہئے کہ اس کی

قربت سے دل میں اثر پیدا ہوتا ہے یا نہیں یعنی دل میں اللہ کی محبت محسوس ہوتی ہو اور گناہوں سے بیزاری ہو۔

حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہ علامت بیان کی گئی ہے۔

”جب انہیں دیکھو اللہ یاد آئے“

نسبت

نسبت علمیہ:

صحابہ کرامؓ کے دور میں اور قرونِ اولیٰ میں لوگوں کو سچا احسان حاصل تھا ان کے لطائف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے رنگین تھے۔ ان کی توجہ زیادہ تر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقِ نور و فکر میں صرف ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روحانی قدروں کے جائزے زیادہ نہیں لیے چونکہ ان کی روحانی تعلقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال پر توجہ صرف کرنے میں پوری ہو جاتی تھی۔ ان کو احادیث میں بہت زیادہ شغف تھا اس وجہ سے ان کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کے ذہن میں احادیث کی صحیح ادیت، ٹھیک ٹھیک مفہوم اور پوری مگرائیاں موجود تھیں۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیات احادیث پڑھنے کے بعد اور احادیث سننے کے بعد حدیثوں کے انوار سے پورا استفادہ کرتے تھے۔ اس طرح انہیں الفاظ کے نوری تمثلات کی تلاش کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ الفاظ کے نوری تمثلات سے روشناس تھے۔

صحابیات اور صحابہ کرامؓ کی روحیں قرآن پاک کے انوار۔ نورِ قدس اور نورِ نبوت سے لبریز تھیں۔ اس دور میں روحانی قدروں کا ذکر نہ ہوتا تھا اس ہی وجہ سے تھا کہ لوگ صحابہ کرامؓ کو لطائف کے رنگین کرنے میں الگ سے جدوجہد نہیں کرتا پڑتی تھی۔

ابتداءً تبع تابعین کے بعد لوگوں کے دلوں سے قرآن پاک اور احادیث کے انوار جب معدوم ہونے لگے تو اس دور کے لوگوں نے تعلقی محسوس کر کے رسولِ الہی اللہ کے ذرائع دریافت کیے چنانچہ شیخ نجم الدین کبریتی اور ان کے شاگرد شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ عبد القادر جیلانی، خواجہ مصطفیٰ الدین چشتی اور ان کے رفقاء ایسے لوگ تھے جنہوں نے قربِ نوافل کے ذریعے رسولِ الہی اللہ کی طرزوں میں اشاراتِ ختمائے کیں اور طرح طرح کے ذکاوتِ اشغال کی ابتداء کی۔ یہ طرز شیخ حسن بصری کے دور میں نہیں ملتے۔

• نوح رحم

بازوق و بامراد ان قدی نفس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات جاننے میں اشتہاک حاصل کیا اور پھر ذات کو سمجھنے کی قدریں قائم کیں اسی ربط کا نام صوفی حضرات نسبت علیہ رکھتے ہیں کیونکہ اس ربط یا ضبط کے اجزاء زیادہ تر جاننے پر مشتمل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے کے لئے کوئی صوفی فکر کا اہتمام کرتا ہے اس وقت وہ معرفت کی ان راہوں پر ہوتا ہے جو ذکر کے ساتھ فکر کے اہتمام سے لبریز ہوتی ہیں۔ اس راستے کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

نسبت سیکند:

یہ نسبت اول جذب پھر عشق اور پھر نیکو کے نسبتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ سیکند وہ نسبت ہے جو اکثر صحابیات اور صحابہ کرام کو حاصل تھی۔ یہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ذریعے نور نبوت کے حصول سے پیدا ہوتی ہے۔

نسبت عشق:

جب قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسان کا جھوم ہوتا ہے اور انسان قدرت کے عطیات میں فکر کرتا ہے تو اس وقت اللہ کے نور کے تمکلات بار بار انسانی طبیعت میں موجزن ہوتے ہیں۔ یہاں سے اس ربط یا نسبت عشق کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ رفت رفتہ اس نسبت کے باطنی اشتہاک کی کیفیتیں رونما ہونے لگتی ہیں پھر ان لطیفوں پر رنگ چڑھنے لگتا ہے یعنی لطیفوں میں انوار الہیہ پے در پے پیوست ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح نسبت عشق کی جڑیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔

نسبت جذب:

یہ وہ نسبت ہے جس کو حج تا بھین کے بعد سب سے پہلے حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے نشان بے نشان کا نام دیا ہے اس ہی کو نقشبندی جماعت یادداشت کا نام دیتی ہے۔ جب عارف کا ذہن اس سمت میں رجوع کرتا ہے جس سمت ازل کے انوار چھائے ہوئے ہیں اور ازل سے پہلے کے

نقوش موجود ہیں۔ یہی نقوش عارف کے قلب پر بار بار دور کرتے ہیں اور صرف "وحدت" عارف کی فکر اور سوچ کا احاطہ کر لیتی ہے اور ہر طرح ہوسیت کا تسلا ہو جاتا ہے۔ اس نسبت کی شعاعیں روح پر نزول کرتی ہیں اور جب عارف ان میں گھر جاتا ہے اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتا تو عقل شعور سے دستبردار ہو کر خود کو اس نسبت کی روشنیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

نسبت کی بہت سی قسمیں ہیں ہم نے نسبت سے آگاہی اور نسبت کے مفہوم سے باخبر ہونے کے لئے چند نسبتوں کا ذکر کیا ہے۔

نسبت سے مراد یہ ہے کہ جس بزرگ سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہو جائے آپ کی طرز فکر اس کی طرز فکر کے مطابق ہو جائے۔

اللہ والوں کی تعریف یہ ہے کہ ان کا ہر عمل اور ہر کام اللہ کے لئے ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کی معرفت سوچتے ہیں۔ اللہ کے لئے سوتے ہیں۔ اللہ کے لئے جاگتے ہیں۔ ایسے الواعزم بندوں کی زندگی اللہ کے لئے وقف ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"ہمارا یقین ہے ہر امر اللہ کی طرف سے ہے۔"

قرب نوافل، قرب فرائض:

روحانی علوم سمجھنے اور روحانیت میں داخل ہونے کے لئے دو طریقے ہیں ایک طریقے کا نام قرب نوافل ہے اور دوسرے طریقے کا نام قرب فرائض ہے۔ قرب نوافل ہو یا قرب فرائض دونوں علوم مرشد کریم یا کسی ولی اللہ سے منتقل ہوتے ہیں۔ براہ راست اولیاء اللہ کی ارواح سے منتقل ہونے والے روحانی علوم نسبت اور یہ کے تحت منتقل ہوتے ہیں۔

مخلوقات

• مخلوقات کا حلیہ:

کائنات میں تین مخلوقات مرکزی حیثیت رکھتی ہیں، فرشتے، جنات اور انسان۔
 وہ مخلوق مکلف ہیں اور ایک مخلوق غیر مکلف ہے۔
 ہر مخلوق کے افراد لباس پہنتے ہیں۔ ہر مخلوق کے اعضاء ہاتھ اور پی ر سب ہیں لیکن قد و خال اور
 لغزش میں فرق ہے۔
 ایک مخلوق کی آنکھ غروٹی ہے، ناک چھنی اور کمری ہے، چہرہ کتابی یا گول ہے۔
 دوسری مخلوق کی آنکھیں بادام کی ہیں۔ آنکھ کی پتلی میں مہرے رنگ کے ڈوہے ہیں،
 سواں ناک کی نوک غائب ہے، چہرہ بیضی اور سر کھکول کی طرح ہے۔
 تیسری مخلوق کی آنکھ مشروم کی طرح گول ہے، ناک گل رست کی طرح ہے۔ چہرہ پورے چاند
 کی طرح گول ہے، اس مخلوق کا سر سانپ کے سر سے مشابہ ہے۔
 ایک مخلوق قد میں بارہ سے سولہ فٹ دراز یا اس سے بھی زیادہ لمبی ہے۔
 دوسری مخلوق منقوان شباب کی عمر میں نظر آتی ہے۔ قد متوازن ہے۔
 تیسری مخلوق پانچ سے چھ فٹ کوتاہ یا دراز ہے اور جسم روشنیوں کا مرقع ہے۔
 ایک مخلوق کے جسم میں ذیل برقی رو دوڑتی ہے۔
 دوسری مخلوق کے جسم میں اکھری برقی رو دوڑتی ہے۔
 تیسری مخلوق ایسی روشنی سے مرکب ہے جسے روشنی نہیں کہا جاسکتا۔
 ایک مخلوق کے حواس محدود ہیں۔

• حوالے ہیں

دوسری مخلوقات کے حواس محدودیت میں لاکھ دو۔

تیسری مخلوقات کے حواس لاکھ دو۔

ایک مخلوق ایک گھنٹے میں تین میل پیدل مسافت طے کرتی ہے۔

دوسری مخلوق ایک گھنٹے میں پیدل ستائیس میل چلتی ہے۔

تیسری مخلوق کی پرواز ایک سو اسی ہزار میل ہے۔

پہلی مخلوق عناصر (مادیت) کے خول میں بند ہے۔

دوسری مخلوق روشنی کے خول میں بند ہے۔

تیسری مخلوق (ایک لاکھ چھیالیس ہزار دو سو بیالیس میل فی سیکنڈ روشنی کی رفتار میں قید ہے۔

ایک مخلوق کی بساط زمین، دوسری مخلوق کی بساط خلا، تیسری مخلوق کی بساط سموات اور بیت المعمور ہے۔

ایک مخلوق کو کھانے اور پینے کی اشتہاء کو پورا کرنے کے لئے اربعہ عناصر کی ضرورت ہے۔

دوسری مخلوق کی اشتہاء پوری ہونے میں فاسفورس کا مثل دخل ہے۔

تیسری مخلوق میں اشتہاء کا تقاضا بے رنگ روشنیوں سے پورا ہوتا ہے۔

خلا:

خلا ایک تانا بانا ہے اس تانے بانے میں مخلوق نقش ہے۔ جیسے کپڑے پر انیمیشن ڈری (EMBROIDERY) یا کالین پر شیرینا ہوا ہوتا ہے۔ خلا کا دوسرا رخ محض تانا ہے اس پر بھی مخلوق کے خد وخال نقش ہیں۔ خلا کا تیسرا رخ ایسی لہروں سے مرکب ہے جس میں تانا بانا نظر نہیں آتا۔

تینوں مخلوقات میں لمس کا احساس ہے، خوش ہونے اور ناخوش ہونے کے جذبات ہیں لیکن یہ احساس کہیں بھاری اور کہیں لطیف ہے، جہاں بھاری اور بہت بھاری ہے وہاں کشش ثقل ہے۔ جہاں ہلکا ہے وہاں کشش ثقل تو ہے لیکن کشش ثقل خلا کا سفر کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی، جہاں لطافت ہے وہاں کشش ثقل Gravily ختم ہو جاتی ہے۔

تینوں مخلوقات میں ہر مخلوق کے اندر لطیف حس موجود ہے، صرف وہی ہندی کا فرق ہے۔

ایک مخلوق کے اوپر کثافت کا پردہ زیادہ ہے۔

دوسری مخلوق پر کثافت کا پردہ کم ہے۔

تیسری مخلوق پر کثافت کا پردہ نہیں ہے۔

دونوں مخلوقات تیسری مخلوق کی طرح کثافت کے پردے اور تاریکی کے خول سے خود کو آزاد

کرویں تو وہ اپنے اندر اللہ کا نور دیکھ لیتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ۔

چراغ شمع کی قدیل میں ہے۔ قدیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ زمین کے

مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے۔ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ

آگ نے اسے نہ چھوا ہو، نور علی نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کو دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں

کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

(سورۃ نور آیت نمبر ۳۵)

روحانی مسافر (سائل) جب راستہ کے نشیب و فراز سے گزرتا ہے تو اس کے شعور میں ایک

بھما کا ہوتا ہے۔ اور اس کی اپنی آنکھ کھل جاتی ہے۔

تصوف رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ سے دوستی کی شرط یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرے جو اللہ کو پسند

ہے۔ اچھا انسان وہی کام کر کے خوش ہوتا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

بیس ہزار فرشتے:

ہر آدمی کے ساتھ بیس ہزار فرشتے ہمہ وقت کام کرتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ہر آدمی اللہ

تعالیٰ کا کمپیوٹر ہے جس میں بیس ہزار چپس (Chips) ہیں۔ ایک چپ (Chip) بھی کام نہ کرے تو پورے

نظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

دوکھرب سیکڑ:

انسانی دماغ میں دوکھرب سیکڑ ہیں اور ہر سیکل کسی نہ کسی حس (Sense) کسی نہ کسی عضو کسی نہ کسی Tissue کسی نہ کسی شریان اور رگ پٹھوں سے متعلق ہے۔ دوکھرب میں ایک سیکل بھی متاثر ہو جاتا ہے تو انسانی جسم پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سانس اور ہوا:

ہوائی تانک یا منہ کے ذریعے جسم میں جاتی ہے اور مختلف نالیوں سے گزرتی ہوئی پورے جسم میں داخل ہوتی ہے جیسے جیسے ہوا آگے بڑھتی ہے ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا رہتا ہے اور ان نالیوں کا قطر بتدریج چھوٹا ہو جاتا ہے اور پچھروں میں موجود تین ملیں فیسیوں میں ہوا پہنچ جاتی ہے۔ ہم کانوں سے سنتے ہیں آواز کی لہریں کان میں داخل ہوتی ہیں۔ کان کے پردہ پر بالوں کی ضرب سے پیدا ہونے والی گونج میں ہم معنی پہناتے ہیں۔

خون کی رفتار:

اللہ تعالیٰ کی منافی میں انسان جس طرف بھی متوجہ ہوتا اور اللہ کی نشانیوں میں غفلت کرتا ہے اس کے اوپر عذابات کی دیوار ڈھن ہو جاتی ہے۔ جسم کے اندر رگیں اور شریانوں میں دوڑنے والا خون چوبیس گھنٹے میں پچھتر ہزار میل سفر کرتا ہے۔ آدمی ایک گھنٹے میں تین میل چلتا ہے۔ اگر وہ مسلسل بغیر وقفے کے ۲۶ ہزار ۳۸۰ گھنٹے تک چلتا رہے۔ جب ۷۵ ہزار میل کا سفر پورا ہوگا۔

اللہ نے انسان کے ارادہ و اختیار کے بغیر جسم کو متحرک رکھنے کے لئے دل کی ڈیوٹی دے دی ہے کہ پھیپے اور سکر نے کی صلاحیت سے سارے جسم کو اور جسم کے ایک ایک عضو کو خون فراہم کرتا رہے۔

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

جو عالمین کی خدمت کرتا ہے۔ جو عالمین کو رزق دیتا ہے۔

جو عالمین میں آباؤ اجداد کو زندہ رکھنے کے لئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔
اللہ کی عادت:

تصوف کے طالب علم کو..... مرشد بتاتا ہے کہ جب بندہ کا اللہ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اللہ کی صفات منتقل ہو جاتی ہیں۔ خلق خدا کی خدمت اللہ کا ذاتی وصف ہے جو بندہ مخلوق کی خدمت کرتا ہے فی الحقیقت اس نے وہ کام شروع کر دیا ہے جو اللہ کر رہا ہے۔ جتنا زیادہ مخلوق کی خدمت میں انہماک بڑھتا ہے اس ہی مناسبت سے بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ کوئی نبی، کوئی صوفی یا ولی ایسا نہیں ہے جس نے نہایت خوشدلی کے ساتھ اللہ کی مخلوق کی خدمت نہ کی ہو۔ صوفی اپنے شاگردوں کو بتاتا ہے۔

مخلوق کی خدمت اللہ کی پسندیدہ عادت ہے.....

صوفی بلا امتیاز مذہب و ملت مخلوق سے محبت کرتا ہے.....

جو بندہ مخلوق سے نفرت کرتا ہے اور تفرقہ ڈالتا ہے وہ اللہ کا دوست نہیں ہے.....

اللہ کا دوست خود غرض نہیں ہوتا.....

اللہ کا دوست خوش رہتا ہے اور وہ سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ صوفی تلقین کرتا ہے کہ ایسی باتوں سے اللہ خوش ہوتا ہے جن باتوں میں مخلوق نیت ہو، اخوت ہو، ہمدردی ہو، ایثار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

مومن میں ایسی فراست کام کرتی ہے جو نور کی دنیا کا مشاہدہ کرتی ہے۔

جزی برنیاں پھول پھل اور پودے بھی مخلوق ہیں۔ جسطرح انسان کی پیدائش مرحلہ وار

پراسس سے ہوتی ہے۔ اس طرح نباتات، جمادات کی حیات و ممات بھی مرحلہ وار پراسس پر قائم ہے۔

اللہ نے کائنات میں ہر شے کو جوڑے جوڑے بنایا ہے۔ یعنی ہر شے کے دو درجے ہیں۔ اور ہر درجہ

مقداروں (خلیوں) سے مرکب ہے۔ ہر خلیہ کی بیرونی دیوار میں آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کا عمل

دل ہے۔

ہر شے کی بنیاد پانی ہے:

ہر شے کی بنیاد پانی ہے، پانی کے اوپر ہی تخلیق کا دار و مدار ہے، پانی نہ ہو تو زمین بے آب و گیاہ بنجر بن جاتی ہے۔ انسان، جنات، پودوں، درختوں اور دوسری تمام مخلوقات کی نشو و نما کے لئے نمی، ہوا اور گرمی کا ہونا ضروری ہے۔ فاسفورس، پوٹاشیم اور نائٹروجن نہ ہو تب بھی نشو و نما نہیں ہوگی اور یہ سب چیزیں قدرت نے پانی میں جمع کر دی ہیں۔

درختوں میں اگر پتے نہ ہوں تو درختوں کی زندگی منہ و شہ ہو جاتی ہے۔ ہر پتے میں رگیں ہوتی ہیں، مسامات ہوتے ہیں، ان مسامات میں کاربن خون کی طرح دوڑتا ہے اور یہی مسامات آکسیجن کو باہر نکالتے ہیں۔

درختوں کی دنیا:

ہاں کی ایک پوری دنیا ہے پتے درخت کو زندہ رکھتے ہیں اور یہی پتے اگر بیمار ہو جائیں تو درخت بیمار ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی پتے جب زمین پر گرتے ہیں تو زمین کے اوپر نباتات کے لئے کھاد کا کام دیتے ہیں۔ انسان کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ اتنی بڑی زمین پر کھاد ڈال سکے، بارش برتی ہے، بجلی کرنلٹی ہے، بجلی کی کڑک سے اور بارش کی بوندوں سے کھیتوں کو بیش بہا نائٹروجن مہیا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

”اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔“

(سورۃ انبیاء، آیت نمبر ۳۰)

”اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا۔ پھر ہم نے اس سے ہر شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تکے دانے جڑے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گھسے میں سے خوشے ہیں جو بوجھ سے نیچے کو لٹکے ہوئے ہیں اور اس ہی

پانی سے ہم نے انگور کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے ہیں، جن کو ایک دوسرے سے ملنے ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملنے ملتے نہیں ہیں۔ ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو، جب وہ پھلتا ہے اور پھر اس کے پکے کو دیکھو۔ ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔“

(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۹۹)

”اور یہی ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا۔ اسکو تم پیتے ہو۔ اور اس سے درخت براب ہوتے ہیں۔ اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انار اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ جنگ اس میں تلک کرنے کے لئے دلیل ہے۔“

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۱۱۰-۱۱)

”اور وہ رب ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنائے۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے... اس ہی پانی کے ذریعہ سے مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے تاکہ تم خود بھی کھاؤ... اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ۔ ان چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔“

(سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۵۴-۵۳)

”اور ہم نے انسان کو منی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دیدیا۔ پھر نطفہ (پانی کی پھٹی) کو ہم نے جسے ہوئے خون کے قطرے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔“

(سورۃ موسیٰ، آیت نمبر ۱۳-۱۲)

”پھر اس کی نسل حقیر پانی کے ٹچہ سے پیدا کی۔“

(سورۃ الحجۃ، آیت نمبر ۸)

”کیا ہم نے تم کو حقیر پانی کے ٹچہ سے پیدا نہیں کیا۔“

(سورۃ الرسل، آیت نمبر ۲۰)

”وہا پھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا۔“

بارش برسانے کا فارمولا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”اور یہ جو بہت سی رنگ رنگی چیزیں اُس نے تمہارے لئے پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں“

(سورۃ الفحل - آیت نمبر ۱۳)

تصوف کا علم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز رنگین ہے۔ اور ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے، ہر چیز دوسری چیز کے لئے ایجاد کر رہی ہے، پھولوں میں رنگ دیو بخورے اور کھیتوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ انجیر کے اندر ایک زوہین چھوٹا سا فنجہ ہوتا ہے، ایک خاص قسم کی ہیز مٹھنوں میں انڈے دے جاتی ہے، جب بچے نکلے ہیں تو انجیر مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں۔

بعض بلیں براہ راست زمین سے غذا حاصل نہیں کرتیں بلکہ دوسرے جانوروں کے پس پر چلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں، درختوں کی جڑیں کیونکہ پانی جذب کر لیتی ہیں اس لئے زمین پر دلدل نہیں بنتی، فضاء جب درختوں کے سانس سے بھر جاتی ہے تو بادل وزنی ہو کر برساتے ہیں۔

ریگستان میں اگر بے شمار بانس کھڑے کر دیئے جائیں اور ان بانسوں کو مختلف رنگوں سے رنگ دیا جائے تو قانون یہ ہے کہ ریگستان میں بارش برستے گی اور جب تک یہ بانس گلے رہیں گے بارش برستی رہے گی تا آنکہ ریگستان بھلستان اور جنگل میں تبدیل ہو جائے۔

حیوانات کی زندگی کا دار مدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کی زندگی کا انحصار کاربن پر ہے، اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں گے اور کاربن کا ذخیرہ نہ رہے تو نباتات فنا ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے۔۔۔ اور ایک ایسا علم ہے جسے انسان کو وہیبت کر دیا گیا ہے پوری کائنات اللہ تعالیٰ کا کتبہ ہے اور اس کتبہ کا ہر فرد دوسرے فرد سے ہم رشتہ ہے، ہر شے۔ دوسری شے کے کام آ رہی ہے۔ ہر شے خواباک بن کر دوسری شے کے لئے ایجاد کر رہی ہے۔

فطرت کے قوانین:

زمین کے اوپر موجود مخلوقات کی یہ بہت مختصر روئید اس لئے لکھی گئی ہے کہ ہمارے اندر تفکر پیدا ہو، ہم یہ دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں اور اس بات پر یقین کریں کہ نظام کائنات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ہر چیز دوسری چیز سے ایک مخفی رشتے میں بندھی ہوئی ہے اور یہ مخفی رشتہ ایسا مضبوط و مضبوط ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایک فرد بھی اس رشتے سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ اس رشتے کو توڑ سکتا ہے، جب تک کوئی شے دوسری شے کے کام آ رہی ہے اس کا وجود ہے ورنہ وہ شے مٹ جاتی ہے۔ یہ پورا نظام ہے جو زمین میں، پانی کی دنیا میں، فضاء میں، غلاء میں، آسمانوں میں انسانوں میں اور تمام مخلوقات میں جاری ہے۔

کائناتی سسٹم:

قدرت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کا کوئی خطہ کوئی حصہ قدرت کے فیض سے محروم نہ رہے انسان درختوں کی خدمت کرتا ہے اور درخت انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ انسان حیوانات کی حفاظت کرتا ہے اور حیوانات انسانوں کے کام آتے ہیں۔

ہوائی جہاز کو اپنے دوڑ پر اٹھا کر دور دراز مقامات تک پہنچاتی ہے، اور یا، اندیاں، ٹالے، ٹکڑے اور جڑوں کو زمین کے ہر خطے تک پہنچاتے ہیں۔ یہی قانون قوموں کے عروج و زوال میں بھی نافذ ہے۔ جب کوئی قوم اس سسٹم سے تجاوز کرتی ہے اور ایثار سے کام نہیں لیتی تو قدرت اسے فنا کر دیتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”اگر تم نے کائناتی سسٹم سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اور کے قبضہ میں

دے دی جائے گی۔“

زمین پر صرف وہی قومیں باقی رہتی ہیں جو مظاہر فطرت کے جاری و ساری قانون سے واقف ہیں اور حیرت انگیز تحقیق اور نظام آفرینش کا مطالعہ کرتی ہیں، سب سے بڑا ظلم اور جہالت یہ ہے کہ کسی قوم

کو یہ معلوم نہ ہو کہ آسمانی دنیا کا مشاہدہ کئے بغیر کوئی قوم کائناتی سسٹم سے واقف نہیں ہوتی۔
زمین کے خزانوں کو استعمال کئے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہتی، زمین کے خزانوں کے استعمال کا عمل اور طریقہ قرآن میں فکر (کنسٹریشن اور مراقبہ) کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے کائنات میں فکر اور اللہ وحدہ لا شریک کی پرستش کو اپنی اولاد اور امت کے لئے فرض قرار دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں تجھے بنانے والا ہوں انسانوں کے لئے امام۔"

حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لئے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تیری اولاد میں سے ظالم لوگ محروم ہو جائیں گے۔"

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۳)

صراطِ مستقیم:

آج کا دور، خود غرضی، مصلحت کوشی اور انفرادی کا دور ہے۔ بلاشبہ دین کو قوم کے لئے بھول بھلیاں بنانے والے لوگ ظالم اور سرکش ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے خالق نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ خالق نے زندہ رہنے کے لئے وسائل عطا کئے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی اللہ کی حاکمیت ہے۔

جس بندے کا دلی تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ دوسرا مستقیم پر گامزن ہے اور صراطِ مستقیم پر گامزن خواتین و حضرات اللہ کے دوست ہیں۔ جنہیں نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔

اللہ کی کتاب جو اللہ کے محبوب پر نازل ہوئی۔ جس میں لاریب، شک نہیں۔ جو کتاب روشن دلیلوں کے ساتھ ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے۔ جس کتاب کا ہر لفظ نور ہے، یہ نور انسان اور خالق کے درمیان تعلق قائم کرتا ہے۔ یہی نور زمین و آسمان کی کن ہے جب کوئی انسان قرآن وحدیث کی روشنی میں تصوف کے طریقہ پر اس نور کو تلاش کرتا ہے تو اللہ اس نور کی ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔

انسان

احسن الخلقین اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے علم دیتے ہیں کہ ہو جائے اور وہ ہو جاتی ہے۔ تخلیق ہونے میں وسائل زیر بحث نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔

خالقین کا لفظ ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق بھی اللہ کے دیئے ہوئے وسائل سے تخلیق کر سکتی ہے۔ آج کے دور میں بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال بجلی ہے، جب مخلوقات میں سے ایک بندے نے بجلی کے بارے میں سوچا اور تحقیق و تلاش میں انہماک پیدا ہوا تو بجلی کا مظاہرہ ہو گیا جب بجلی وجود میں آئی تو بجلی سے لاکھوں چیزیں بن گئیں۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ سلسلہ ہے کہ بجلی وجود میں آنے سے پہلے بساطِ عالم میں موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ کا وصف یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو لاکھوں کروڑوں چیزوں کے ساتھ بجلی بھی پیدا ہو گئی اور جب آدم زاد نے اپنا اختیار استعمال کر کے بجلی کے علم کے اندر فکر کیا تو یہی بجلی عدم سے عالم ظاہر میں آ گئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ توانائی اور کرنٹ خالص اللہ کی تخلیق ہے کرنٹ کے بہاؤ کو تاروں پر سے گزارنا اور اس بہاؤ کو بلب، ٹیوب لائٹ، پنکھوں، ایئر کنڈیشنرز، یا چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی دیویدیکل مشین میں (Flow) کرنا انسان کی تخلیق ہے۔

جس وحیات سے تار بنے ہیں وہ اللہ کی تخلیق ہے لیکن وحیات کو ڈانچوں میں ڈھالنا اور ڈانچیاں بنانا انسان کی تخلیق ہے۔

ایک تخلیق سے ہزاروں تخلیقات:

اللہ کی ایک تخلیق سے ہزاروں ذیلی تخلیقات کا مظاہرہ آدم زاد کی صلاحیتوں کا تصرف ہے اور یہ تصرف اس علم کے ذریعے ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کہا ہے۔ علم الاسماء سے مراد یہ ہے کہ ایسا علم جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھایا ہے۔ جب آدم اس علم کی گہرائی میں غور کرتا ہے تو فکر کے نتیجے میں نئی نئی تخلیقات اور ایجادات ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”ہم نے لوہا (دھات) نازل کیا اور اس کے اندر انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں۔“

(سورہ حدید آیت نمبر ۲۵)

لاکھوں سال پر محیط گزرے ہوئے ادوار میں ایجادات اور ترقی پر غور کیا جائے تو ہر ترقی میں کسی نہ کسی طرح دھات یا اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے وسائل کا عمل دخل ہے۔

زمین اور آسمانوں کی روشنی:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے“

یعنی مخلوقات اور زمین کی تخلیق میں روشنی وسیلہ بن رہی ہے۔ اس آیت پر فکر کے نتیجے میں انکشاف ہوتا ہے کہ روشنی بھی ایک وجود ہے۔ آدم زاد جب روشنیوں کا علم حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے نئی نئی ایجادات کرنا آسان عمل بن جاتا ہے۔ لوہے کی طرح GOLD بھی ایک دھات ہے۔ گولڈ کے ذرات اکٹھے کر کے ہم سونے کی ڈلی بنا لیتے ہیں اور لوہے کے ذرات کو اکٹھا کر کے CASTED METAL بنا لیتے ہیں۔ یعنی اسٹیل کو پگھلا کر سریا، گاڑا اور مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

لیکن یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب آدم زاد اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو استعمال کر کے وسائل میں غور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تخلیق کرنے میں کسی کے محتاج نہیں ہیں جب وہ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ارادہ کر لیتے ہیں۔ تخلیق میں جتنے وسائل کا ہونا ضروری ہے وہ خود بخود موجود ہو جاتے ہیں۔

بندے کی تخلیق یہ ہے کہ وہ پہلے سے موجود وسائل میں غور و فکر کرتا ہے اور ان سب کو اکٹھا کر کے

کوئی چیز بناتا ہے جیسے پانی کو (DAM) میں اکٹھا کیا جاتا ہے اور خاص پائپس کے تحت اس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور دھاتوں کو اکٹھا کر کے ان دھاتوں سے کوئی مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

اسی طرح زمین سے گندم حاصل کر کے چکی میں پیس کر آٹا بنایا جاتا ہے اور آٹا گولڈہ کر روٹی پکائی جاتی ہے۔ یہ ذیلی تخلیق وسائل میں محدود رہ کر وسائل کو جمع کر کے ہوتی ہے۔

روشنیوں کا سفر:

تخلیق کا دوسرا طریقہ روشنیوں میں تصرف کرتا ہے۔ روشنیوں میں تصرف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں روشنیوں کا علم حاصل ہو۔ جب کوئی انسان روشنیوں کا علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ ان لہروں کا اور اک کر لیتا ہے جن لہروں پر روشنیاں سفر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فیض الغیب کے عالم الغیب ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کی حرکات و سکنات کو جانتے ہیں ان کے علم میں ہے کہ انسان سے ذیلی تخلیقات وجود میں آتی رہیں گی۔ اس ہی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو احسن القابین کہا ہے۔

خالق کائنات اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور طرز فکر کا علم عطا کیا گیا ہے۔ طرز فکر ان روشنیوں کا ذخیرہ ہے جن سے حواس تخلیق ہوتے ہیں اور حواس میں شعور داخل ہوتا ہے۔

جیسے جیسے طرز فکر کی روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور شعور میں اتنی شکت پڑا ہو جاتی ہے کہ وہ لاشعوری تحریکات کو زیادہ سے زیادہ قبول کر لیتا ہے۔

علوم سیکھنے کے تقاضے:

تصوف کے علوم سیکھنے والی عالیاہ کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دنیاوی علوم کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے روحانی علوم شروع ہوتے ہیں۔

روحانی علوم لاشعوری صلاحیت کے تابع ہیں جس طرح دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے استاد شاگرد، اسکول اور وقت کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی علوم سیکھنے کے بھی تقاضے ہیں۔ انسان جیسے جیسے اگلی کلاس میں

جاتا ہے اسی مناسبت سے اسکی شعوری سکت بڑھتی رہتی ہے۔ تین سال کا بچہ ABCD پڑھنا نہیں جانتا۔ لیکن اسی بچے سے پچھلے شعور پر وزن پڑتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہی بچہ اپنی عمر کی مناسبت سے پڑھنے پڑھنے (Ph.D) ہو جاتا ہے۔ اگر قاعدہ پڑھنے والے طالب علم سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ پانچویں کلاس کا پرچہ مل کر لے گا تو یہ بات تجربہ اور عقل کے خلاف ہے۔

انسانی ذات کے تین پرت:

انسانی زندگی تین دائروں میں تقسیم ہے۔ طبعیات، نفسیات، مابعدالطبیعیات طبعیات اور نفسیات کا علم ہمیں مابعدالطبیعیات سے ملتا ہے۔ مابعدالطبیعیات میں تخلیق کائنات کے قارمولوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

تصوف کے طلباء کو اس بات کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ کائناتی علوم اس کی دسترس میں کس حد تک ہیں۔ مابعدالطبیعیات یا پیراسائینکالوجی اس امر کا انکشاف کرتا ہے کہ دنیا میں کسی عمل کی تکمیل خیال آئے بغیر نہیں ہوتی وہ عمل خوشی سے متعلق ہو یا غم سے متعلق ہو۔ تصوف ہمیں بتاتا ہے کہ انسان تین پرت کا مجموعہ ہے۔

(۱) صفات

(۲) ذات

(۳) ذات اور صفات کو متعارف کرانے والا فرد اس پرت کو مادی جسم یا آدمی کہا جاتا ہے۔

ہر پرت کے محسوسات الگ الگ ہیں۔ ذات کا پرت وہم اور خیال کو تصور بنا کر شعور میں منتقل کرتا ہے اور شعور تصورات کو خوشی یا غم میں رد و بدل کرتا ہے۔

لطیف انوار۔ کثیف جذبات:

شعور میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ ایک نقوش میں لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے اور دوسری قسم کے نقوش میں خود غرضی، تنگ نظری اور کثیف جذبات کا ذخیرہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو معین مقداروں سے تخلیق کیا ہے۔ ہمیں مقدار میں احکام الہی کے تابع ہیں۔ جب انسان اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے تو انسان خوش رہتا ہے۔ اور اگر اللہ کے احکامات کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کی زندگی میں خوف اور غم شامل ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"میں نے آدم کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا ہے۔"

آدم کی نیابت و خلافت علم الاسماء سے شروع ہے۔ اگر انسان علم الاسماء کا علم نہیں جانتا تو نیابت اور خلافت زیر بحث نہیں آتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ آدم زمین میں فساد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء سکھا کر آدم کو سکھ دیا کہ بیان کر جو ہم نے تجھے سکھایا ہے آدم نے جب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم بیان کیا تو فرشتوں نے اعتراف کیا کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔

منہج واضح ہے کہ آدم کی نفسیات اس علم کی وجہ سے ہے جو علم فرشتے اور جنات نہیں جانتے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے آدم کی روح کو منتقل کیا ہے۔ اس علم کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اس روح کو جاننا ہو۔ روح کو جاننے کے لئے (MATTER) اور روشنی.... روشنی اور نور کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

جنات

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت آدمؑ سے کئی ہزار سال قبل پیدا کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

جنات زمین پر رہتے تھے اور فرشتے آسمان پر اور زمین و آسمان ان ہی سے آباد تھے اور ہر آسمان کے الگ فرشتے ہیں ہر آسمان والوں کی الگ الگ تسبیح ہے اور اوپر والے آسمان کے فرشتے نیچے والے آسمان والوں سے زیادہ ذکر و تسبیح کرتے ہیں۔

ابو الجن طارہ نوس:

”جس طرح آج انسان اپنی نسل کا شجرہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ملاتے ہیں بالکل یہی کیفیت قوم اجنہ کی ہے ان کا سلسلہ والد و تاسل ابو الجن طارہ نوس سے ملتا ہے اور جس طرح عورت و مرد انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح قوم اجنہ میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔“

جنات کی دنیا:

”حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف اپنے رسول مبعوث کئے تنبیہروں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور شرک سے باز رہنے کی تعلیم دی اور آپس میں خون ریزی سے منع کیا۔ جنات نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کے ساتھ شریک نہرایا اور خون ریزی شروع کر دی تو عذاب الہی نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کی پیدائش کا تذکرہ کیا تو فرشتوں نے آدمؑ کو جنات پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی خون ریزی کرے گا۔“

جنات کے حالات و مقام

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو صرف دو پالٹ کا تھا آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا میں ازب ہوں، آپ نے پوچھا ازب کون؟ اس نے کہا میں جن ہوں، آپ نے اس کے سر پر ڈنڈا مارا اور وہ بھاگ گیا۔

مشرک جنات:

بعض لوگوں نے مختلف صورتوں میں جنات دیکھنے کے واقعات بیان کئے ہیں۔ تبدیلی صورت کی نوعیت چاہے جو ہو مگر یہ ثابت ہے کہ ملائکہ اور جنات اپنی صورتیں تبدیل کر سکتے ہیں۔ حضرت بلال ابن عمارؓ فرماتے ہیں کہ:

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے کچھ دور تشریف لے گئے۔ میں نے شور مچا دیا کہ لوگ بھگڑ رہے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کیسا شور ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم و مشرک جنات مکانات کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے میں نے مسلم جنات کو بستیوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنے کے لئے کہہ دیا اور مشرک جنات کو وادیوں اور جزیروں میں رہنے کے لئے حکم دیا ہے۔

جنات کی غذا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے جنات کی غذا کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنات گوشت کے بجائے ہڈی شوق سے کھاتے ہیں ان کے لئے ہڈی گوشت کے قائم مقام ہے اور جانوروں کا فضلہ لیدھ اور جینی وغیرہ جنات کے جانوروں کا چارہ ہے ان کے لئے فضلہ بزرگھاس بن جاتی ہے۔

ایک مرتبہ جنات کا قاصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو قرآن سنایا۔ پھر

انہوں نے کھانے کے بارے میں پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایچہ ہڈی تمہارے لئے پڑ گوشت کر دی جائے گی۔

مسلمان جنات:

جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی قرآن سنا اور ایمان لائے اور کلمہ شریک سے توبہ کی۔ جنات احکامات شریعہ کے مکلف ہیں بہت سی آیات میں ان کے مکلف ہونے کا ذکر ہے۔

جنات کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض کہ جب وہ لوگ ان کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ غاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے گئے اور کہا اے بھائیوں ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! اللہ کی طرف بلائے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے والے کا کہنا نہ مانے گا وہ زمین پر خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی نہیں ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔“

(سورہ اخلاف آیت نمبر ۲۸ تا ۳۲)

جب یہ واقعہ پیش آیا تو منجانب اللہ آپ کو حکم ملا کہ اسے لوگوں کو سنا دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تاکہ لوگ جان سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سب کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ تمام انسانوں اور تمام جنات پر فرض ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملائف سے مکہ واپس آ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے باغ کے پاس قیام فرمایا۔ عجمی کی نفلوں میں قرآن پاک تلاوت کر رہے تھے کہ جنات

نے قرآن حکیم سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

* درخت کی گواہی:

مکہ میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص جنات سے ملاقات کرنا چاہتا ہے وہ آج رات میرے پاس آجائے۔ ابن مسعودؓ کے سوا اور کوئی نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ساتھ لے کر مکہ کی ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصار کھینچ کر فرمایا کہ تم حصار سے باہر نہ آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک جماعت نے آپ کو اس طرح گھیر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ میں چھپ گئے۔ جنات کے گرد وے نے کہا کہ تمہارے پیغمبر ہونے کی کون گواہی دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ درخت گواہی دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت سے پوچھا میں کون ہوں۔ درخت نے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں۔ اللہ کے فرستادہ بندے اور آخری نبی ہیں۔ یہ دیکھ کر سارے جنات ایمان لے آئے۔

مفرد لہریں۔ مرکب لہریں:

ہر جسمانی وجود کے اوپر ایک اور جسم ہے۔ اس جسم کو صوفیاء بیوی کہتے ہیں۔ روحانی آنکھ اس جسم کے طول و عرض اور جسم میں تمام غد و خال ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، دماغ کا بھی مشاہدہ کرتی ہے۔ نہ صرف مشاہدہ کرتی ہے بلکہ ان کے اندر روشنیوں کے فوس پن کو بھی محسوس کرتی ہے۔

تخلیق کا قانون ہمیں بتاتا ہے کہ پہلے روشنیوں سے بنا ہوا جسم تخلیق ہوتا ہے۔ پھر مادی وجود کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ لیکن دونوں میں فوس پن موجود ہے۔ مفرد لہریں حرکات کا مجموعہ ہے جو ایک سمت سے دوسری سمت میں جاری و ساری ہے۔ ایک سمت سے دوسری سمت مفرد لہریں ایک دوسرے میں بیوست ہو جائیں اور اس کے اوپر نقش و نگار بن جائیں تو اس کا نام جن اور جنات کی دنیا ہے۔ لیکن اگر مرکب لہریں ایک دوسرے میں بیوست ہو جائیں اس طرح کہ بیوست بھی رہیں اور فاصلہ بھی ختم نہ ہو اور اس بساط پر نقش و نگار بن جائیں تو اس کا نام انسان اور انسان کی دنیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مفرد لہروں کے

* محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور نقش و نگار یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر وغیرہ جنات کی دنیا ہے اور مرکب لہروں پر نقش و نگار یعنی ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضاء اگر نقش ہوں تو انسانوں کی دنیا ہے۔

شاگرد جنات:

دنیا میں جس طرح انسان کے علاوہ اور بے شمار مخلوقات ہیں۔ اسی طرح جنات کی دنیا میں بھی زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے اور تمام مخلوقات موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انسان مرکب لہروں کی تخلیق ہے۔ جبکہ جنات مفرد لہروں سے بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح مرکب لہروں کی تخلیق میں پانچ حسیں کام کرتی ہیں اسی طرح مفرد لہروں کی مخلوق میں بھی پانچ حسیں کام کرتی ہیں۔ جنات بولتے بھی ہیں، جنات سنتے بھی ہیں، جنات کی دنیا میں کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے اور جنات کی دنیا میں سائنسی ایجادات بھی ہوتی رہتی ہیں۔ جنات کی دنیا میں اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی موجود ہیں۔

دس لاکھ چھپن ہزار فٹ:

جنات کی دنیا ہماری زمین کے گلوب کی حدود میں ہے اور زمین سے تقریباً دس لاکھ چھپن ہزار فٹ اوپر ظلام میں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بہت بڑی زمین کے رقبے پر سو منزل قمارت پر چھت ڈال دی جائے اور چھت اس طرح بنائی جائے کہ اس کے اوپر کھیتی باڑی کی جائے۔ کوئی مکان تعمیر کر دیا جائے، پھول پھلوا ری لگا دی جائے اور وہاں مخلوق بھی آباد ہو۔ چھت پر سو وجود مخلوق کو نہ تو زمین سے انسان دیکھ سکتا اور نہ ہی چھت پر سے جنات انسان کو دیکھ سکیں۔

جنات کی عمریں:

انسانی دنیا میں ماں کے ظن سے بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے اور جنات کی دنیا میں ماں کے ظن سے بچہ انسانی امداد و شمار کے مطابق نو سال میں پیدا ہوتا ہے۔ اس ہی اندازہ کے مطابق جنات کی عمریں ہوتی ہیں۔

جنات اور انسان دونوں مختلف مخلوق ہیں۔ دونوں دنیاوی علوم کی طرح روحانی علوم سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو مختلف مخلوق کا تذکرہ کیا ہے۔

”اے گردہ جنات اور گردہ انسان اتم زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“

(سورۃ الرحمن آیت نمبر ۳۳)

سلطان کا مطلب روحانی صلاحیتیں ہیں۔ اگر کوئی انسان یا جن روحانی صلاحیت کو بیدار اور متحرک کر لے تو آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر غیب کی دنیا کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

سلطان:

جتنے بھی انبیاء تشریف لائے ان سب کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انسان مادی وجود میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرے اور اللہ کا عرفان حاصل کرنے کے لئے غیب کی دنیا میں داخل ہونا ضروری ہے جو سلطان (روح) کے ذریعہ ممکن ہے۔

یہ اس لئے ممکن ہے کہ روح ازل میں اللہ کی آوازیں سنی ہوگی۔ اللہ کو دیکھ چکی ہے اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اللہ کو دیکھ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر چکی ہے۔

جن مسلمانوں کی تعداد:

جنات کی دنیا میں اربوں کی تعداد میں مسلمان جنات ہیں۔ جس طرح مسلمان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اسی طرح جنات کی دنیا میں بھی مسلمان جنات خواتین و حضرات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے فرائض پورے کرتے ہیں۔

کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جنات نظر کیوں نہیں آتے تو ہم یہ سوال کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ انسان کو وائرس کیوں نظر نہیں آتا؟ بیکٹیریا کیوں نظر نہیں آتا؟ لیکن اگر کوئی Sensitive Device بنائی جائے تو اس سے بیکٹیریا یا وائرس کا اور اک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان مغربیوں کا علم حاصل کر لے تو وہ جنات کو اور جنات کی دنیا کو دیکھ سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”کافرا و مشرک جنات جہنم کا ایندھن ہیں۔“

(سورۃ جن آیت نمبر ۱۵)

”مٹتی لوگوں کے لئے جنت قریب کر دی گئی ہے۔“

(سورۃ جن آیت نمبر ۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الرحمن صحابہ کے سامنے تلاوت فرمائی صحابہ کرام خاموش رہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے اچھا جواب جنات نے دیا تھا جب یہ آیتیں تلاوت کی تھیں۔

”اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو گئے“

(سورۃ الرحمن آیت نمبر ۱۶)

تو وہ کہتے تھے کہ:

”اے رب تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں ہم تیری کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرتے۔“

حوروں کے بارے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تعزف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔“

(سورۃ الرحمن آیت نمبر ۵۶)

* مخلوقات کے چار گروہ:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مخلوق چار ہیں ایک مخلوق پوری جنتی ہے اور ایک مخلوق پوری جہنمی ہے اور دو مخلوق جنتی و جہنمی ہیں۔ پوری جنتی مخلوق ملائکہ ہیں اور پوری جہنمی مخلوق شیاطین ہیں اور جنتی و جہنمی مخلوق جن و انس ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عمرؓ کے شہید ہونے سے تین دن قبل جنات نے رورہ کر یہ اشعار کہے تھے:

”اللہ تعالیٰ امام عادل کو برکت دے اور بھلائی کا بدلہ دے آپ نے کچھ اپنا ہارٹ

کئے تھے جن کی کلیاں ابھی کھل نہیں پائی تھیں کہ ان پر مصیبتیں آپڑیں جو آدمی سوار ہو کر دیکھنا چاہے دیکھ لے ان کا ہر وعدہ پورا ملے گا مجھ کو ان کے ایک خبیث اور بد صورت آدمی کے ہاتھوں سے قتل ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اندیشہ یہ ہے کہ اب دنیا کے اندر تاریکی چھا جائے گی آپ اپنے رب سے جنت میں جانے اور آپ کو ایسا لباس پہنا دیا گیا جو کبھی بوسیدہ نہ ہوگا۔

حضرت سلیمانؑ کا لشکر:

حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں جنات و انسان، چند پرندہ سب کے الگ الگ دستے تھے۔ ہر جاندار شے شجر و حجر آپ کے تابع تھے، سمندروں کی جہ سے موتی اور مونا جنات نکالتے تھے، عظیم الشان عمارتیں بنانے پر جنات کی ذیونی لگی ہوئی تھی۔ جنات تانبے کے بے مثال ظروف بناتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ ان سے جس طرح چاہے کام لیتے تھے۔

ایک خوبصورت روحانی تمثیل:

ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ نے جنات کی دنیا سے متعلق حقائق و انکشاف پر ایک روایت لکھی ہے۔
”شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مدرسے میں جس طرح انسانوں کے لڑکے پڑھتے تھے اسی طرح جنات کے لڑکے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ شاہ صاحبؒ کے مدرسے میں تعلیم پانے والے جنات کے لڑکوں کو سخت ہدایت تھی کہ وہ ہرگز کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے انسانوں کے لڑکے خوفزدہ ہوں۔

ان میں زیادہ تعداد جنات کے ان لڑکوں کی تھی جو دہلی میں کالے پہاڑ کی چٹانی میں آباد تھے۔ جہاں اس وقت برف کا کارخانہ ہے یہ کالا پہاڑ اس سے قبوڑے قاصطے پر واقع ہے۔

اس طرف اس زمانے میں لوگوں کی آمد و رفت یا تو تھی ہی نہیں یا بہت کم تھی۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر جا لگا تو شرارت پسند جنات کی حرکتوں سے خائف ہو کر پھر کبھی ادھر کا

رخ نہ کرتا بلکہ دوسروں کو بھی ادھر جانے سے روک دیتا تھا۔

مٹی اور آگ کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے جنات کا قرآن حکیم میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے
”میں نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے اور جنات کو آگ سے“

(سورۃ الرحمن آیت نمبر ۱۴-۱۵)

بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کی بستیاں آباد ہیں۔ جو زیادہ تر دیوانے میں ہوتے ہیں۔ ایسے دیوانوں سے گزرنے والے لوگوں نے متعدد بار ان کی مجالس دیکھی ہیں۔ دہلی کے ارد گرد بھی ایسی کئی بستیاں آباد ہیں۔ انہی میں ایک ہستی یہ بھی تھی جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا رات کو ملوایوں کی دکانیں دیر تک کھلی رہتی ہیں۔ دن بھر جتنی مٹائیاں بچی ہوئی آپ دیکھتے ہیں وہ ساری کی ساری مٹائیاں صرف انسان ہی نہیں کھاتے بلکہ رات کو آخری اوقات میں اکثر جنات ان مٹائیوں کو خرید کر لے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جنات کی خوراک فاسفورک ایسڈ بھی ہے۔ جو زیادہ تر کونکوں میں ملتا ہے اور جنات اسے کھاتے ہی سے حاصل کرتے ہیں۔

جنات کے بارہ طبقے:

جنات کے بارہ طبقے ہیں اور یہ وہ طبقے ہیں جو ہماری زمین پر آباد ہیں۔ ہر طبقے کے جنات الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی جگہ ایک ہی طبقہ آباد ہو۔ کئی جگہیں ایسی ملتی ہیں جہاں جنات کے کئی طبقے آباد ہیں۔ ہر طبقے کی شکل و صورت میں فرق ہوتا ہے۔

بہر کیف بیان یہ کرنا تھا کہ کالے پہاڑ کی چٹانی میں بھی کئی طبقوں کے جنات رہتے تھے۔ ان کی عادات بھی مختلف ہیں اور شکل و صورت میں بھی نمایاں فرق ہے۔ اب بھی وہ بستی وہاں موجود ہے جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے زمانے میں آباد تھی۔

چنانچہ اکثر جنات جتنے تحائف لے کر اس غرض سے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ آپ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیں۔ شاہ صاحبؒ کی چند شرطیں تھیں اگر جنات کو

وہ شریک ہوئیں تو شاہ صاحب ان کے بچوں کو در سے میں داخل کر لیتے تھے اور اس طرح وہ بچے اسباق میں شریک ہو جاتے۔ اسباق کے علاوہ ان بچوں کے سپرد دیگر خدمات بھی ہوتیں تھیں کہ دھنوں کے لئے لوٹے بھریں، سقارے میں پانی کا انتظام کریں اور باقاعدہ نماز باجماعت پڑھیں۔

انہونی بات:

ایک روز رات کے وقت شاہ صاحب اپنے حجرے میں استراحت فرما رہے تھے۔ چند لاکے جن میں انسانوں کے ساتھ جنات کے لاکے بھی تھے شاہ صاحب کی خدمت میں مصروف تھے۔ کوئی سر دہار ہاتھ کوئی ہاتھ دہار ہاتھ چند لاکے سر دہار ہاتھ تھے کافی وقت ہو چکا تھا۔ یہ ذکر عشاء کی نماز کے بعد کا ہے۔

شاہ صاحب نے کسی لاکے سے فرمایا "چراغ گل کر دو۔ تیل ضائع ہو رہا ہے۔ اور تم لوگ اپنی اپنی جگہ جا کر آرام کرو۔"

شاہ صاحب کا حجرہ کافی بڑا تھا۔ اور جہاں وہ لیٹے تھے چراغ اس جگہ سے کم از کم چھ گز کے فاصلے پر ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک جن لاکے نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر چراغ گل کر دیا۔ انسانوں کے لاکوں نے یہ انہونی بات دیکھی تو ڈر کے مارے چیخنے لگے کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی ہاتھ اتنا لمبا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب نے اٹھ کر انہیں قہقہہ دی اور اس جن لاکے کو بہت ڈانٹا۔

اس روز لاکوں پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ ہمارے ساتھ جنات کے لاکے بھی پڑھتے ہیں۔

شاہ صاحب کے مکان کی پشت پر ایک سوداگر رہتا تھا۔ یہ لاکہ جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی وہ اس سوداگر کی لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ لیکن اس نے اس بات کو اب تک چھپا رکھا تھا اور رات دن اسی اوجھڑن میں مصروف رہتا تھا کہ کسی طرح استاد محترم کی تائید حاصل کر لے۔ ان کے ذریعے وہ لڑکی اور اس کے ماں باپ کو اپنے گھر پر مدعو کرنا چاہتا تھا تاکہ اس طرح آمد و رفت پیدا کر کے عرض مدعا پیش کرنے کی گنجائش رکھ لے۔ مگر وہ کسی طرح بھی شاہ صاحب سے درخواست کرنے کا طریقہ تلاش نہیں کر سکا۔

بالآخر اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ اس کے ماں باپ انہیں اور شاہ صاحب اور اس سوداگر کے گھر کے تمام افراد کو شاہ صاحب کی مساجدی کے ناطے مدعو کریں۔ صرف اس بات کے لئے وہ ہفتوں سوچتا رہا۔ مہینوں غور کرتا رہا۔ اس غور و فکر میں کی سال گزر گئے لیکن وہ اپنے ماں باپ سے نہیں کہہ سکا۔

جب اتفاق سے لڑکوں پر یہ انکشاف ہو گیا کہ ہمارے ساتھ جنات بھی پڑھتے ہیں تو شاہ صاحب نے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو جن لاکے نے جرات کر کے کہا۔

"یہ سب میں نے دانستہ کیا ہے تاکہ چند لاکے اس امر سے واقف ہو جائیں نیز آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی دن میرے گھر حاضر تامل فرمائیں آپ میرے استاد ہیں میرا آپ پر حق ہے اس لئے میں نے یہ جسارت کی ہے۔"

اول تو شاہ صاحب کو بہت غصہ آیا مگر وہ بہت نرم مزاج تھے اس لئے خاموش ہو گئے جن لاکہ دعوت پر ہند رہا۔

جن اور انسان میں عشق:

کافی عرصہ گزرنے کے بعد اس جن لاکے نے اپنے ماں باپ سے کہا "میں ہر قیمت پر شاہ صاحب کی دعوت کو چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چل کر انہیں مدعو کریں۔"

اس نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں رو رو کر یہ بھی کہا "مجھے سوداگر کی لڑکی سے والہانہ محبت ہے جس اس کے بغیر زندگی نہیں رہ سکتا۔ لہذا آپ شاہ صاحب سے درخواست کریں کہ وہ سوداگر کے گھر والوں کو بھی ساتھ لائیں۔"

لاکے کی اس بات پر اس کے ماں باپ بہت برہم ہوئے اسے مار پیٹ کر تنبیہ کی مگر وہ اپنی حد پر قائم رہا۔ اور اس نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انتہائی نحیف اور لاغر

ہو گیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس کے باوجود لڑکے کے ماں باپ کسی طور پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کہ وہ سوداگر کے گھرانے کو بھی دعوت دیں۔ لڑکے کا دم آخر ہونے لگا تو ماں کے دل کا قرار ختم ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ باپ کے دل پر بھی چوٹ لگی اور اس نے اپنے تخت جگر سے کہا۔

”بیٹا! ہم سوچیں گے کہ کیا ترکیب ہو سکتی ہے اور ہم کس طرح شاہ صاحب کی خدمت میں اس نوعیت کی درخواست کریں۔ تو ضد چھوڑ دے کھانا پینا معمول کے مطابق شروع کر دے تاکہ ہم کچھ سوچنے کے لائق ہو سکیں تجھے کیا خبر کہ ہم تیری وجہ سے کس قدر پریشان ہیں تو ہی تو ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔“

لڑکے نے جب یہ سزا سنائی تو اس پر سے نزع کا عالم نکل گیا اور اس نے ایک عالم سرخوشی میں باپ کو جواب دیا۔

”آپ کسی طرح کے تردد میں مبتلا نہ ہوں چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس قسم کی صورت حال پیدا کروں گا کہ آپ کو بات کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔“

اور پھر ایک دن اس لڑکے نے سوداگر کی لڑکی کے سامنے خود کو ظاہر کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ لڑکی کے علاوہ اسے اور کوئی نہ دیکھ سکے۔ لڑکی یکبار خوفزدہ ہو کر ہم گئی۔ اس نے جیج کر گھر والوں کو آواز دی اور بتایا کہ دیکھو یہ کون ہے؟

گھر والوں نے کہا: ”ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا تجھے کیا نظر آتا ہے؟“

لڑکی نے جواب دیا: ”ایک خوب صورت لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھ اپنے پاس بلاتا ہے۔“ سوداگر نے کہا: ”یہ حیران کن ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کس جگہ ہے؟ کہاں ہے آخر ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتا؟“

لڑکی نے بمشکل تمام اپنے ہوش و حواس کو بحال کر کے بتایا۔

”دیکھو یہ سامنے کمرے میں کھڑا ہے۔“

”ماں نے بیٹی کی بلائیں لے کر مستابھرے دل سے کہا۔ شاید تو جانتے ہیں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ کیا تو

نے اس سے پہلے کوئی اس قسم کا خواب دیکھا ہے؟“

سوداگر کی بیٹی نے روٹ مٹی ہو کر ماں سے التجا کی۔ ”تم میری بات کا یقین کرو ماں! یہ ہرگز خواب نہیں ہے۔ یہ لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے کیا تمہیں واقعتاً یہ لڑکا نظر نہیں آتا۔“

سوداگر پریشان لہجہ میں بولا۔ ”اگر ہمیں نظر آتا تو ہم تجھے کیوں جھٹلاتے؟“

لڑکی نے جھنجھاکر کہا: ”جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ چاہتے ہیں میں وہم میں مبتلا ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ میرا وہم یہ صورت بنا کر میرے سامنے لے آیا جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں ہرگز آپ کی ان باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اور جو دیکھ رہی ہوں اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے دیکھو وہ لڑکا اب بھی میرے سامنے ہے۔“

سوداگر نے پہلے تو اس زمانے کے طیب حاذق سے مشورہ کیا اور اپنی لڑکی کو حکیم عادل خان کے پاس لے گیا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی۔ اس کی آنکھوں کی چلیوں کا معائنہ کیا پھر یہ دیکھا کہ اس کے بالوں میں کوئی ارتعاش تو نہیں ہے۔ ناخنوں کو بغور دیکھا اور جو بھی وہ سمجھتا چاہتے تھے اسے جانچا لیکن کوئی نشان ایسا موجود نہیں تھا۔ جس سے اس لڑکی کا کسی طرح غیر متوازن ہونا یا ناکل ہونا یا وہمی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

جب سب کچھ دیکھ چکے تو حکیم صاحب نے لڑکی سے سوالات شروع کئے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ کس دن کا واقعہ ہے؟

لڑکی نے بتایا۔ فلاں دن اور فلاں وقت یہ واقعہ پیش آیا۔

حکیم صاحب نے سوال کیا: ”اس دن تم کہاں تھیں؟“

”میں اپنے گھر میں تھی“ لڑکی نے جواب دیا۔

حکیم صاحب نے پوچھا: ”اس دن کے بعد بھی اس جیسی صورت حال پیدا ہوئی؟“

”بار بار ایسا ہوا ہے جب میں اپنے کمرے میں ہوتی ہوں تو اچانک وہ صورت نمودار ہو جاتی ہے“ لڑکی نے بتایا۔

حکیم صاحب نے مزید جرح کرتے ہوئے استفسار کیا:

”تم نے کیا دیکھا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتی ہو اس کی تفصیل پورے وثوق سے بیان کرو۔“

واہمہ اور حقیقت:

”جس طرح آپ سامنے بیٹھے ہیں یہ ایک حقیقت ہے اس میں کسی واہمہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بالکل اتنے ہی یقین اور احماد کے ساتھ میں کہتی ہوں کہ مجھے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکا نظر آتا ہے۔ کبھی کسی لباس میں ہوتا ہے اور کبھی کسی اور لباس میں، اپنی وضع قطع کے لحاظ سے کوئی رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔“

لڑکی نے بتایا۔

”حکیم صاحب خدا کے لئے آپ میرے ساتھ چلے۔ یہ سب کے سب مجھے بھونا دیکھتے ہیں شاید آپ اسے دیکھ سکیں۔“

نسبت نامہ شاہ عبدالعزیز:

شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالعزیز کے دادا تھے۔ جو حسب نسب میں فاروقی تھے۔

عصر کا وقت تھا۔ دہلی کی مسجد فتح پوری میں عصر کی جماعت کھڑی ہو گئی تھی۔ جیسے ہی امام نے نیت باندھی مسجد کے باہر ایک شور بلند ہوا۔ لوگ چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ”اس شخص کو مارو“ بہت سے نمازیوں نے نیت توڑ دی اور یہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے کہ کیا ہو رہا ہے اور یہ لوگ کون ہیں۔

بہت سے لوگ لاشیاں گھما رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس خنجر تھے۔ کچھ کے پاس سکواریں تھیں، کچھ لوگ نیبے بھی تھے اور سب نعرے لگا رہے تھے۔

”مارو... قتل کرو... نکلے اڑا دو۔“

شاہ ولی اللہ جو ان لوگوں کا ہدف تھے۔ اطمینان سے نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے پوری نماز بلا خوف و خطر پڑھنے کے بعد چاروں طرف دیکھا۔

آپ کے معتقدین برابر یہ کہہ رہے تھے کہ۔ ”نکل چلے یہ لوگ دشمن ہیں۔ خدا نہ کرے کیا

کر جائیں۔ آپ چھوٹے دروازے سے نکل جائیے۔“

شاہ ولی اللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”کیا یہ لوگ خدا کے گھر کو متقل بنا نا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارا وقت نہیں آیا ہے تو کوئی ہمارا بال تک بچا نہیں کر سکتا اور اگر وقت آ گیا ہے تو ہر شخص کو جانا ہے۔“

”کل نفس ذائقۃ الموت“

شور بلند ہوا!

”پکڑو، جانے نہ پائے، قتل کرنے جائے، اس نے ہمارے دین کو خراب کیا ہے، اس نے دین میں پیوند کاری کی ہے، اس کے ساتھی بھی اس سزا کے مستحق ہیں... یہ کافر ہیں... مرتد ہیں... انہیں قتل کرو... جہنم واصل کرو۔“

فردوں کے اس شور میں کچھ لوگ آگے بڑھے اور مسجد کے محن میں گھس آئے۔ ان کے پیور بگڑے ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے ان سے پوچھا:

”کیا تم ہمیں قتل کرنے کے لئے یہاں آئے ہو؟“

ان میں سے ایک شوریدہ مرنے لگا:

”ہاں! ہم آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کو زندہ چھوڑا جائے۔“

شاہ صاحب نے پوچھا: ”ہمارا جرم کیا ہے؟“

ایک شخص نے نہایت حقارت اور طعنے سے مہر پور لہجے میں جواب دیا۔

”آپ کو اپنا جرم معلوم نہیں ہے۔ کیا واقعی آپ اپنے جرم سے لاعلم ہیں، ادا فرما اب میں تجھے آپ کی بجائے تو سے مخاطب کروں گا، کیا تو نے کام پاک کا فارسی میں ترجمہ نہیں کیا، کیا یہ کتاب اللہ کی توہین نہیں ہے، تو نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، تیری سزا پھانسی یا قتل ہے، ہم تیری گردن اڑا دیں گے۔“

اس جواب پر شاہ صاحب کو غصہ آ گیا۔

ان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی انہوں نے چھڑی اٹھائی اور "اللہ ہو" کا نعرہ مستانہ بلند کیا۔
کیا اثر تھا اس نعرے میں، شاہ صاحب اور ان کے ساتھی بھی یکے بعد دیگرے مسجد سے نکل گئے۔ مجمع کافی کی طرح بچھ گیا۔

اب شاہ صاحب گماری پاؤں تک پہنچ گئے تھے کسی نے زور سے پکارا۔

"یہ بہرہ پیا بھاگئے نہ پائے"

لیکن یہ نعرہ بے اثر ثابت ہوا۔ لوگ بت بے کھڑے تھے جیسے پتھر کے جیسے ہوں۔

شاہ صاحب گھر پہنچے تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے لڑکھن کی بناء پر شاہ ولی اللہ سے پلٹ گئے۔ اور رونے لگے کیونکہ اس "ہڈ ہو" کی اطلاع پوری دلی میں پھیل چکی تھی اور گمراہوں کو بھی اس کی خبر مل گئی تھی۔

شاہ ولی اللہ نے کہا "بے اتھے معلوم نہیں کہ دنیا والے میرے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا کیا اذیتیں دے چکے ہیں۔ بیٹے! آنسو پونچھ لو۔ ہم غریب جانے والے ہیں، ہماری میراث علم ہے، تم اسے سنبھال لو۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو اس وقت لڑکھن کے در سے گزر رہے تھے اپنی گردن جھکائی اور عرض کیا۔

"جو اللہ کی مشیت، اگر اللہ ہم سے یہ خدمت لینا چاہتا ہے تو ہم اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس علمی اور عملی خدمات میں خرچ کر دیں گے۔"

سن ۱۱۷۷ ہجری میں شاہ ولی اللہ نے وصال فرمایا۔ وصال کے وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

واضح رہے کہ برصغیر میں محدثین کا جو سلسلہ ہے وہ دیا تو شاہ عبدالعزیز سے براہ راست پہنچا ہے یا ان کے کسی بزرگ کے واسطے سے۔ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم بھی فتاویٰ عالمگیری لکھنے میں

شریک تھے۔

شاہ عبدالعزیز سن ۱۱۵۹ ہجری میں پیدا ہوئے ان کا تاریخی نام غلام علیم تھا۔ اس نام کے اعداد ۱۱۵۹ بنتے ہیں۔

تیس پشتوں کے بعد ان کا نسب نامہ حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ ان کے دادا شاہ عبدالرحیم نے دہلی میں "مدرسہ رحیمیہ" قائم کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم عالمگیر کے دور میں جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کو شاہ ولی اللہ کے پیدا ہونے کی بشارت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دی تھی۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حزار پر زیارت کے لئے گیا۔ میں ایک اونٹنی تک کھڑا تھا۔ دفعتاً نظر اٹھی اور دیکھا خواجہ قطب الدین کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا۔ "تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھنا یعنی قطب الدین" خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ارشاد سن کر میں حیران رہ گیا اور سوچا۔ میری بیوی تو اس عمر کو پہنچ چکی ہے جہاں اولاد نہیں ہوتی۔

کچھ عرصے بعد میرے دل میں دوسرے نکاح کی خواہش پیدا ہوئی اور اس بیوی سے جو لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام ولی اللہ رکھ دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ارشاد میرے ذہن میں نہیں رہا اور میں بالکل بھول گیا۔ لیکن چند سال بعد جب مجھے یہ واقعہ یاد آیا تو میں نے ولی اللہ کا نام قطب الدین احمد رکھ دیا۔"

المختصر شاہ ولی اللہ کی پیدائش اس پس منظر میں واقع ہوئی۔ شاہ ولی اللہ چھوٹی سی عمر میں لہارت ذہین الطبع تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا جدید ذہن عطا کیا تھا جس کے نتیجے میں آپ نے "مجتہد اللہ الباقی" اور دوسری کتابیں لکھیں۔

جب جوانی کو پہنچے تو ان کے اندر ایک خاص طرز فکر اور مخصوص فراست موجود تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑھتی گئی۔ اگر شاہ ولی اللہ کی تمام زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو "الف سے یے" تک ایک سیاسی اور

روحانی نظام سامنے آ جائے گا۔ یہ ان کی زندگی کے بارے میں ایک مختصر پس منظر تھا۔

ان کی سب سے بڑی اولاد شاہ عبدالعزیز دہلوی سے ایسے کمالات ظاہر ہوئے جو شاہ ولی اللہ سے روئے گئے تھے۔ مثلاً ان کا جنوں کے لڑکوں کو تعلیم دینا۔ ایسے انکشافات جو صاحبان خدمت سے متعلق انہوں نے کئے۔ بہر کیف یہاں ان کا جنات سے جو تعلق تھا اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔

حکیم صاحب لڑکی کے کہنے کے مطابق سوداگر کے گھر گئے اور اس گھر سے میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور اس لڑکی سے پوچھتے رہے۔

لڑکی اشاروں سے بتاتی رہی کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اب وہ میرے قریب آ رہا ہے۔ اب وہ دیوار سے لگا ہوا میری طرف دیکھ رہا ہے۔

تعوید گنڈے سے علاج:

لیکن حکیم صاحب کو کچھ نظر نہیں آیا۔ آخر حکیم صاحب نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کو دورہ اسی گھر سے میں پڑتا ہے کسی اور گھر سے میں نہیں۔ اس بیماری کی ابتدا اسی گھر سے ہوئی ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہوا میں اس کا علاج کروں گا۔ انہوں نے تمہیں پائیں اور اس کے بعد منہل دیئے۔ بار بار ایسا کیا لیکن لڑکی کے دماغ سے وہ بات نہ نکلی تھی اور نہ لگی۔ پریشان ہو کر حکیم صاحب نے ایسا جیسی نسخہ لکھا جو دماغ کو تقویت پہنچائے۔ اس کو بھی پوری طرح استعمال کرنے کے بعد حالت وہی رہی۔ دورہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا علاج ممکن ہے کوئی تعویذ گنڈے والا کر دے۔ میں تو عاجز آ گیا ہوں۔ اب میرے پاس اس کے لئے کوئی دوا نہیں ہے۔

مغلہ کے چند آدمیوں نے سوداگر کو مشورہ دیا کہ تم شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس جاؤ۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ پڑوس میں ہی رہتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے یہ تو مناسب نہیں سمجھا کہ وہ لڑکی در در میں آئے البتہ وہ وقت نکال کے سوداگر کے یہاں تشریف لے گئے۔ لڑکی کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں اور اس کا نام پوچھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب شاہ عبدالعزیزؒ اس کے گھر اور اس گھر سے میں تھے

لڑکی بالکل ٹھیک اور ہوش و حواس میں رہی۔ اس نے لڑکے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا۔

”ایسا کسی کسی وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ لڑکا میرے سامنے نہیں ہے۔“

شاہ صاحبؒ نے اس کے باپ سے فرمایا کہ تمہاری لڑکی بالکل بھلی چٹکی ہے بتاؤ اب میں کیا کروں اس کو اپنے گھر سے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ اس لڑکے کو آواز دے تاکہ وہ لڑکا سامنے آئے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے جن لڑکے کو آواز دیں دیں۔ اس کا نام لے کر بھی پکارا لیکن کوئی واقعہ ظہور نہیں ہوا۔

شاہ صاحبؒ واپس آ گئے وہ برابر سوچتے رہے کہ کیا ترکیب کی جائے۔ اگر کوئی جن اس لڑکی پر آتا ہے تو کس طرح معلوم کیا جائے وہ اپنی جگہ بیٹھ کر اس معاملے کو گہرائی تک سوچتے رہے اور برابر غور و فکر کرتے رہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس کے بعد لڑکی غائب ہونا شروع ہو گئی وہ کئی کئی دن تک غائب رہتی اور پھر یا تو چھت پر سے اترتی نظر آتی یا لوگ دیکھتے کہ کسی گھر سے میں سے باہر آ رہی ہے۔

اب لوگوں نے لڑکی سے پوچھا بار بار غائب ہونے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس نے ان کہاں غائب رہتی ہے؟

اس لڑکی نے صاف صاف بتا دیا کہ مجھے جنات لے جاتے ہیں اور وہاں میری بہت تفریح کرتے ہیں مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

اکثر میں دیکھتی ہوں کہ جب میرا دل گھبراتا ہے تو وہ مجھے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں وہاں خود کو ایک بان میں دیکھتی ہوں۔ یہ بان بہت دلچسپ اور خوبصورت ہے اس بان میں جگہ جگہ گلاب کے تختے اور بے شمار رنگ برنگ پھول ہیں۔ بان کے درمیان میں ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت محل ہے۔ میری خدمت کے لئے وہاں کئی کئی عورتیں ہیں۔ جب میں آجاتی ہوں اس وقت ہی

میرے پاس سے جتنی ہیں اور جس وقت میں وہاں خیند سے بیدار ہوتی ہوں ایک عورت پانی کا آفتاب اور سٹلٹی میرے سامنے لاتی ہے اور مجھے وضو کراتی ہے۔ وضو کے بعد میں نماز ادا کرتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ناشتے سے فارغ سے ہو کر کئی لڑکیاں جو میری ہم عمر ہیں قریب گھروں سے میرے پاس آ جاتی ہیں۔ اگرچہ میں زیادہ تر خاموش رہتی ہوں لیکن ان لڑکیوں کی صحبت میں میرا دل نہیں گھبراتا اور نہ مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ یہ لڑکیاں جنات میں سے ہیں اور میں انسان ہوں پھر بھی کوئی غیریت میرے دل میں نہیں آتی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ایک ہی نسل اور ایک ہی قوم ہیں ہماری گفتگو بھی اسی طرح ہوتی ہے۔

خوش اخلاق جنات:

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں نے اس لڑکے کو آج تک وہاں نہیں دیکھا۔ جو جنات مجھے وہاں لے جاتے ہیں وہاں ہوتے ہیں اور جو وہاں سے مجھے لاتے ہیں وہاں ہوتے ہیں۔ میں ان میں سے چند جنات کو پہچانتی ہوں۔

لیکن وہ سب کے سب خوش اخلاق ہیں۔ نہایت عزت کے ساتھ مجھے دیکھتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کی فرمائش کی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔

شاہ صاحب نے جب انہی دنوں اس جن لڑکے کو اپنے در سے ملنا دیکھا اور چراغ مکی کرنے کا واقعہ ان کے ذہن میں آیا اور اس جن لڑکے کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے دانستہ کیا ہے اور اس کا مدد نہ چھوڑ دینا یہ سب چیزیں شاہ صاحب کے ذہن میں گہرائی تھیں لیکن ان تمام حالات میں کوئی چیز ایک دوسرے سے وابستہ نظر نہیں آتی تھی اور آپ بھی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تھے۔

لڑکی کے غائب ہونے کی خبریں برابر شاہ صاحب کے پاس آتی رہیں۔ شاہ صاحب اس کے سد باب کے لئے غور و فکر کرتے رہے۔ سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں ایک ایسا جن آیا جو بارغ کی دیوار کے نیچے کتابن کے پڑا رہتا تھا مگر یہ کتنا غارش زد تھا اس کتے کے بارے میں شاہ صاحب کو بالتحقیق بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ لیکن ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر وہ اس کتے سے

تلاش سالی پیدا کریں۔ ایک عرصے تک وہ سوچتے رہے آخر شاہ صاحب نے سوداگر کو بلوایا اور اس سے انکار کیا کہ اس کے پاس کچھ قابل اعتماد آدمی ہیں یا نہیں۔

سوداگر نے جواب دیا ایک تو میرا بہت پرانا ملازم ہے اس کے علاوہ ایک میرا ہم عمر دوست ہے یہ دونوں میرے لئے معتبر ہیں اگر ان کو کوئی راز بتا دیا جائے تو اس کو وہ اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھیں گے۔

شاہ صاحب نے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں اب تم ان دونوں میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔

ساتھ ہی یہ فرمایا کہ دو روٹیاں خالص ماش کی دال میں کر انہیں ایک طرف سے پکایا جائے اور دوسری طرف سے تھپی چڑھ دیا جائے۔

شاہ صاحب نے ایک پرچہ لکھ دیا جس کی کئی جہیں کیس اور پرچے میں اتنی بڑی ڈوری باندھی کہ اس کی گردن میں آسکے۔

سوداگر جب روٹیاں اور اپنے وفادار ملازم کو لے کر حاضر خدمت ہوا تو شاہ صاحب نے انہیں دیکھیں اور دو پرچان کو دے کر فرمایا۔

بارغ کی دیوار کے پاس ایک غارش زدو کتا پڑا ہوا ہے تم سیدھے اس کے پاس جاؤ ذرے کی ضرورت نہیں۔ دو کتا تمہیں دیکھتے ہی بھونکے گا اور کانٹے کے لئے دوڑنے کا اسی لئے ایک روٹی اس کے ایک آگے ڈال دینا اور کمال ہوشیاری سے جب وہ روٹی کھانے میں مصروف ہو یہ پرچہ اس کی گردن میں لٹکا دینا اور جب وہ یہ روٹی کھا چکے تو دوسری روٹی بھی اس کے آگے ڈال دینا جب وہ کتا بارغ کی دیوار سے چلے تو اس کے پیچھے ہولناک وحشت کا منظر دیکھ جائے وہ بھی تم بھی مہر جانا اور پھر اتنا انتظار کرنا کہ وہ وہاں سے چل پڑے پھر اس کے ساتھ چلتے رہنا اور راستے میں بھی غرائے کا لیکن تم اس کا خیال نہ کرنا۔ آخر چلتے چلتے وہ کتا کالے پھاڑ کے پیچھے میدان میں ایک مقام پر بیٹھ جائے گا وہاں تم انہیں بھی رک جانا اور اس بات کا انتظار کرنا کہ اس پرچے کا کیا جواب ملتا ہے۔

کیونکہ اس کتے کے بیٹھے ہی پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو جائے گا اب یہ تمہاری ہمت ہے اور اس ہمت کی لازمی طور سے ضرورت بھی ہے کوئی زلزلہ آئے کسی قسم کا طوفان آئے، ہواؤں کے جھکڑ اور آندھیاں چلیں تم اپنی جگہ جھکے رہنا۔ خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق سوداگر اور اس کے ملازم نے خارش زدہ کتے کو روٹیاں کھلائیں اور وہ پرچہ اس کے گلے میں باندھ دیا۔

وہ کتا وہاں سے چل پڑا اور اگلے سیدھے راستوں سے گزرتا رہا اور یہ دونوں بھی نہایت ہوشیاری اور ہمت کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ بالآخر کالے پہاڑ کے پیچھے والے میدان میں جا کر وہ کتا بیٹھ گیا اور چشم زدن میں شاہ صاحب کا لکھا ہوا وہ پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک تو سوداگر اور اس کا ملازم سکون سے بیٹھے رہے اور کتا بھی ساکت و جامد رہا۔ لیکن ابھی انہیں بیٹھے ہوئے چند لمبے بھی نہ گزرے تھے کہ آسمان و زمین زلزلے کی طرح لرزے ہوئے عسوں ہوئے اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ دونوں پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا ابھی وہ ان خوفناک آوازوں کی سمت متعین نہ کر پائے تھے کہ آندھی کے ساتھ ایک بگولہ اٹھا جو گرد و پیش کو لپیٹ میں لے کر تمام ماحول کو تاریک کر گیا۔

یہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ لیکن تاریکی ایسی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہ دیتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے کتے کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

تھوڑی دیر بعد آندھی اور زلزلہ اور طوفان ختم ہو گیا اور چاروں طرف کی فضا صاف ہو گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وہ پہاڑ ہے نہ وہ میدان ہے بلکہ اب انہیں ایک خوبصورت شہر دکھائی دیا۔ جو بہت بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔

بڑے بڑے مکانات تھے کشادہ سڑکیں تھیں اور عام طور سے جیسے بڑے شہروں میں محلے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ شہر بھی محلوں میں تقسیم تھا۔

کچھ بڑیاں بھی تھیں جہاں مقدمے پیش کئے جا رہے تھے اور عدالت ان کے فیصلے سنارہی

گی۔ ان دونوں کو ایک آدمی تلاش کرتا ہوا آیا اور ان سے کہا:

”تمہارے مقدمے کی پیشی ہے۔ چلو عدالت میں فیصلہ ہوگا۔“

پہلے تو یہ زورے پھر انہیں شاہ صاحب کا قول یاد آ گیا۔ انہوں نے سوچا اب جو کچھ بھی ہو مقدمے

اس کو پیش ہونا ہی ہے۔ پھر انہوں نے شاہ صاحب کا لکھا ہوا وہ پرچہ اس آدمی کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو انہیں کچھ ایمان ہوا۔ یہ دونوں اس شخص کے ساتھ ہو گئے۔

عدالت نے پرچہ پڑھ کر حکم جاری کیا کہ اس جن کو پیش کیا جائے جس کے خلاف یہ شکایت ہے شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

انکھارنے پر چالٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا:

”حضور ہمیں اس شخص کو تلاش کرتا پڑے گا اس لئے ہمیں مہلت دی جائے“

عدالت نے کہا:

”شاہ صاحب تو اس مقدمے کا فیصلہ فوراً چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ جس جن سے یہ

فرسٹ سرزد ہوئی ہے اسے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔“

انکھارنے جواب دیا۔

حکامات کی سی آئی ڈی:

”ہمارے یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ کسی جن کو پکڑ کر انسانوں کے حوالے کر دیا

جائے۔ جہات کا معاملہ تو ہم ہی طے کر سکتے ہیں اول تو اس جن کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں مہلت ملنی

چاہئے اس کے لئے کم سے کم ایک ماہ درکار ہے۔ ظاہر ہے کہ جس جن نے یہ حرکت کی ہے وہ خود کو

شرور چھپائے گا۔ ظاہر نہیں کرے گا اور جنوں کی سی آئی ڈی کے تعاون کے بغیر اس کا پتہ چلانا ممکن ہی

نہیں ہے لہذا عدالت سے درخواست ہے کہ سی آئی ڈی افسر نچاز سے دریافت کیا جائے کہ اس جن کو

لاش کرنے کے لئے کتنی مہلت درکار ہے۔ یہ ایک ماہ تو میں نے اپنی طرف سے فرض کر لیا ہے۔ ہم

شاہ صاحب سے براہ راست گفت و شنید نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے کہ وہ

ایک ایسے انسان ہیں جو ہمارے لئے واجب التعظیم اور قابل احترام ہیں بھرتی ہے کہ معزز عدالت اس جن کے ذریعے جو خارش زدہ کتے کے روپ میں بارغ کی دیوار کے نیچے پڑا رہتا ہے اور جس نے شاہ صاحب کے قاصد کے فرائض انجام دئے ہیں مناسب جواب لکھ بھیجے۔

تاکہ شاہ صاحب کسی حد تک مطمئن ہو جائیں کہ ان کا مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے اور زیر تفتیش ہے۔ مضابط کی کاروائی اور جن کی تلاش اور بازیابی میں کچھ عرصہ لگے گا تاکہ وہ بدول نہ ہوں اور باراضی کا اظہار نہ فرمائیں۔ ہم شاہ صاحب کو ایک ایسی پارٹی مانتے ہیں۔ جنہیں خفا کرنا نہیں چاہئے۔ پرہے میں اتنے حالات ضرور ہونے چاہئیں جس سے شاہ صاحب کم و بیش پوری روئیداد اور ہماری بھوریوں کو کما حقہ جان جائیں اور انہیں اس بات کی امید ہو جائے کہ اس معاملہ کا جلد یا بدیر کسی نہ کسی طرح فیصلہ ہو جائے گا۔ اور انہیں شدید انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ چنانچہ پیش کار نے عدالت کی طرف سے ایک رقعہ لکھا۔

اس رقعے میں مختصر طریقے پر ہر بات لکھی گئی اور اس کو اسی طرح لپیٹ کر جس طرح شاہ صاحب نے لپیٹا تھا اس جن کو دے دیا گیا جو اس رقعے کو لایا تھا۔

پھر شاہ صاحب کے اس پرہے کی کئی نقلیں تیار کی گئی۔ جو جنوں کی سی آئی وی کو دے دی گئیں۔ اور یہ تاکید کر دی گئی کہ جلد از جلد اس جن کا پتہ چلائیں جس نے یہ حرکت کی ہے۔

جنات کا سول کورٹ:

چند دن کے بعد سوداگر اور اس ملازم کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور عدالت کے پیش کار نے شاہ صاحب کا لکھا ہوا پتہ پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ تحریر تھا۔

”میرا ہمایہ سوداگر اور اس کا ایک ساتھی جنہیں آپ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے ان دونوں سے آپ مفصل روئیداد سن سکتے ہیں۔“

جو اس مقدمہ کے سلسلے میں ضروری ہے۔ اول تو یہ ہے کہ انسانوں میں یا جنات میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اس کے باوجود سوداگر کی لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔ وہ لڑکی پہلے تو کبھی کبھی اپنے باپ کے گھر واپس آ جاتی تھی اور اس نے کسی قسم کی اذیت کی کوئی شکایت نہیں

کی۔ لیکن اب وہ آتا جاتا بھی ختم ہو گیا ہے۔ لہذا میں اسکے باپ کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تاکہ آپ کو تفصیلات کا علم ہو جائے۔ جتنی تفصیلات میں جانتا ہوں میں نے آپ کو پیش کر دی ہیں۔ دوسری ایک بات اور زیر غور ہے اور میرے نزدیک اس کا سامنے رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جس دن سے لڑکی غائب ہوئی یا غائب ہونے کا سلسلہ شروع ہوا ہے میرا ایک جن شاگرد بھی لاپتہ ہے۔ وہ بھی مدر سے نہیں آیا کہ میں اس سے ہی کچھ معلوم کر سکتا۔ بظاہر ان دونوں کڑیوں کا تعلق ایک دوسرے سے جتنی ہے میری درخواست ہے کہ اس جن کا پتہ چلائیں جو مدر سے میں پڑھتا تھا اور پڑھتے پڑھتے پکا ایک غائب ہو گیا۔ ممکن ہے میرا خیال صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ بالکل صحیح نہ ہو بلکہ تقریباً صحیح ہو یہ غائب ہونے والے جن نے خود کیا ہے یا دوسرے جنات کو اس جرم میں شامل کر کے یہ واردات کی ہو۔“

خط پڑھا چاہا کہ تو عدالت سوداگر اور اس کے ساتھی سے مخاطب ہوئی اور ان سے سوال کیا:

”یہ بیان تو شاہ صاحب کا تھا جو آپ صاحبان کو پڑھ کر سنایا گیا اب آپ حضرات اپنا اپنا بیان قلمبند کرنا“

اس پر سوداگر نے کہا ”میری لڑکی پردہ دار ہے۔ بے پردہ کسی کے سامنے نہیں آتی۔ نہ اسی اسے شہر سے باہر جانے کا کبھی اتفاق ہوا۔ بازاروں میں پھرتا بھی اس کی عادت نہیں ہے اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جاتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ بازار تک۔ ایک تو اس بناء پر کسی انسان پر اغوا کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری بات یہ ہے ہمارے گھر میں صرف دو اعزاء آتے ہیں جن سے کوئی پردہ نہیں ہے اور ان کے سامنے لڑکی چھوٹی سے جوان ہوئی ہے وہ سب کے سب لڑکی سے محبت کرتے ہیں اور لڑکی کے غائب ہوجانے سے بہت پریشان ہیں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ لڑکی کی وہ ایک سہیلیاں اور ہمارے چند ایک رشتہ دار اس کو پوچھتے نہ آتے ہوں۔ اور انہیں اس کے متعلق تشویش نہ ہو۔ جب ہم یہ معاملہ شاہ صاحب کے سامنے لے گئے تو انہوں نے بہت دیر تک آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا کہ لڑکی کو اغوا کرنے والے انسان ہیں۔ ہم لوگ شاہ صاحب کو اپنا رہنما اور بزرگ کامل سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا کبھی یقین ہے کہ یہ کام بجز اجنبی کسی اور نے نہیں کیا۔“ یہ کہہ کر سوداگر خاموش ہو گیا۔ اور پتہ کار نے آئندہ پیشی کی تاریخ دیدی۔

فرشتے

• فرشتوں کی کئی قسمیں ہیں:

ملائکہ نورانی، ملائکہ اعلیٰ، ملائکہ ساوی، ملائکہ غصری، ملائکہ رضوان، زمانیا فرشتے کرانہ کا تہین۔

فخص اکبر:

کائنات میں ممتاز مخلوق فرشتے اور جنات ہیں اور ان سب میں ممتاز مخلوق انسان ہے۔
فرشتے کی تخلیق نور سے جنات کی تخلیق نار سے اور انسان کی تخلیق مٹی، غلا، اور گیس سے ہوئی ہے۔ کائنات کی مرکزی قوت جہاں سے EVENTS ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں ہر چیز لوٹ کر جاتی ہے وہ جلی، اعظم کا دوسرا درجہ ہے جو عرش پر قائم ہے۔ تمام مخلوقات پر عرش محیط ہے۔ یعنی عرش کا کوئی حصہ اور کوئی چیز جلی سے باہر نہیں ہے۔ اس ممتاز جگہ سے زمین کی طرف نور کی لہریں نزول کر رہی ہیں۔ عرش کے نیچے پوری انسانیت کا ایک بیولہ ہے جسکو فخص اکبر یا انسان اکبر کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح صوفیاء کی قائم کردہ ہے۔ نوع انسانی کا فخص اکبر کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ وہ فخص اکبر کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ نوع انسانی کی تمام زندگی فخص اکبر سے متحرک ہے۔

حیوانات کی ہر نوع کا ایک فخص اکبر بھی وہاں موجود ہے اور ہر نوع کے ہر فرد کا اپنے اپنے فخص اکبر سے تعلق ہے۔ یہ تعلق فرشتوں کے INSPIRATION کے ذریعے قائم ہے، جس طرح زمین کا ہر ذرہ کشش ثقل میں بندھا ہوا ہے۔

• رضوان۔ جنت کے منتظمین فرشتے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ فرشتے جو عرش کو قہاے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو اس کے گرد گھومتے ہیں وہ سب

• رضوان جنت کے منتظمین فرشتے۔ •

اللہ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اللہ کا حکم ماننے کے لیے اپنے آپ کو ہر دم تیار رکھتے ہیں اور ایمان والے لوگوں کیلئے ہمارے مانگتے ہیں۔

”اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر ایک چیز پر حاوی ہے ان لوگوں کو جو تیری طرف متوجہ ہوئے اور تیرے راستے پر چلے، ان کی غلطیاں بخش دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ کر دے۔ اے ہمارے پروردگار انہیں ان ہانوں میں داخل کر جن میں وہ ہمیشہ رہیں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کے ساتھ ان کے باپ و دادا کو، بیویوں کو اور بچوں کو بھی ایسی ہی ہانوں میں داخل کر تو بہت عزت دینے والا اور داناتی بخشنے والا ہے۔ کم از کم یہ کہ انہیں تکلیف سے بچا۔ واقعی اس روز جو تکلیف سے بچا گیا اس پر تیری بڑی رحمت ہے اور پوری کامیابی ہے۔“

(سورہ مؤمن آیت نمبر ۶۵)

حکم حاکم اعلیٰ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم دیتے ہیں تو فرشتے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں پوں کے پھڑپھڑانے سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر پہ زنجیر کھینچنے سے ہوتی ہے پھر نیچے کے فرشتے اوپر والے بڑے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے اوپر والے فرشتے کہتے ہیں جو حکم بھی دیا گیا ہے وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ بہت بلند اور بڑا ہے اور اس کے بعد وہ تفصیل بتا دیتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دیتے ہیں تو وہ فرشتے جو عرش کو تھاہے جو نے ہیں سبحان اللہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین کے قریب آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے اس کے بعد عالمین عرش کے قریب رہنے والے فرشتے عالمین عرش سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے تو وہ انہیں اللہ کے حکم سے آگاہ کر دیتے ہیں اس طرح نیچے کے آسمان والے اوپر کے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ حکم پہنچ جاتا ہے۔

اللہ کا ہاتھ رسول اللہ کی پشت پر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک روز کچھ رات گزری تھی کہ میں اٹھا وضو کیا اور جس قدر مجھے وقت میسر آیا میں نے سلوٹہ قائم کیا۔ سلوٹہ میں ہی مجھے آنکھ آگئی میں نے دیکھا میرا پروردگار نہایت اچھی شکل میں میرے سامنے ہے مجھ سے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے عرض کیا اے پروردگار میں حاضر ہوں۔

پوچھا اعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا! میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تمیں وفد فرمائی اور میں نے قینوں وفد کی ہوا ب دیا پھر میں نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنی جھلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ انھیں کی ٹھنڈک میرے سینے میں محسوس ہوئی اب مجھ پر سب چیزیں روشن ہو گئیں۔

اور میں سب کچھ بھوکھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکارا!

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے عرض کیا لیک میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ نے پوچھا اعلیٰ

کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا! کفارات پر بحث ہو رہی ہے۔

پوچھا کفارات کیا چیز ہیں؟

میں نے عرض کیا! جماعت کی طرف پیدل چل کر جانا نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور تکلیف

لگے باوجود وضو کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟

میں نے عرض کیا! درجہ حاصل کرنے والی چیزوں پر۔

فرمایا وہ کیا ہیں؟

میں نے عرض کیا!

بلا شرط کھانا کھانا۔ (یعنی مسکین اور محتاج ہونے کی شرط نہ ہو) بلکہ ہر ایک کو کھانے کی عام

اجازت ہو۔ اس لیے کہ بعض غیرت والے لوگ محتاجوں کے زمرے میں آنا پسند نہیں کرتے اور ہر ایک

انسان سے نرم بات کرنا اور راتوں کو ایسے وقتوں میں صلوٰۃ کا تم کرنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

اللہ جب پیارا کرتا ہے:

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے پیارا کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر اس سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے پیارا کرتا ہوں تو بھی اس سے پیارا کرو۔

چنانچہ جبرائیلؑ اس سے پیارا کرتے ہیں پھر آسمانوں میں منادی ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص سے اللہ پیارا کرتا ہے تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین پر اسے مقبول عام بنا دیا جاتا ہے۔

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ناپسند کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص کو پسند نہیں کرتا چنانچہ جبرائیلؑ اسے پسند نہیں کرتے پھر آسمانوں میں منادی کرادی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو پسند نہیں کرتا پھر وہ سب فرشتے اسے ناپسند کرتے ہیں۔

اس کے بعد زمین پر موجود مخلوق بھی اسے پسند کرتی ہے اور وہ دنیا میں ناپسندیدہ شخص بن جاتا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر روز انسان جب صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک کہتا ہے یا اللہ! اچھی جگہ خرچ کرنے والوں کو اور نعمتیں عطا کرو۔

دوسرا فرشتہ کہتا ہے اللہ دولت کو ذخیرہ کرنے والوں کو ہلاک کر دے۔ مقرب فرشتے اللہ کے حضور حاضر رہتے ہیں وہ ہر اچھے آدمی کیلئے دعا کرتے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ کرنے والے لوگوں پر لعنت کرتے ہیں۔

فرشتے اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان پیغام پہنچانے کا کام بھی کرتے ہیں اور بندے جو کام کرتے ہیں اس کی رپورٹ اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ فرشتے دلوں میں نیک کام کرنے کا خیال INSPIRE کرتے ہیں۔

جب یہ فرشتے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو طبیعت میں اچھے کام کرنے کے رجحانات

پیدا ہوتے ہیں۔ فرشتے نکلیوں کی شکل میں جمع ہوتے ہیں اور نکلیوں کی شکل میں اڑتے پھرتے ہیں۔ آپس میں گفتگو بھی کرتے ہیں۔ فرشتوں کی نکلیوں میں نیک انسانوں کی رو میں بھی شامل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے اطمینان والی روح تو راضی اور خوش ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو پھر میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

ملاء اعلیٰ کا مقام وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے۔

ملائکہ کی قسمیں

نورانی فرشتے:

ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔ کائنات کے مجموعی تقاضوں کے مطابق نظام

پہلا ان کی ذیبتی ہے۔

ملاء اعلیٰ:

یہ فرشتے پہلی قسم کے فرشتوں سے زیادہ قریب ہیں۔

انسانی رو میں:

یہ دو رو میں ہیں جو ملاء اعلیٰ سے علم سیکھتی ہیں اور یہ لوگ ایسے اعمال کرتے ہیں جن سے ان کا لہن و لہب منفصلاً ہو جاتا ہے۔ پاکیزگی اور نور کے ذخیرے کی وجہ سے وہ ملاء اعلیٰ کی بات سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان فرشتوں کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جہاں نیک روحوں اور فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس مقام کا نام حظیرۃ القدس ہے۔

”حظیرۃ القدس:

حظیرۃ القدس میں جمع ہونے والے فرشتے اور رو میں انسانوں کو تباہی اور مصیبت سے بچانے کے طریقوں پر سوچ بچار کرتے ہیں اور سب متفق ہو کر یہ طریقے انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس

واللہ اعلم

کام کیلئے وہ انسان منتخب کیا جاتا ہے جو سب انسانوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہو۔ پاکیزہ شخص کے لئے لوگوں کو INSPIRE کیا جاتا ہے کہ اس آدمی کی پیروی کریں۔

پھر ایک جماعت بن جاتی ہے جو انسانیت کی خدمت کرتی ہے جن باتوں میں قوم کی بھلائی اور بہتری ہو۔ اس پاکیزہ بندے کی روح میں وحی کے ذریعہ خواب میں اور کبھی غیب کی حالت میں وہ باتیں داخل کر دی جاتی ہیں۔ اس پاکیزہ روح انسان سے ملا ماعلیٰ رو برو بات کرتے ہیں۔

ملائکہ اسفل:

اسفل کے فرشتے ملاء اعلیٰ سے دوسرے درجے میں ہوتے ہیں لیکن یہ نورانی فرشتوں کے مرتبے کے برابر نہیں ہوتے۔ یہ فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں سوچتے۔ اوپر سے حکم آنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ وہ اتنی ہی بات جانتے ہیں جتنی بات اوپر کے فرشتے انہیں سمجھا دیں۔ فرشتے مشین کی طرح کام کرتے ہیں ان کے سامنے ذاتی نفع و نقصان نہیں ہوتا۔ صرف وحی عمل کرتے ہیں جس کا انہیں اوپر کے فرشتوں کی طرف سے الہام ہوتا ہے یہ فرشتے حرکت تبدیل کرنے میں بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

ملائکہ سماوی:

اللہ تعالیٰ کا حکم سب سے پہلے حظیرۃ القدس میں آتا ہے وہاں ملاء اعلیٰ اس حکم کو سن کر اپنے نیچے درجے کے فرشتوں کو پہنچاتے ہیں۔ نیچے کے فرشتے سن کر اپنے نیچے کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں یہ فرشتے ملائکہ سماوی ہیں۔ ملائکہ سماوی اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر ملائکہ عنصری کو پہنچاتے ہیں۔

ملائکہ عنصری:

ملائکہ عنصری اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر مخلوق کو INSPIRE کرتے ہیں اگر دو جماعتوں میں لڑائی ہو جاتی ہے تو یہ فرشتے وہاں پہنچ کر حالات کے مطابق ایک جماعت کے دلوں میں بہادری کا بت قدمی اور فتح کرنے کا جذبہ پیدا کرتے ہیں ان کی مدد بھی کرتے ہیں اور دوسری جماعت کے دلوں میں کمزوری و ہزولی کے خیالات INSPIRE کرتے ہیں تاکہ اللہ کے چاہنے کے مطابق نتیجہ نکلے اور وہ

جماعت غالب آجائے جس کا غلبہ اللہ چاہتا ہے ان فرشتوں کا نام ملائکہ اسفل ہے۔

کرانما کا تہین:

فرشتوں کی ایک قسم کرانما کا تہین ہے جن کی ہر انسان کے ساتھ ذیونی ہے ایک فرشتہ ہر ایک کام کی دینے پر قلم بناتا ہے اور دوسرا ہر برے کام کی دینے پر قلم بناتا ہے۔

بیت المعمور:

سدرۃ المنجا کے نیچے بیت المعمور ہے۔ بیت المعمور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مقام ہے اس کا مقام میں ملاء اعلیٰ رہتے ہیں۔ ان کے اوپر جو فرشتے ہیں ان کا نام ملائکہ لوری ہے۔ ملائکہ لوری کے نیچے ملاء اعلیٰ، ملاء وسطیٰ کے نیچے ملائکہ سماوی ہیں اور ملائکہ سماوی کے نیچے ملائکہ عنصری ہیں۔

فرشتوں کے گروہ:

گروہ جبرائیل گروہ میکائیل گروہ عزرائیل گروہ اسرافیل

ہر گروہ کی الگ الگ صلاحیتیں ہیں اور ان صلاحیتوں کا الگ الگ استعمال ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ کے قاصد ہیں۔ وحی پہنچانا اور الہام کرنا ان کا وصف ہے۔

حضرت میکائیل کے فرائض میں بارش کے سارے معاملات ہیں۔

حضرت عزرائیل کے آمد موت سے متعلق معاملات ہیں۔

حضرت اسرافیل کی ذیونی میں قیامت سے متعلق معاملات ہیں۔

فرشتوں کی صلاحیتیں:

سات آسمان میں ہر آسمان ایک زون ہے۔

ہر زون کے فرشتے الگ الگ ہیں لیکن ساتوں آسمانوں میں موجود فرشتوں کو ملائکہ سماوی کہا

جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں وہ فرشتوں کے عروج سے ظاہر

ہوتی ہیں۔ فرشتوں کے پر صلاحتوں اور صفات کے مطابق چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ پروں کی تعداد میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جس طرح مور کے پر ہوتے ہیں اور پروں پر خوبصورت نقش و نگار ہوتے ہیں اسی طرح فرشتوں کے پروں پر بھی لامتناہی نقش و نگار ہوتے ہیں۔ ہر نقش ایک صلاحیت ہے۔ فرشتوں کے پروں میں سے نور کے جھماکے ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے فرشتوں کے پروں میں ہزاروں شیشیوں کا انعکاس ہوتا ہے۔

کائناتی نظام:

جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کرنا، کاتین، منکر، نکیر، ملائکہ رضوان، ملائکہ زمانیا وغیرہ۔ فرشتوں کے کئی طبقے ہیں۔ سارے فرشتے کائناتی نظام میں ذیونی انجام دیتے ہیں۔ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر فرق نہیں کرتے فرشتوں کی تعداد کا کسی بھی طرح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حقیقی نظام میں ہر انسان کے ساتھ 20 ہزار فرشتوں کی ذیونی لگی ہوتی ہے۔

اس وقت ہماری دنیا کی آبادی چار ارب ہے جبکہ ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیا میں اور بھی موجود ہیں۔

دوسری دنیاؤں کے مقابلہ میں ہماری زمین سب سے چھوٹا کرہ ہے۔ میر کے دوران صوفی / ہماری زمین ایسی نظر آتی ہے جیسے بڑے گنبد پر سوئی کی نوک سے نشان لگا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دنیا کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشتائی بن جائے اور یہ سب ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی باتیں باقی رہیں گی۔

اعمال نامہ:

آدمی جب مریجاتا ہے تو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے وہ ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ ذرہ برابر نیکی ہو۔ چاہے ذرہ برابر برائی ہو۔ ہر عمل اور ہر قول کی کرنا کاتین و نکیر قلم بناتے رہتے ہیں۔ انسان مرنے کے بعد بھی قلم و کھنکار ہوتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی نے چوری کا ارادہ کیا۔ نیکی لکھنے والے فرشتے نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہ یہ بُرا کام ہے اسے نہیں کرنا چاہیے اللہ اس عمل سے ناخوش ہوتا ہے لیکن چور نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور وہ چوری کے لیے گھر سے نکل گیا کسی گھر میں نسیب لگائی اور سامان چوری کر کے اپنے گھر لے آیا۔ لہذا یہ اعتبار سے اس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے۔

مرنے کے بعد اس چور کو یہ پوری فلم دکھائی جائے گی۔ اور چوری کے نتیجہ میں فلم میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ چور جب اپنی ذات سے متعلق فلم دیکھتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں فلم دیکھ رہا ہوں۔

جب اس کا ہاتھ کٹا ہے تو وہ فلم میں اپنا ہاتھ کٹا ہوا دیکھتا ہے اور اسے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ ایک نیک آدمی نماز کے لئے مسجد گیا نماز ادا کرنے کے بعد اللہ کے گھر میں آرام سے بیٹھ گیا اللہ سے تعلق کی بناء پر مسجد میں اسے سکون ملا اللہ کے ذکر کی نورانی لہروں نے اسے راحت بخشی اور وہ اللہ کی مہربانی سے خوش ہو گیا یہ فلم گھر سے نکلنے کے وقت سے مسجد میں بیٹھنے اور نورانی لہروں سے سیراب ہونے کے وقت تک بنتی رہتی ہے۔ جب یہ بندہ دنیا سے رخصت ہو جائے گا تو اسے نیکی کے عمل اور نیکی کی فلم دکھائی جائے گی۔ یہ فلم دیکھ کر اسے خوشی اور سکون ملے گا۔

منکر نکیر مرنے کے بعد پہلی ملاقات میں سوالات کر کے یہ بتا دیتے ہیں کہ نیکی اور برائی میں اللہ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو جنت کے نگاروں سے مستفیض ہوتا ہے، برائی کا پیکر ہے تو دوزخ کا عذاب نگہروں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

لطائف

ہر مذہب میں عبادت کے لئے غسل یا وضو کا اہتمام کیا جاتا ہے حالانکہ عبادت کا مطلق ارکان سے ہے صرف جسم سے نہیں ہے۔ غسل اور وضو کا منشا طبیعت کو شگفتہ کر کے انتہاک پہنچا کرنا ہے۔
ہمیں سوچنا چاہیے کہ...

ہمارے اشغال و اعمال جو جسمانی اعضا کے ذریعے صادر ہوتے ہیں۔ کہاں اللہ تعالیٰ ہاتھ ہیں؟ اور... ان کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے؟
صوفیاء حضرات بتاتے ہیں کہ:

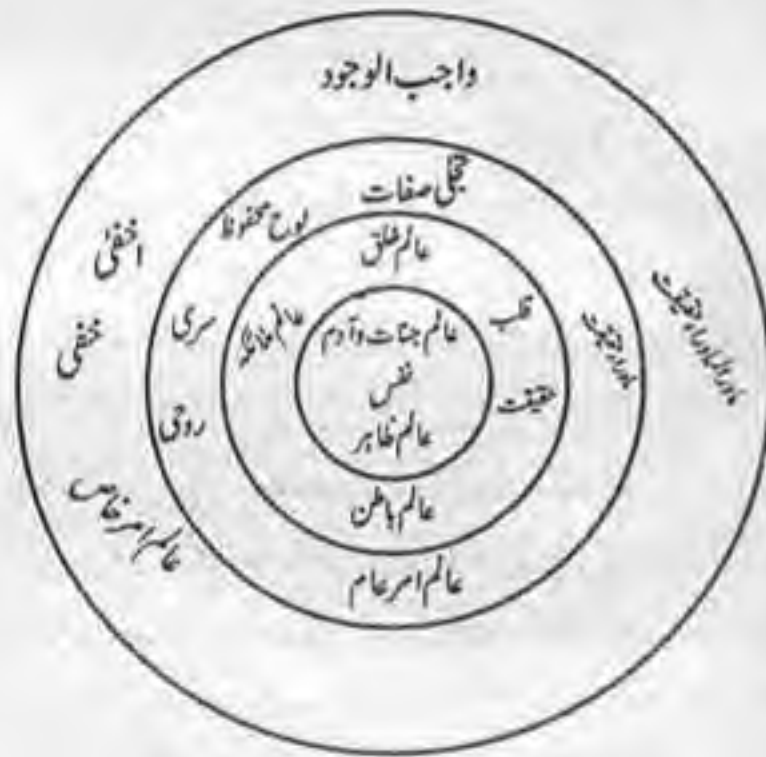
کسی شے کی ماہیت کی طرف رجوع کیا جائے تو ہم کتنی ہی انواع و ہکلوقات کو پہچان سکتے ہیں۔ شیر، شاہین، چاند اور سورج، زمین و آسمان، جن و انس، ہوا، پانی، فرشتے، پہاڑ، سمندر، اور نباتات الارض یہ سب مخلوق ہیں ان کا مظاہرہ ایک ہی طرز پر ہوتا ہے۔ جیسے شیر ایک شکل و صورت اور ایک خاص طبیعت رکھتا ہے، اس کی آواز بھی مخصوص ہے۔ یہ چیزیں اس کی پوری نوع پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان بھی خاص شکل و صورت، خاص عادات اور خاص صلاحیتیں رکھتا ہے۔ لیکن یہ دونوں اپنی ماہیتوں میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ البتہ دونوں میں یکساں تقاضے پائے جاتے ہیں۔ یہ اشتراک نوع کی ماہیت میں نہیں بلکہ ماہیت کی "اصل" میں ہے۔

روح اعظم:

اس قانون سے ہمیں روح کے دو حصوں کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ایک ہر نوع کی جداگانہ ماہیت، دوسرے تمام انواع کی واحد ماہیت۔ یہی واحد ماہیت روح اعظم اور شخص اکبر ہے، اور ہر نوع کی جداگانہ ماہیت شخص اصغر ہے اور اسی شخص اصغر کے مظاہر فرد کہلاتے ہیں مثلاً تمام انسان شخص اصغر کی حد و میں ایک ہی ماہیت ہیں۔

ظہور تجلیات ربانی

تجلی ذات



عالم لاہوت: تجلی ذات، عالم امر خاص، واجب الوجود..... نمبر تسوید
عالم جبروت: تجلی صفات، علم امر عام، عالم ارواح، لوح محفوظ..... نمبر تحریر
عالم ملکوت: عالم ملائکہ، عالم قلب وغیب، عالم معنی، عالم باطن..... نمبر تشبیہ
عالم ناسوت: عالم جنات و آدم، عالم ظاہر..... نمبر تظہیر

اخفی، غنی
روحی، سری
قلب
نفس

ایک شیر دوسرے شیر کو بحیثیت شیر کے شخص اصغر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے مگر یہی شیر کسی آدمی کو یاد دہانے کے پانی کو یا اپنے رہنے کی زمین کو یا سردی گرمی کو شخص اکبر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے۔ اصغر ماریت کی صلاحیت ایک شیر کو دوسرے شیر کے قریب لے آتی ہے۔ لیکن شیر کو جب پیاس لگتی ہے اور وہ پانی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں یہ تحریک اکبر ماریت کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ صرف اکبر ماریت کی بدولت یعنی شخص اکبر کی وجہ سے یہ بات سمجھتا ہے کہ پانی پینے سے پیاس رفع ہو جاتی ہے۔

کشش بعید۔ کشش قریب:

چنانچہ ذی روح یا غیر ذی روح ہر فرد کے اندر اکبر صلاحیت ہی اجتماعی زندگی کی فہم رکھتی ہے۔ ایک بکری سورج کی حرارت کو اس لئے محسوس کرتی ہے کہ وہ اور سورج شخص اکبر کی حدود میں ایک دوسرے سے الحاق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی انسان شخص اکبر کی حدود میں فہم و فراست نہ رکھتا ہو تو وہ کسی دوسری نوع کے افراد کو نہیں پہچان سکتا نہ اس کا مصرف جان سکتا ہے۔ جب آدمی کی آنکھ ستاروں کو ایک مرتبہ دیکھ لیتی ہے تو اس کا حافظہ ستاروں کی نوع کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ حافظہ کو یہ صلاحیت شخص اکبر سے حاصل ہوتی ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی نوع کے انسان کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف ایک کشش محسوس کرتا ہے۔ یہ کشش شخص اصغر کا خاصہ ہے۔ یہاں سے اصغر ماریت اور اکبر ماریت کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ اکبر ماریت کشش بعید کا نام ہے اور اصغر ماریت کشش قریب کا نام ہے۔

روحانی دنیا میں غیر ارادی حرکت کا نام کشش اور ارادی حرکت کا نام عمل ہے۔ غیر ارادی تمام حرکات شخص اکبر کے ارادے سے واقع ہوتی ہے۔ لیکن فرد کی تمام حرکات فرد کے اپنے ارادے سے عمل میں آتی ہیں۔

ہر مخلوق میں تخلیقی امور کے اعتبار سے الگ الگ لطائف ہیں۔
 جنات کے اندر پانچ (۵) لطیفے کام کرتے ہیں۔
 ملائکہ کے اندر چار (۴) لطیفے کام کرتے ہیں۔
 اجرام سماوی کے اندر تین (۳) لطیفے کام کرتے ہیں۔
 حیوانات کے اندر دو (۲) لطیفے کام کرتے ہیں۔
 جمادات و نباتات کے اندر ایک (۱) لطیفہ کام کرتا ہے۔
 آدمی کے اندر (۶) لطیفے کام کرتے ہیں۔

فرشتے: چار لطائف کی مخلوق ہیں۔

۱۔ روح ۲۔ سر ۳۔ قلب ۴۔ نفس

جنات: پانچ لطائف کی مخلوق ہیں۔

۱۔ نفس ۲۔ قلب ۳۔ روح ۴۔ سر ۵۔ قلب

انسان: چھ لطائف کی مخلوق ہے۔

۱۔ نفس ۲۔ قلب ۳۔ روح ۴۔ سر ۵۔ قلب ۶۔ اہل

اجرام سماوی: تین لطائف کی مخلوق ہیں۔

۱۔ روح ۲۔ سر ۳۔ قلب

حیوانات: دو لطائف کی مخلوق ہیں۔

۱۔ روح ۲۔ سر

جمادات و نباتات: ایک لطیفہ کی مخلوق ہیں۔

۱۔ روح

نورانی لہروں کا نزول:

چھ لطائف کو چار نہریں سیراب کرتی ہیں۔

- | | | | |
|-----|-----------|-----|-----------|
| (۱) | نہر تسوید | (۲) | نہر تجرید |
| (۳) | نہر تشہید | (۴) | نہر تقصیر |
- ۱۔ نہر تسوید کا نزول لطیف اخفی میں ہوتا ہے۔
 ۲۔ نہر تجرید کا نزول لطیف سری میں ہوتا ہے۔
 ۳۔ نہر تشہید کا نزول لطیف قلبی میں ہوتا ہے۔
 ۴۔ نہر تقصیر کا نزول لطیف نفسی میں ہوتا ہے۔

معجزہ، کرامت، استدراج

حجی تنزیل کر کے نور بنتی ہے اور نور تنزیل کر کے روشنی یا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ اللہ کا دیگر تجلی
 تنزیل کر کے نور بنی اور نور تنزیل کر کے شے یا مظہر بنا۔ ہر مظہر تجلی اور نور سے ظاہر اور اگلی ای
 میں فنا ہو گیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس ناموجود کو پھر موجود کر دے گا۔ مولیٰ علم شے میں ہی تصرف کرتا
 ہے جس کا اثر شے پر براہ راست پڑتا ہے۔

انصرف کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) معجزہ
- (۲) کرامت
- (۳) استدراج

یہاں تینوں کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ استدراج وہ علم ہے جو اعمال کی دینی راہوں یا
 شیطانی ہست جنات کے زیر سایہ کسی آدمی میں خاص وجود کی بناء پر داخل ہوتا ہے۔ صاحب
 استدراج کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، علم استدراج اور علم نبوت میں ملکی لاری ہے کہ استدراج کا علم
 لیب جہی تک محدود رہتا ہے اور علم نبوت انسان کو غیب جہی کی حدود میں سے گزار کر اللہ کی معرفت تک پہنچاتا
 رہتا ہے۔ علم نبوت کے زیر اثر کوئی خارق عادت بننا سے صادر ہوتی ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں، علم نبوت
 و رسالت کے بعد یہ وراثت اولیاء اللہ کو منتقل ہوئی اور اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی خارق عادت کرامت
 کہلاتی۔ لیکن یہ بھی علم نبوت کے زیر اثر ہوتی ہے، معجزہ اور کرامت کا انصرف مستقل ہوتا ہے، مستقل
 سے مراد یہ ہے کہ جب تک صاحب انصرف اس چیز کو خروٹ بنائے وہ نہیں پہنچے گی استدراج کے زیر اثر جو
 کچھ ہوتا ہے وہ مستقل نہیں ہوتا اور اس کا اثر فضا کے تاثرات بدلنے سے طور و نحو مضائع ہو جاتا ہے،
 استدراج کے زیر اثر جو کچھ ہوتا ہے اس کو جادو کہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

دور میں بھی پیش آئی ہے۔

اس دور میں صاف ابن صیاد نام کا ایک لڑکا دینے کے قریب کسی باغ میں رہتا تھا۔ موقع پا کر شیطان کے شاگردوں نے اسے اچک لیا اور اس کی پچھلی جس کو بیدار کر دیا۔ وہ چار اوڑھ کر آنکھیں بند کر لیتا اور ملائکہ کی سرگرمیوں کو دیکھتا اور سناتا رہتا۔ وہ سرگرمیاں عوام میں بیان کر دیتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شہرت سنی تو ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

”آؤ ذرا ابن صیاد کو دیکھیں!“

اس وقت وہ دینے کے قریب ایک سرخ نیلے پر کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے سوال کیا۔ ”بتا میں کون ہوں؟“

وہ رکا اور سوچنے لگا۔ پھر بولا۔

”آپ امیوں کے رسول ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

”تیرا علم ناقص ہے، تو شک میں پڑ گیا۔ اچھا بتا۔۔۔ میرے دل میں کیا ہے؟“

اس نے کہا۔

”دش ہے۔“ (ایمان نہ لانے والا) یعنی آپ میرے حلقے سے بچتے ہیں کہ میں ایمان نہ لاؤں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

”پھر تیرا علم محدود ہے۔ تو حرقی نہیں کر سکتا۔ تو اس بات کو بھی نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن مار دوں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا۔

”اے عمر! اگر یہ دجال ہے تو اس پر تم قابو نہیں پاسکو گے اور اگر دجال نہیں ہے تو اس کا قتل

رائد ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔“

ابن صیاد کی طرح کسی بھی صاحب استدراج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ علم استدراج اور علم نبوت میں یہی فرق ہے کہ استدراج کا علم غیب جی تک محدود رہتا ہے اور علم نبوت انسان کو قریب جی کی حدوں سے گزرا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے صبح پڑھی۔ اور ان کنکریوں کی آواز حضرت ابوبکر صدیقؓ ”حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے بھی سنی۔ آج کے سائنسی دور میں اس معجزہ کی سائنسی تشریح پیش کرنا ہمارے پیش نظر ہے۔

کنکریوں نے کلمہ پڑھا:

ایک دوپہر حضرت عثمان غنیؓ ”سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی وہاں موجود تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ انہوں نے عرض کیا ”اللہ اور رسول کی محبت“ اس سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استفسار پر یہی جواب دے چکے تھے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات یا نو کنکریاں ہاتھ میں لیں تو ان کنکریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں صبح پڑھی جس کی آواز شہد کی مکھوں کی جھنماہٹ کی طرح تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کنکریاں علیحدہ علیحدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں میں دیں تو کنکریوں نے سب کے ہاتھوں میں صبح پڑھی۔

آواز کی فریکوئنسی:

آوازیں ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ آواز آپس میں رابطہ کا ذریعہ اور معلومات کے تبادلے کا ایک طریقہ ہے۔ آواز کی بدولت ہم بہت سی چیزوں کو جانتے ہیں اور بہت سی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن بہت سی آوازیں ایسی ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتی۔ یہ آوازیں ہماری سماعت سے ماوراء ہیں۔

جینے والے امراض کی تشخیص و علاج، صنعت و حرفت تحقیق و تلاش کیلئے الٹرا سائونڈ ویوز کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔ صدائے بازگشت کے اصول اور آواز کے ارتعاش کی بنیاد پر یہ لہریں کام کرتی ہیں۔ یہ لہریں مادے کی مختلف حالتوں کے درمیان امتیاز کر سکتی ہیں۔

انسان کی سماعت کا دائرہ، بیس ہرٹز (20 Hertz) سے بیس ہزار ہرٹز فریکوئنسی تک محدود ہے۔ جبکہ درائے صوت موجوں کی فریکوئنسی بیس ہزار ہرٹز (Hertz) سے دو کروڑ ہرٹز (Hertz) تک ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمارے کان ان آوازوں کو نہیں سن سکتے۔

موجوں کی دو بڑی اقسام ہیں۔ ایک وہ جن میں ذرات سکڑتے ہیں اور پھیلنے لگتے ہیں۔ دوسرے وہ جو آگے بڑھتے ہوئے اوپر نیچے حرکت کرتے ہیں، موجوں کی اقسام کی تقسیم فریکوئنسی اور طول موج کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

موج مخصوص فاصلہ کو اوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے طے کرتی ہے۔ یہ اس کا طول موج کہلاتا ہے۔ طول موج میں ایک حرکت اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ایک حرکت نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ اوپر اور ایک مرتبہ نیچے، دونوں حرکتیں مل کر ایک پیکر (Cycle) پر آ کر کرتی ہیں اور ایک سیکڑ میں کسی موج کے جتنے سائیکل گزر جاتے ہیں وہ موج کی فریکوئنسی کہلاتی ہے۔ طول موج زیادہ ہو تو فریکوئنسی کم ہوتی ہے۔ جبکہ طول موج کم ہونے کی صورت میں فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔

ریڈیائی اور مقناطیسی لہریں:

ریڈیائی لہریں کم فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں اور فی وی شریات زیادہ فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں۔ برق مقناطیسی لہروں کو آواز کی موجوں کی طرح ستر کرنے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ پانی اور ہوا کے بغیر بھی آگے بڑھتی رہتی ہیں اور خلا میں آگے بڑھنے میں انہیں وقت پیش نہیں آتی۔

فریکوئنسی اگر بہت بڑھ جائے تو موجیں شعاعیں بن جاتی ہیں جو سیدھی چلتی ہیں۔ کم طول موج اور زیادہ فریکوئنسی ہونے کی وجہ سے ان لہروں کی کسی چیز میں سے گزر جانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز ہماری حمد و ثنائیاں کرتی ہے۔ یعنی کائنات میں موجود ہر شے بولتی، سنتی اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہے۔

"ساقول آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں اللہ کی عظمت بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔" (سورۃ النبی اسرائیل آیت نمبر ۴۴)

کھشائی نظاموں کا کمپیوٹر:

کائنات میں ہر فرد قدرت کا بنا ہوا کمپیوٹر ہے اور اس کمپیوٹر میں کھشائی نظاموں سے متعلق تمام اطلاعات فیڈ ہیں اور کمپیوٹر ڈسک کی طرح یہ اطلاعات ہر کمپیوٹر میں ذخیرہ ہیں۔ کھشائی نظاموں میں ہماری و ساری یہ اطلاعات، لہروں کے دوش پر ہر لمحہ سفر کرتی رہتی ہیں۔ ہر موجود شے کا دوسری شے سے لہروں کے ذریعہ اطلاعات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ سائنس دان روشنی کی رفتار کو زیادہ سے زیادہ رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ زمانی اور مکانی واسطے لہروں کی گرفت میں رہتے ہیں۔ اگر کسی فرد کے ذہن میں جنات، فرشتوں، آسمانوں اور زمین سے متعلق اطلاعات کا تبادلہ نہ ہو تو انسان فرشتوں، جنات، درخت، پہاڑ، سورج اور چاند کا تذکرہ نہیں کر سکتا۔ کھشائی نظام اور کائنات میں جتنی بھی نوعیں اور نوعوں کے افراد کے خیالات کی لہریں ہیں، ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح ہماری زندگی سے متعلق تمام خیالات لہروں کے ذریعہ ہر مخلوق کو منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات اس قانون سے واقف نہ ہوں۔

خیالات کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ ہم کسی آدمی یا کسی مخلوق کے لئے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ مخلوق کے فرد کی لہریں ہمارے اندر رد و کرنے والی لہروں میں جذب ہو رہی ہیں۔ انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل رابطہ رکھتا ہے۔ اس رابطہ کے ذریعہ انسان اپنا پیغام کائنات کے ہر ذرہ تک پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ انسان اس قانون سے واقف ہو جائے کہ کائنات کی تمام مخلوق کا خیالات کی لہروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق ہے۔ خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ زندگی سے قریب کرتی ہے یا دنیاوی زندگی سے دور کر دیتی ہے۔

تصوف، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ

"اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوا حضور ﷺ اور ان کے صحابہ ہر بات اور ہر عمل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے تھے، ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لیے تھا۔" بلاشبہ حضرت محمد ﷺ کے ان تربیت یافتہ حضرات کے سینے روحانیت اور علم حضوری سے نبریز تھے۔ ایک گروہ تبصرہ کرتا ہے کہ روحانیت اور تصوف کے حوالے سے اولیاء اللہ کی کرامات اور کشف کا تذکرہ بڑی شد و مد سے کیا جاتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کی کرامات، کشف اور خرق عادات کا کتابوں میں تذکرہ نہیں ہے۔ امام الناس کے ذہنوں سے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لئے اسلام کی مستند کتابوں میں سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات و رتق کی جا رہی ہیں۔

• سیدنا ابو بکر صدیقؓ:

حضرت صدیق اکبرؓ نے جناب عائشہؓ کو بیس و سق تقریباً پانچ من بھجوریں حبہ کی قمیص اور المارقات سے پہلے فرمایا:

"اے میری بیٹی عائشہؓ! مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ لا رہا ہوں میں و سق بھجوریں میں نے تمہیں حبہ کیسے قمیص۔ اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوک ہو جاتیں لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے۔ جس میں تمہارے دو بھائی اور دو بیٹیں شریک ہیں۔ اس کو قرآن کریم کے احکام کے موافق تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ابا جان اگر بہت زیادہ ہو گی ہو غمیں جب بھی اس حبہ سے دست بردار ہو جاتی لیکن یہ تو فرمائیے کہ میری بہن تو صرف اساءہ ہے یہ دوسری بہن کون ہے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ بختِ خارجہ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے۔" بالآخر ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

• صحابہ کرامؓ اور تصوف

سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطابؓ:

حضرت عمرؓ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک فرمایا! اے ساری پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ آپؓ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا کیونکہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی امید تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد شعب نہاد نے فوج کا قاصد آیا تو اس سے لڑائی کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا!

اے امیر المومنین ایک دن شکست ہونے کو تھی کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہو کہ اے ساری پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا اور ہم نے پہاڑ کی طرف سے ہٹ کر سہارا لیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں شریکین پر فتح دی۔

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ:

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے آزاد کردہ غلام عجن کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپؓ کے ساتھ آپؓ کی ایک زمین پر گیا جہاں ایک عورت نے جو کسی تکلیف میں مبتلا تھی آپؓ کے پاس آکر عرض کیا۔ اے امیر المومنین! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ اس پر آپؓ نے مجھے حکم دیا کہ اس عورت کو باہر نکال دو۔ چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آکر پھر اسی غلطی کا اعتراف کیا۔ انہوں نے فرمایا اسے باہر نکال دو۔ تیسری مرتبہ اس عورت نے پھر آکر کہا اے غلیظہ وقت میں نے بلا شک و شبہ گناہ گبیرہ کیا ہے میرے اوپر حد زنا جاری فرمادیں۔

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا۔ اے عجن! اس عورت پر مصیبت آپڑی ہے اور مصیبت اور تکلیف ہمیشہ فساد کا سبب ہوتی ہے۔ اس کو پیٹ بھر کر روٹی اور تن بھر کپڑا دے اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا۔ میں نے اسے آرام سے رکھا تھوڑے دنوں بعد اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو وہ مطمئن ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ فرمایا کہ اچھا اب اسے کھجور، آنا اور کشمش دے دے۔ میں نے سامان گدھے پر لا کر اسے دے دیا۔ میں نے اس سے پوچھا اب بھی تو وہی کہتی ہے جو امیر المومنین کے

سامنے کہہ رہی تھی اس نے کہا نہیں میں نے جو کچھ کہا تھا تکلیفوں اور مصیبتوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے کی وجہ سے کہا تھا۔ تاکہ حد لگا دی جائے اور مجھے مصیبتوں سے نجات مل جائے۔

سیدنا علی ابن ابی طالبؓ:

حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کو جہنڈا دے کر خیر کی طرف روانہ کیا اور وہ خیر کے قلعے کے پاس پہنچے تو خیر والے آپؓ پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی خونریزی ہوئی۔ ایک یہودی نے وار کر کے آپؓ کے ہاتھ سے ڈھال گرا دی۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور قلعے کا ایک دروازہ اٹھا کر اپنی ڈھال بنالیا۔ بالا آخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس دروازے کو پھینک دیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور بھی تھے اور ہم آٹھ آدمی مل کر اس دروازے کو الٹ دینے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن وہ دروازہ جس کو تن تنہا حضرت علیؓ نے اپنے ایک ہاتھ میں اٹھا لیا تھا ہم آٹھ آدمی اس کو نہیں پلٹ سکے۔

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ:

ایک بار سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے آکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے پاس بی بی خدیجہ آ رہی ہیں اور ان کے ہاتھ میں جو برتن ہے اس میں کھانا اور پانی ہے۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آجائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سلام کہا ہے اور کہہ دیجئے کہ آپؐ خوش ہو جائیے آپؐ کے لئے جنت میں ایسا مکان ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے جہاں شور و غل اور تکلیف نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ:

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا، ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ کیا اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرا و مہارک کی طرف اور مکہ و خضرہ میں آسمان کی طرف کو ایک آر پار سوراخ کر دو۔ ان

لوگوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا اے عائشہ! جبریل تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے جواباً کہا ان پر اللہ کی سلامتی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہراء:

حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں اور میں بیمار تھی۔ ایک دن صبح سویرے انہیں افاقہ محسوس ہوا۔ حضرت علیؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اے اماں میں نہانا چاہتی ہوں۔ میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ سندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائی۔ پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے۔ میں نے کپڑے بھی دے دیئے۔ انہوں نے خود پین کر کہا امی اب ذرا آپ میرے لئے گھر کے پتھوں بچھو تا بچھا دیجئے۔ میں نے یہ بھی کر دیا۔ بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلے کی طرف کی منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا۔ اماں! اب میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں۔ اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں۔ اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت انس:

حضرت انس بن مالکؓ کے بھتیجے حضرت انس نصیرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا۔ ہمارے خاندان کے لوگوں نے لڑکی کے رشتہ داروں سے معافی مانگی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ ویت یعنی دانت کے بدلے دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قاصص طلب کیا۔

چنانچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاصص حکم کا صادر فرما دیا۔ اس پر حضرت انس بن نصیرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میری پھوپھی کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے انس! اللہ کی کتاب قاصص کا حکم دیتی ہے۔ یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے اور

اللہ کا مال کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص:

امام بخاریؒ ایک طویل قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں اس شخص کے لئے بد دعا کرتا ہوں جس نے میری تین جھوٹی شکایتیں کی تھیں۔ اے اللہ یہ تیرا جھوٹا بد دعا و نکاری سے شکایتیں سننے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کر دے۔ حضرت سعدؓ کی اس دعا نے اللہ لوگ جب اسکی خیریت دریافت کرتے تھے تو وہ کہتا تھا میں بالکل بڑھا ہو گیا ہوں میری عقل رانی گئی ہے اور سعدؓ کی بد دعا لگ گئی ہے۔ عبدالملکؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس بڑھے کو اس حال میں لکھا کہ لا حیا ہے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھڑوں نے بالکل چھپا لیا تھا اور وہ راستہ چلتی لڑائی کر رہا تھا اور بے حیائی کی باتیں کرتا تھا۔ افلاس و غربت کی وجہ سے انتہائی تنگ دست تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم کئی صحابی کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے وہ کھانا سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

حضرت اسید بن حضیر عباد:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسید عبادؓ نے اور سرائیات پیش کیں۔ رات بہت تاریک تھی چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے گھروں کو لوٹنے ان کے انگوٹوں میں لالہ لیاں تھیں۔ ان میں سے ایک لالہ بھی روشن ہو گئی اور شمع کا کام دینے لگی جب ایک کا راستہ قسم لگا گیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو دوسرے شخص کی لالہ بھی روشن ہو گئی۔ اور دوسرا بھی اپنے گھر پہنچ گیا۔

حضرت جابر:

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے والد نے طلب کر کے فرمایا کل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ مجھ پر ایک آدمی کا قرض ہے وہ ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ میں نے دیکھا کہ میدان احد میں سب سے پہلے میرے والد نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت سفینہؓ:

ابن مسکد سے روایت ہے کہ حضرت سفینہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے ایک مرتبہ سرزمین روم میں راستہ بھول گئے۔ وہ راستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں گرفتار کر لیا۔

وہ قید سے فرار ہو گئے۔ راستہ میں انہیں ایک شیر نظر آیا۔ انہوں نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا اے ابو الحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں اور میں راستہ بھول گیا ہوں۔ شیر نے یہ سن کر ان کے سامنے دم ہلائی۔ اور ان کے برابر چلنے لگا۔ اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور کان کھڑے کر کے ادھر ادھر دیکھتا جب خطرے کا احساس ختم ہو جاتا تو پھر آپ کے ساتھ چلنے لگتا۔ جب حضرت سفینہؓ اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر واپس لوٹ گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا حضور اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے جن سے مجھے فائدہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ ٹھیک ہے لیکن تین راتوں سے تم جس سے باتیں کر رہے ہو جو نئے ہو وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

حضرت ربیع بن حراشؓ:

حضرت ربیع بن حراشؓ کہتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے۔ ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیعؓ کے لہاری اور روزے دار تھے۔ سردیوں گرمیوں میں بھی وہ غنچیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ جب ان کا احوال اسی طرح تھا ہم سب ان کے پاس جمع تھے اور ہم ایک آدمی کو ان کے لئے کفن کا کپڑا لینے بھیج چکے تھے کہ ایک انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا اے برادران! السلام علیکم! لوگوں نے جواب دیا وعلیکم السلام۔ اور پوچھا کہ تم موت کے بعد بھی بات کرتے ہو؟

حضرت ربیعؓ نے جواب دیا! ہاں تم سے جدا ہو کر جب پروردگار عالم سے ملا تو میں نے اسے اللہ پاک نہیں دیکھا۔ اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی راہیں، جنت کے لباس مرحمت فرمائے۔

سنو! حضرت ابو القاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نماز پڑھنے کے منتظر ہیں بس اس درست لگاؤ اور جلدی کرو۔ یہ قصد جب حضرت عائشہ صدیقہؓ گوسنایا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے یاد ہے! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت علاء بن حضرمیؓ:

سہم بن جباب بیان کرتے ہیں کہ ہم علاء بن حضرمیؓ کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو کر مقام دارین پہنچے۔ ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمیؓ نے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ تو جاننے والا ہے تو قوت والا ہے تو بہت بڑا ہے۔ ہم تیرے معمولی بندے ہیں، یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سرے پر ہے۔ اللہ ان کو شکست دینے کے لئے ان کو رواہ راست پر لانے کے لئے اور ان کو اسلام کا گلہ پڑھانے کے لئے ہم کو ان تک پہنچا دے۔

اس دعا کے بعد انہوں نے ہم سب کو سمندر میں اتار دیا۔ سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے

سینوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ ہم سمندر پار ہو گئے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ:

حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریلؑ کو دیکھا۔

حضرت سلمانؓ:

حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جو بحال اللہ پڑھ رہا تھا۔

مندرجہ واقعات و کرامات بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں ورنہ ہر صحابیؓ کی زندگی میں بے شمار خرق عادات موجود ہیں۔

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات اور خرق عادات اسلامی تاریخ میں ریکارڈ ہیں۔

یہ اعتراض بھی کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے مراقبہ نہیں کیے محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مراقبہ کا مطلب ہے سوچ، پیار، تفکر، تلاش، ذہنی یکسوئی کے ساتھ کسی بات پر غور کرنا، concentration جب ہم کسی بھی بات کی نفسیات اور کنک کو تلاش کرتے ہیں تو اس کا مطلب بھی مراقبہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور قرآنی آیات پر غور و فکر کرنے میں گزری ہے۔ غور و فکر میں جتنا وقت گزرتا تھا۔ وہ سب مراقبہ کی تعریف میں آتا ہے۔

مراقبہ دراصل ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنی روحانی صلاحیتوں اور غیب بین نظر کو بیدار اور متحرک کرنے کے لئے ایک طریقہ ہے۔ مراقبہ سے مراد مرتبہ احسان ہے۔

نور نبوت کے ذریعے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو مرتبہ احسان حاصل تھا اور مرتبہ احسان کا حاصل ہونا بلاشبہ روحانیت یا تصوف ہے۔

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے روحانی اجسام نور نبوت سے روشن اور منور تھے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور سیرت طیبہ پر غور کرتے تھے تو ان کے اندر انوار کا ذخیرہ ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ قرآنی آیات پر نظر کر کے وہ خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتے تھے۔

نماز اور تصوف

”صلوٰۃ ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا ہے۔ اس طریقہ میں بڑی اہمیت تفکر کو ہے۔ صلوٰۃ میں اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق قائم ہو جاتا ہے جب بندہ اس تفکر کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے کہ مجھے اللہ کی طرف سے کتنا محبت کی صفات میں ذہن مرکوز ہو جاتا ہے۔ روحانی کیلیات میں تفکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل مدت تک غار حرا میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر فرمایا ہے۔ تفکر کا مفہوم یہ ہے کہ ہر طرف سے ذہن بنا کر اللہ کی نشانیوں پر غور کیا جائے۔ ارکان اسلام کی تکمیل کے بعد اللہ کا اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے۔

صلوٰۃ کی اہمیت:

”صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں اللہ کی بڑی، عظیم اور اس کی ربوبیت و مہاکبت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ نماز ہر عقیدہ اور اس کی امت پر فرض ہے۔ نماز قائم کر کے بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ نماز اخلاص اور منکرات سے روکتی ہے۔ صلوٰۃ دراصل اللہ سے تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ مسلسل گہرائیوں کے ذریعہ سالک کو ذہنی مرکزیت قائم کرنے کی مشق ہو جاتی ہے۔ اس لیے مراقبہ کرنے والے حضرات و خواجہاں جب نماز ادا کرتے ہیں تو آسانی سے ان کا وہی تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰئیلؑ کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین پر آباد کیا تو اس کی مرض یہ بیان کیا:

”اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ صلوٰۃ (آپ کے ساتھ تعلق اور رابطہ) قائم کریں“

(سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۳)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل کے لئے یہ دعا کی:

"اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میری نسل میں سے لوگوں کو صلوٰۃ (ربط) قائم کرنے والا بنادے۔"

(سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۴۰)

"حضرت اسماعیلؑ اپنے اہل و عیال کو صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیتے تھے۔"

(سورۃ مریم آیت نمبر ۵۵)

حضرت لوطؑ، حضرت الخلقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی نسل کے پیغمبروں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے اور صلوٰۃ قائم کرنے کی وحی کی۔"

(سورۃ انبیاء آیت نمبر ۷۳)

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی:

"اے میرے بیٹے صلوٰۃ قائم کر"

(سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۷)

اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا:

"اور میری یاد کیلئے صلوٰۃ قائم کر (یعنی میری طرف وحی یکسوئی کے ساتھ متوجہ رہ)۔"

(سورۃ طہ آیت نمبر ۱۳)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کو اللہ نے حکم دیا:

"اور اللہ نے صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔"

(سورۃ یوسف آیت نمبر ۸۷)

عرب میں یہود اور عیسائی قائم الصلوٰۃ تھے۔

"اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہوں کو کھڑے ہو کر اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور

وہ عبادہ (اللہ کے ساتھ پردگی) کرتے ہیں۔"

"اور وہ لوگ جو حکم پکڑتے ہیں کتاب (اللہ کے بنائے ہوئے گرام اور آسمانی قانون) کو اور قائم

رکھتے ہیں صلوٰۃ ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنے والوں کے۔"

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۷۷)

غیب کی دنیا:

بندہ جب اللہ سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس

سے گزر کر وہ غیب کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

صلوٰۃ وحشی مرکزیت (Concentration) کو بحال کر دیتی ہے۔ انسان وحشی یکسوئی کے

ساتھ شعوری کیفیات سے نکل کر لاشعوری کیفیات میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر شعوری دنیا سے

اٹل کر لاشعوری دنیا یعنی غیب کی دنیا سے آشنا ہو جائے۔

لہاز میں خیالات کا ہجوم:

لہاز میں خیالات سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

صلوٰۃ قائم کرنے سے پہلے آرام و نشست میں قبلہ رخ بیٹھ کر تین مرتبہ درود شریف، تین بار

اے شہادت پڑھیں اور آنکھیں بند کر کے ایک سے تین منٹ تک یہ تصور قائم کریں کہ:

"میں عرش کے نیچے ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور میں اللہ کو سجدہ کر رہا ہوں۔"

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اور ان حقائق و معارف کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے بوسیۃ حضرت

براہمینؑ، حضرت سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمائے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ انوار و تجلیات

اللہ ہے۔

ظاہر و باطن غیب عربی الفاظ میں ہیں، لیکن ان الفاظ کے پیچھے نوری معانی کی وسیع دنیا

ہوتی ہے۔ تصوف کے ساتھ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے شاگرد الفاظ میں موجود وحشی نور کو

دلکش بنا کر قرآن حکیم اپنی پوری جامعیت اور معنویت کے ساتھ ان پر روشن ہو جائے۔

اللہ کا عرفان:

روحانی اساتذہ بتاتے ہیں کہ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، چاہے نماز میں،

تجربہ کے تو اہل میں یا صرف تلاوت کے وقت نمازی یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کے ذریعے مجھ سے مخاطب ہیں اور میں اسی کی معرفت اس کلام کو سن رہا ہوں۔ تلاوت کے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ الفاظ کے نوری تمکلات ہمارے اوپر منکشف ہو رہے ہیں۔

بند و جب ذاتی توجہ کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے تو اسے اشہاک نصیب ہو جاتا ہے۔ قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے سے ملاء اہل سے ایک ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس قدر قلب کا آمینہ صاف ہوتا ہے اسی مناسبت سے معانی و مفہیم کی نورانی دنیا اس کے اوپر ظاہر ہونے لگتی ہے۔

اللہ کی دوستی حاصل کرنے کے لیے قرآن حکیم نے جس پروگرام کا تذکرہ کیا ہے اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔

”قائم کر صلوٰۃ اور ادا کر و زکوٰۃ“

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۴۳)

قرآنی پروگرام کے یہ دونوں اجزاء نماز اور زکوٰۃ روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔ وظیفہ سے مراد وہ حرکت ہے جو زندگی کی حرکت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ ”جب تم نماز میں مشغول ہو تو یہ محسوس کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں یا یہ محسوس کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔“

روح کا وظیفہ:

نماز میں وظیفہ اعضاء کی حرکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہنے کی عادت ہونی چاہیے۔ ذہن کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا روح کا وظیفہ ہے۔ اور اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔ قیام صلوٰۃ کے ذریعے کوئی بندہ اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

اللہ کو دیکھنا:

جس حد تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کسی امتی کا عمل ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے۔ قلب میں جلا پیدا کرنے کے لئے ہمیں خود کو ان چیزوں سے دور کرنا پڑے گا جو ہمیں پاکیزگی، صفائی اور نورانیت سے دور کرتی ہیں۔ اس دماغ کو رد کرنا ہوگا جو ہمارے اندر ارباب کا دماغ ہے۔ اس دماغ سے آشنائی حاصل کرنا ہوگی جو جنت کا دماغ ہے اور جس دماغ پر قلبیات کا اثر ہوتا ہے۔

نماز ایسا وظیفہ اعضاء اور روحانی عمل ہے جس میں تمام جسمانی حرکات اور روحانی کیفیات شامل ہیں۔

نمازی اللہ کی طرف رجوع ہونے کی نیت کرتا ہے۔ پھر وضو کر کے پاک صاف ہوتا ہے۔ پاک جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ قبلہ رخ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتا ہے۔ پھر ہاتھ باندھ لیتا ہے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے۔ یعنی اللہ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اللہ کی حمد پڑھتا ہے اور اللہ کی صفات بیان کرتا ہے۔ پھر جھک جاتا ہے۔ تسبیح پڑھتا ہے میرا رب پاک اور عظیم ہے۔ پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اے ہمارے رب ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ پھر سجدے میں چلا جاتا ہے۔ زمین نیاز زمین پر رکھ کر اعلان کرتا ہے۔ اے ہمارے رب تویی سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود سلام بھیج کر سلام عرض کرتا ہے۔ نماز میں ہاتھ دھونا، کھلی کرنا، تاک میں پانی ڈالنا، دھونا، ہر کام تسبیح کرنا اور سب جسمانی وظیفہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا اور زانووں بیٹھنا اور اصرار اور پختہ بیکنا یہ بھی جسمانی وظیفہ ہے۔ سب اعمال کا مقصد یہ ہے کہ جسم کے ہر عمل میں ذہن اللہ کے ساتھ رہے۔ صلوٰۃ ایک ایسا عمل اور ایسا شغل ہے کہ جس کو پورا کرنے سے بندے کا ذہن اس بات کا عادی اور مہیا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل میں اللہ کو دیکھتا ہے۔ نماز بندہ اور اللہ کے درمیان ایک راستہ ہے۔ نماز میں مشغول ہو کر بندہ غیر خدا سے دور ہو کر خدا سے قریب ہو جاتا ہے۔ بندہ کے اندر جب یہ کیفیت مستحکم ہو جاتی ہے تو اسے مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا ہے۔ نماز مرتبہ احسان پر عمل کرنے کا مکمل پروگرام ہے۔

روح کا وظیفہ:

صوم اور تصوف

”ماہ رمضان جس میں نازل ہوا قرآن جس میں ہدایت ہے لوگوں کے واسطے اور راہ پانے کی
”علیؑ لکھتا ہیں۔“

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵)

سوال یہ ہے کہ نزول قرآن کے سلسلے میں رمضان کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ جبکہ وقتی رمضان
کے علاوہ بھی آتی رہتی ہے۔ یہ تلاش کرنا بھی ضروری ہے کہ رمضان المبارک اور عام دنوں میں کیا فرق
ہے اور ماہ رمضان میں انسانی تصورات اور احساسات میں کیا تبدیلی رونما ہو جاتی ہے؟
الطمان المبارک سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں، پہنچتا ہوں پکارتے کی
”اور اس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔“

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۶)

آیت کریمہ بتاتی ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی قائلہ مائل نہیں ہے۔

روح سے کا مقصد:

زندگی تقاضوں کا نام ہے۔ یہ تقاضے ہی ہمارے اندر حواس بناتے ہیں۔ بھوک، پیاس،
خواب، ایک دوسرے سے بات کرنے کی خواہش، آپس کا میل جول اور ہزاروں قسم کی دلچسپیاں یہ سب
تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کا دار و مدار حواس پر ہے۔ حواس اگر تقاضے قبول کر لیتے ہیں تو یہ تقاضے حواس
کے اندر جذب ہو کر ہمیں مظاہراتی شد و خال کا علم بخشتے ہیں۔

رمضان کے علاوہ عام دنوں میں ہماری دلچسپیاں مظاہر کے ساتھ زیادہ رہتی ہیں۔ حصول
مغای میں جدوجہد کرنا اور دنیاوی دوسرے مشاغل میں ہم گھر سے رہتے ہیں۔

اس کے برعکس روزہ ہمیں ایسے نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے مظاہر کی نئی شروع ہوتی ہے۔ مثلاً وقت صبح تک ظاہری حواس سے توجہ ہٹا کر ذہن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ظاہری حواس کے علاوہ اور بھی حواس ہمارے اندر موجود ہیں جو ہمیں آزاد دنیا (غیب کی دنیا) سے روشناس کرتے ہیں۔ روزہ زندگی میں کام کرنے والے مظاہر حواس پر ضرب لگا کر ان کو معطل کر دیتا ہے۔ بھوک پیاس پر کنٹرول، گفتگو میں احتیاط، خیند میں کمی اور چوبیس گھنٹے کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کی جاتی ہے کہ مظاہر کی گرفت سے نکل کر غیب میں سفر کیا جائے۔ یہ تصور غالب رہتا ہے کہ ہم اللہ کے لئے بھوکے پیاسے ہیں۔

حدیث قدسی:

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”روزہ کی جزا میں خود ہوں۔“

یعنی روزے دار کے اندر وہ حواس کام کرنے لگتے ہیں جن حواس سے انسان اللہ تعالیٰ کی تکلیف کا دیدار کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے حواس سب کے سب مظاہر ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے حواس سب کے سب غیب ہیں۔ مظاہر میں انسان زمان و مکان میں قید ہے اور غیب میں زمانیت اور مکانیت انسان کی پابند ہے۔ جو حواس ہمیں غیب سے روشناس اور متعارف کراتے ہیں قرآن پاک کی زبان میں ان کا نام ”ہلیل“ یعنی رات ہے۔

ارشاد ہے کہ:

”ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں“

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”ہم اوجھڑ لیتے ہیں رات پر سے دن کو“

یعنی حواس ایک ہی ہیں۔ ان میں صرف وجہ بندی ہوتی ہے۔ دن کے حواس میں زمان اور

کاوان کی پابندی ہے لیکن رات کے حواس میں مکانیت اور زمانیت کی پابندی نہیں ہے۔ رات کے یہی حواس غیب میں سفر کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور انہی حواس سے انسان پرورش، اعتراف، ملائکہ اور ملائع اعلیٰ کا زمان حاصل کرتا ہے۔

سورۃ مومن کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اور وہ کیا ہم نے مومن سے تمیں (۳۰) رات کا اور پورا کیا ان کو دس سے جب پوری ہوئی یا اللہ چاہے رب کی چالیس (۴۰) رات۔“

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے حضرت مومن کو چالیس رات میں تورات (نبی انکشافات)

اور انبیا علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے چالیس (۴۰) دن میں وعدہ پورا کیا، صرف رات کا تذکرہ ہے۔

حضرت مومن نے چالیس (۴۰) دن اور چالیس (۴۰) رات کو بطور پر قیام فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس دن اور چالیس رات حضرت مومن پر رات کے حواس غالب رہے۔

یہ تصور طلب المسلمۃ والسلام کی معراج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”پاک ذات ہے جو نے کیا اپنے بندے کو رات ہی رات ادب والی مسجد (مسجد الحرام) سے لے کر مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے اور یہ بتا دیکھتا۔“

(سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱)

رات کے حواس (سونے کی حالت) میں ہم نہ کھاتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں اور نہ ہی

اور ان کو زیادتی معاملات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مظاہر اتی پابندی سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔

روزے کا پروگرام ہمیں یہی عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ روزے میں تقریباً وہ تمام

حواس ہمارے اوپر غالب ہو جاتے ہیں جن کا نام رات ہے۔

روزہ ترک کا نظام ہے:

”روزہ میرے لئے ہے اور روزہ کی چیز میں ہوں۔“ (حدیث قدسی)

وراصل روزہ وہ نظام ہے جو ”ترک“ سے تعلق استوار کرتا ہے۔

روزہ دار اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارتا ہے۔ روزہ دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے صاف ستھری زندگی، صحیح نظام الاوقات میں گزارتا ہے تو اللہ خود رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ خود ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ قریب ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس قسم کے پروگرام جس سے غیب کی دنیا کا انکشاف ہو خاص حضرات کے لئے مخصوص ہے۔ اگر اس قسم کے پروگرام مخصوص لوگوں کے لئے ہوتے تو کتابوں میں اسے زیادہ کامیاب خواتین و حضرات کے نام نہ لکھے جاتے۔ صوفیاء کرام کے بیوی بچے ہوتے ہیں۔ صوفیاء خواتین کے شوہر ہوتے ہیں وہ دنیا کے سارے کام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح زندگی گزارتے ہیں جس طرح عام آدمی زندگی گزارتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ کے لئے ”ترک“ کی لذت سے واقف ہوتے ہیں اور ہم ترک کی لذت سے نا آشنا ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برائی کے لئے ترک ممکن ہے۔ جو بندہ صبح سے شام تک محض اللہ کے لئے بھوکا پیاسا رہتا ہے وہ ترک کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر روزہ چھوٹ جائے تو سارے دن یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی قیمتی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ سخت گرمی اور چلاپاتی دھوپ میں اللہ کے لئے پانی نہ پینا اور تمام حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا بلاشبہ اللہ کیلئے ترک ہے۔ اور اس کی لذت سے ہر روزہ دار واقف ہے۔

لیلتہ القدر:

رمضان المبارک کے بیس (۲۰) روزوں میں ظاہری عمل اور ظاہری حواس کے ترک سے سائیکہ اس قوت رفتار کے قریب ہو جاتا ہے جس سے غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

”ہم نے اس کو اتارا لیلۃ القدر میں اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر

ایک ہزار مہینے ہے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام ہے۔ امان ہے وہ رات صبح کے طلوع ہونے تک۔“

(سورۃ القدر)

قرآن ایک دستور العمل ہے جو نوع انسانی کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں افضل ہے اور لیلۃ القدر رمضان میں آتی ہے۔ ایک ہزار مہینوں میں تیس 30 دن اور تیس 30 ہزار سال ہوتی ہیں۔ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد لیلۃ القدر کی رات آنے تک روزہ دار کے (انہی کی رہنمائی) ساتھ ہزار گنا ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہزار گنا رفتار سے انسان حضرت جبرائیل اور فرشتوں کو اللہ کے حکم سے رکھ لینا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت جبرائیل ایسے شخص سے مصافحہ کرتے ہیں۔

حج اور تصوف

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا: "یا اللہ! میری آواز کس طرح پہنچے گی یہاں ہم تین آدمیوں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ابراہیم! آواز پہنچانا ہمارے ذمہ ہے" حضرت ابراہیم نے حج کا اعلان کر دیا۔ اس آواز کو آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان جتنی بھی مخلوق ہے سب نے سنا۔ حج کا یہی وہ اعلان ہے جس کے جواب میں ساتی حضرات حج کے دوران لہیک الہم لہیک کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس شخص نے خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی عالم ارواح میں تھا حضرت ابراہیم کی آواز سن کر لہیک کہا وہ حج ضرور کرتا ہے۔"

قرآن کریم اور حج:

دور و بقرہ میں ارشاد ہے:

"حج کے چند مہینے ہیں جو مخصوص ہیں ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر کوئی شخص بات جاننے اور حکم عدویٰ درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا رہا ہے" اور جو ایک کام کرے اللہ تعالیٰ اس کو جائز کرتے ہیں"

(سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹)

مشہور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اس طرح کہ اس میں شخص بات اور حکم عدویٰ نہ ہو تو وہ ایسا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔"

(مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اس سے اپنی مغفرت کے لئے دعا کرو۔“

۴۰ ارکان حج کی حکمت:

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ انیس چبیتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ تجسس، تحقیق اور مشاہداتی عمل سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ”اللہ ظہور اور غروب ہونے والی ہستی نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے یہ یقین ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو منتقل ہوا اور جب آپ نے حضرت اسماعیلؑ کو خواب سنایا تو حضرت اسماعیلؑ نے کہا ”آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کریں انشاء اللہ آپ مجھے سابر پائیں گے۔“ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو لے کر منی کے مقام پر آئے اور ایک جگہ انیس لٹا دیا۔ حضرت اسماعیلؑ سے فرمایا آنکھیں بند کر لو اور خود بھی اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کا نام لے کر حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری پھیر دی۔ جب وہ اپنی دانت میں پیارے بیٹے کو ذبح کر چکے تو آواز آئی۔ ابراہیمؑ آنکھیں کھول دے۔ دیکھا کہ ایک سنگ درست و منبذ حج کیا ہوا سامنے پڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پکارا:

”اے ابراہیمؑ! بے شک سچا کر دیا تو نے اپنے خواب کو تحقیق ہی طرح ہم جزا دیتے ہیں۔ احسان کرنے والوں کو۔“ (سورۃ الصافات آیت نمبر ۱۰۳-۱۰۵)

حج کے ارکان میں قربانی اور ہر سال بقرہ عید میں قربانی حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی بے مثال قربانی اور ایثار کا مسلسل تواتر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل استطاعت پر واجب کر دیا ہے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت جبرائیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے اس سرزمین پر اللہ کا گھر تعمیر کرو تاکہ لوگ آئیں اور اپنے رب کے

گھر کا طواف کریں۔ آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ جس مقام پر اوطان نے آپ دونوں کو ہرکنا چاہا تھا اور آپ دونوں نے اس پر کنکریاں ماری تھیں۔ حج کے رکن کی صورت میں آج بھی جاری ہے۔ اللہ کے ہر حکم میں بہت ساری حکمتیں چھپی ہوئی ہیں۔

کنکریاں مارنے کی حکمت:

حج کا ایک رکن شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لئے لے کر چلے تو منی کے مقام پر شیطان نے انہیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپ نے شیطان کو کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حج کے دوران شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ کنکریاں مارنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ آئے تو اس کی مزاحمت کی جائے۔ ذہنی مزاحمت کے ساتھ جسمانی طاقت بھی استعمال لی جائے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم پورا ہو جائے اور شیطان اپنے دوسروں میں مایوس اور نامراد ہو جائے۔

شک کا جال:

عمل کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب عمل کرنے کا وقت اور جگہ کا تعین کر لیا جائے۔ کسی کام کا خیال و مانع میں آتا ہے تو اس خیال کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے۔ مثلاً شک کی صورت ایک الجھے ہوئے جال جیسی ہوتی ہے۔ آدمی اگر جال میں پھنس جائے تو نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ آدمی جتنا جال سے لکھنا چاہتا ہے جال مزید الجھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم لطیف انوار کا ذخیرہ ہے۔ جبکہ ناسوتی کثیف روشنیاں عملی راستے میں رکاوٹ آتی ہیں۔ شیطان کھلا دشمن ہونے کی وجہ سے آدمی کے نفس کو کشاف سے بھر دیتا ہے۔ ”نفس“ (منی کے عناصر کا مرکب) میں شک، دوسرے غرور و تکبر، حسد، نفرت، اور غیر اخلاقی باتیں آتی رہتی ہیں۔

”نفس“ دو راستوں پر سفر کرتا ہے۔ ایک ناسوتی۔ اور دوسرا لہجی دنیا کا راستہ۔ ناسوتی دنیا میں اوطان و سر سے ڈال ہے اور شیطان کی انسپائریشن حکم الہی اور انسانی عقل کے درمیان شک بن جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا شیطان کو کنکریاں مارنا شیطان کی انسپائریشن کو روکنا ہے۔

سبحی کی حکمت:

صفا اور سروہ کے درمیان سات پھیرے لگانے کو سبھی کہتے ہیں۔ یہ پھیرے حضرت بی بی باجرہ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے لئے پانی کی تلاش میں لگائے تھے۔ بی بی باجرہ کی اس سبھی کے نتیجے میں آب زم زم کا چشمہ ابل آیا۔ حضرت بی بی باجرہ کا یہ عمل ممتا کی لازوال مثال ہے۔ ممتا اللہ کی مفت ہے۔ اللہ اپنی مخلوق سے سزاؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ مخلوق کو محبت کے ساتھ پالتا ہے اور ان کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے وسائل مہیا کرتا ہے۔ ہر ماں فیلی تحقیق کی ذمہ دار ہے جو دراصل اللہ کی صفات کا مظاہرہ ہے۔ ماں اپنے بچے سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اپنے بچے کی پرورش اور کفالت کے لئے انتہائی کوشش کرتی ہے۔

آب زم زم:

حضرت بی بی باجرہ نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل کی زندگی کے لئے بنیادی وسیلہ پانی کی فراہمی کے لئے تلاش کا فریضہ ادا کیا۔ اور اس فرض میں اتنی مرکزیت قائم ہو گئی کہ قدرت نے آب زم زم کا چشمہ جاری کر دیا۔ بی بی باجرہ کی سبھی کے نتیجے میں نمودار ہونے والا آب زم زم، حضرت اسماعیل اور توحید پرست لوگوں کے لئے حیات بن گیا۔ اللہ پاک کی نعمتیں لامحدود و لازوال ہیں۔ حضرت بی بی باجرہ کی سبھی کے نتیجے میں حاصل ہونے والا زم زم بھی لامحدود و لازوال ہے۔ ہر سال حج میں ۲۵ لاکھ افراد اور پورے سال مزید لاکھوں مائتین عمرہ یہ پانی استعمال کرتے ہیں۔

طواف کی حکمت:

طواف ایک ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ شریف میں کی جاتی ہے۔ خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کی مرکزیت کا SYMBOL ہے۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آرہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی ہر شے کی صفت کائنات کا شعور ہے اور کائنات کا علم لا شعور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علم ہے اور علم کا سورس اللہ ہے۔ علم الہیہ کے انوار و تجلیات کا مظاہرہ اسی سطح پر نزول

کرنا کائنات کی نزولی حرکت ہے۔ نزولی حرکت میں علم کی جگہ اپنے علوم کا مظاہرہ کرتی ہے۔

بیت اللہ شریف کے طواف میں یہ نیت ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ طواف معبودی اور نزولی دونوں کیفیات پر مشتمل ہے۔ معبودی حرکت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور نزولی حرکت یہ ہے کہ بندہ مقدس زمین پر جسمانی طور پر اللہ کے گھر کے ارد گرد گھومتا ہے۔ حجر اسود کے سامنے تھوڑی دیر قیام کرنا، حجرہ اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ الٹی کرنا اور خانہ کعبہ کے گرد پھرنے کا طواف ہے۔

مشاہدہ حق:

طواف کعبہ میں شعور و لا شعور میں روشنیوں کا جھوم ہو جاتا ہے روشنیوں اور نور کا ذخیرہ ہو جانے کی وجہ سے روح حق کے مشاہدہ میں مصروف ہو جاتی ہے۔ طواف کرنے والے پر بے لوثی طاری ہو جاتی ہے۔ بیت اللہ شریف پر ہر لمحہ اور ہر آن انوار و تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے لڑتے ہوئے وقت طواف کرتے رہتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبہ طواف میں مشغول رہتی ہیں۔ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے انوار اور اولیاء کرام کی فراست کی روشنیاں ایسا ماحول بنا دیتی ہیں کہ طواف میں حاجی کے اوپر انوار کی بارش برتی ہے۔ نور کی بارش اور تجلی کی لطافت کثیر تعداد میں لوگ محسوس کرتے ہیں اور اس سے پوری طرح فیضیاب اور متاثر ہوتے ہیں۔

خلق کرانے کی حکمت:

خلق کرانے کا مطلب ہے بال کنوائت آدمی کے تمام اعمال و افعال کی بنیاد خیالات کے تانے بانے پر قائم ہے۔ مانع خیالات کو قبول کرتا ہے خیالات عالم غیب سے آتے ہیں عالم غیب لیلیٰ روشنیوں کا عالم ہے۔ عالم غیب سے آنے والی ہر انفارمیشن روشنی کی معین مقدار ہے۔

برقی انشیا:

سر کے بال انشیا کا کام کرتے ہیں بال نہایت باریک ٹیکوں کی طرح ہیں برقی قوت ان

نکلیوں کے اندر دور کرتی ہے کتنی کرتے وقت بالوں کی برقی قوت (کرنٹ) کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے بالوں میں کتنی یا کتنی پھیر کر چھوئے چھوئے کاغذ کے ٹکڑوں کے قریب کیا جائے تو کاغذ ٹکڑے پراثر کر چپک جاتے ہیں۔

غیب سے آنے والی اطلاعات برقی رو کے دوش پر بالوں کو گزر دیا جاتی ہوئی جڑوں میں اتر جاتی ہے۔ اور برقی روانہ بن جاتی ہے اور یہ برقی توانائی مطلق کرائے سے جسم مثالی میں جذب ہو جاتی ہے۔

مثبت خیالات کا سورس عالم بالا ہے جبکہ منفی خیالات کا سورس عالم اسفل ہے۔ ماسوائے روشنیوں کثیف ہونے کی وجہ سے برقی رو میں رکاوٹ بنتی ہیں اور یہی رکاوٹ منفی خیالات بن جاتے ہیں۔

سستی کے بعد مطلق کرایا جاتا ہے یا تھوڑے سے بال کاٹے جاتے ہیں۔ تو اس سے کثافت دور ہوتی ہے اور روشنی کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے خیالات پاکیزہ اور لطیف ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ اللہ پاک کے حکم پر اپنے بال کٹواتا ہے تو ظاہر سے ملنے والی اطلاعات سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور عالم بالا سے آنے والی اطلاعات سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

احرام باندھنے کی حکمت:

جس تنظیم میں یونیفارم ہوتی ہے اس تنظیم میں نظم و ضبط کا معیار اعلیٰ ہوتا ہے جیسے فوج، پولیس۔ اس کے علاوہ عوامی سطح پر نہیں، ڈاکٹر وغیرہ اس کی مثال ہیں۔ وردی پہن کر آدمی چست ہو جاتا ہے احرام بھی ایک یونیفارم کی طرح ہے۔

حج ایک ایسا پروگرام ہے جس میں بندہ کا دھیان تمام وقت اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے لباس سب سے زیادہ ذہن کو متوجہ رکھتا ہے اگر الگ الگ رنگ کے لباس ہوں تو ہر شخص کا ذہن دوسرے کے لباس کی تلاش خراش دیکھنے میں مصروف ہو سکتا ہے۔ سفید رنگ پاکیزگی کی علامت ہے پاکیزگی اللہ تعالیٰ کی صفت سبحان ہے۔

مقتناطیسی توانائی:

خانہ کعبہ کے خلاف کارنگ سیاہ ہے اور زائرین سفید کپڑے کا احرام باندھتے ہیں۔ رنگوں

سے مرکب روشنی ایک برقی مقناطیسی توانائی ہے روشنی برشے میں سے گزر جاتی ہے کسی شے میں سے گزرنے کے لئے اسے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رنگ دراصل روشنی کی وہ خاصیت ہے جو اندھیرے (سیاہ) سے مل کر بنتی ہے۔

کالا رنگ ہمیں اس لئے نظر آتا ہے کہ وہ روشنی کی تمام لہروں کو جذب کر لیتا ہے سفید رنگ ہمیں اس لئے نظر آتا ہے یہ رنگ روشنی کی تمام لہروں کو منعکس کرتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اوپر ہر وقت انوار و تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے خانہ کعبہ کا سیاہ رنگ پر وہ ان کو اپنے اندر ذخیرہ کرتا رہتا ہے اور احرام کا سفید رنگ حجاب کے اوپر الوار کی لہروں کو منعکس کرتا ہے جس کی وجہ سے زائرین کا جسم مثالی روشنی اور نور سے محروم ہو جاتا ہے سفید رنگ لباس پاکیزگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ارکان حج اور طواف کعبہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ ظاہر و باطن، روح اور روح کے لباس جسم کے لئے جب اللہ تعالیٰ مرکز بن جاتے ہیں تو اندر کی آنکھ چشم بینا بن جاتی ہے اور حاجی اور زائرین دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگ جہاں سے زیادہ قریب ہے۔

صوفیاء کا حج

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے مرشد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب کی ہر کابلی میں دو مرتبہ حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے ہمیشہ حضرت کا معمول دیکھا کہ ہندوستان کے لوگ جب کوئی ہڈی پیش کرتے تو اول تو حضرت بڑے اصرار سے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے تھے کہ یہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ مخصوص لوگوں کا پتہ بھی بتا دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے، یہاں بازار میں سے چیزیں خریدا کرو۔ تاکہ یہاں کے لوگوں کی خدمت ہو جائے۔

مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ کو بہت کم شعر پڑھتے سنا ہے۔ مگر جب مسجد الحرام میں حاضر ہوتے تھے تو وہ الہاندا انداز میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

کہاں ہم اور کہاں یہ بکبت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ایک بدو نے خواب میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیز قدموں سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ بدو نے ان سے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خلیل احمد ہندی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ میں جا رہا ہوں۔"

یہ بدو مدینہ منورہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ اور اس نے وہاں موجود لوگوں کو اپنا خواب سنایا۔

شیخ اکبر ابن عربی:

شیخ اکبر کہتے ہیں کہ "میں جمعہ کی نماز کے بعد طواف کر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص طواف کر رہا ہے لیکن وہ کسی سے ٹکراتا نہیں ہے۔ میں نے سمجھ لیا یہ روح ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے آپس میں چند باتیں کیں۔ یہ شخص شیخ احمد سیوطی کی روح تھی۔

حضرت بایزید:

حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ حج کے وقت گھر دیکھا۔ دوسری مرتبہ گھر کو بھی دیکھا اور گھر والے کو بھی دیکھا۔ تیسری مرتبہ جب حج کے لیے گیا تو گھر کو نہیں دیکھا صرف گھر والے کو دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک:

حضرت عبداللہ بن مبارک کا معمول تھا کہ وہ ایک سال حج کیا کرتے تھے اور ایک سال جہاد کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ میں پانچ سو اشرفیاں لے کر حج کے ارادے سے چلا اور کوفہ میں جہاں اونٹ فروخت ہوتے ہیں پہنچا تا کہ اونٹ خرید لوں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ کوڑے پر ایک بیل مری پڑی ہے اور ایک عورت اس کے پر ٹوچ رہی ہے۔ میں اس عورت کے پاس گیا اور اسے سے پوچھا کیا کر رہی ہو؟ اس نے جواب دیا۔ جس کام سے تمہیں واسطہ نہیں اسکی تحقیق کیوں کرتے ہو؟ میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا میں ایک بیوہ عورت ہوں میرے چار بچے ہیں آج چوتھا دن ہے ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ ایسی حالت میں مردار حلال ہے۔ یہ بات سنا کر مجھے شرم آگئی۔ میں نے پانچ سو اشرفیاں اسکی گود میں ڈال دیں اور حج کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

نعمات اللہ

جب لوگ حج کر کے آئے تو حاجیوں نے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کو سنا میں تھا کہ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں۔ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عبد اللہ تعجب نہ کرو تو نے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تیری طرف سے ایک فرشتہ مقرر کر دے جو تیری طرف سے حج کرے۔

شیخ حضرت یعقوب بصری:

شیخ حضرت یعقوب بصری فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں کئی دن تک بھوکا رہا اور کم پینا رہا۔ جب ضعف زیادہ ہو گیا تو میں باہر نکلا ایک سزاوار شائعہ میں نے اٹھالیا۔ خیال آیا کہ کلاں تک بھوکا رہا اور سزاوار شائعہ ملا۔ میں نے پیٹنگ دیا اور مسجد الحرام میں آکر بیٹھ گیا۔

اسنے میں ایک شخص آیا اس نے بتایا کہ ہم دس دن تک سمندر میں موت و نوبت میں مبتلا رہے ہیں۔ ہماری کشتی ڈوبنے لگی تھی۔ تو ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ منت مانی۔ میں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر میں زندہ سلامت پہنچ جاؤں تو یہ قبلی اس شخص کو دوں گا مسجد الحرام میں جس شخص پر میری پہلی نظر پڑی۔ میں نے قبلی لیکر کھولی تو اس میں سفید مصری۔ خشک روٹی۔ چھلے ہوئے بادام اور شکر پارے تھے۔ اس نے ہم ایک۔ میں سے ایک ایک مٹھی لے لی باقی اس شخص کو واپس کر دی۔

حضرت ابوالحسن سراج:

حضرت ابوالحسن سراج کہتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا کہ میری نظر ایک حسین عورت پر پڑی۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح تھا۔ میں نے ۔۔۔ اللہ ایسی حسین عورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ معلوم ہوا ہے اس کو کوئی غم نہیں ہے۔ اس نے میری بات سن کر کہا: واللہ انہوں میں جکڑی ہوئی ہوں۔ میرا دل گمراہوں اور آفتوں میں ہے۔ کوئی میرا ہمدرد نہیں ہے۔

میرے خاندان نے قربانی میں ایک بکری ذبح کی۔ میرے دو بچے کھیل رہے تھے اور ایک بچہ بچہ میری گود میں تھا۔ میں گوشت پکانے کے لیے آگ لگا دی تو ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے

دوسرے سے کہا میں تمہیں بتاؤں کہ ابانے بکری کیسے ذبح کی تھی؟ اس نے دوسرے بھائی کو بکری کی طرح ذبح کر دیا پھر ڈر کر بھاگ گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں ایک بھینزے نے اسے کھالیا۔

باپ اسکی تلاش میں نکلا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے پیاس کی شدت سے مر گیا۔ میں دودھ پیتے بچے کو چھوڑ کر دروازے تک گئی کہ شاید خاوند کا کچھ پتہ مل جائے۔ تو وہ بچہ چوہے کے پاس چلا گیا۔ چوہے پر ہانڈی پک رہی تھی۔ بچے نے ہانڈی پر ہاتھ مارا۔ اے کا پورا جسم جل گیا۔ میری بڑی لڑکی جو خاوند کے گھر تھی اسکو جب اس سارے قصے کی خبر ملی تو وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئی اور مر گئی۔ مقدور نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔

میں نے پوچھا اتنی زیادہ مصیبتوں کے بعد تجھے صبر کیسے آیا؟ اس خوبصورت خاتون نے تمہیں شعر پڑھے۔

میں نے صبر کیا کیونکہ صبر بہترین امتداد ہے اس لیے بے صبری سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایسی مصیبتوں پر صبر کیا کہ اگر وہ پہاڑوں پر گریں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو پی لیا اور میری آنکھیں خشک ہو گئیں اب آنسو میرے دل پر گرتے ہیں۔ صبر کے ان آنسوؤں نے میرے دل کو جلا کر دیا ہے اور اب اللہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے خوف اور غم سے آزاد کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن صالحؒ:

حضرت عبداللہ بن صالحؒ لوگوں سے بھاگ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہتے تھے مگر مکہ مکرمہ میں کافی عرصہ تک قیام کیا۔ سبیل بن عبداللہ نے پوچھا اس شہر میں آپ نے کافی عرصے قیام کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا جس میں اس شہر سے زیادہ برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہوں۔ اس شہر میں صبح و شام فرشتے اترتے ہیں۔

فرشتے مختلف صورتوں میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں میں نے عرض کیا: تمہیں خدا کی قسم کچھ دیکھے ہوئے عجائبات اور سناؤ۔ فرمایا: کوئی ولی کامل ایسا نہیں ہے جو ہر جمعہ کی شب یہاں نہ آتا ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ:

”حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تنہا حج کے لیے گیا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کرتے اور ان میرا معمول تھا کہ جب رات زیادہ ہو جاتی تو طواف کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان لڑکی کو لکھا۔ اے طواف کر رہی تھی اور اشعار پڑھ رہی تھی۔

”میں نے عشق کو بہت چھپایا مگر وہ نہیں چھپ سکا۔ اب تو کھلم کھلا میرے پاس ابرو ڈال دیا ہے۔ یہ شوقی بڑھتا ہے تو اس کے ذکر سے دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اور اگر میں اپنے محبوب سے کچھ دور ہوتا ہوں تو وہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے۔ اور وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں اور اگر اسی کے لیے زندہ ہو جاتی ہوں۔ اور وہ مجھے کامیاب کرتا ہے حتیٰ کہ میں مست اے خود ہو جاتی ہوں۔“

میں نے اس سے کہا تو ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے۔ وہ لڑکی میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی چلی اس کے عشق میں بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے مجھے حیران اور پریشان کر رکھا ہے۔ اللہ بعد لڑکی نے پوچھا چلیا تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا۔ میں نے جواب دیا میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں۔

اس لڑکی طرف سے کہیں نے کہا جاننا آپ کی گئی کیا امن ہے پھر کی بات ہے شہر مملوک ہے اور وہاں کوئی رہتا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ اگر وہاں اپنے عشق کی محبت میں ہے تو وہ تو میں ہی رہتا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا طواف کرتے ہیں۔

حضرت ابو نعیم الدین غسانیؒ:

ابو نعیم الدین غسانیؒ فرماتے ہیں کہ حالیؒ تم کے ساتھ خانقاہ کا طواف کرتے ہیں لیکن مولیٰ (مارل) اب طواف کرتا ہے تو اس کا دل اور اس کی طواف کرتی ہے۔

فرمایا ایک مدت تک میں خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتا رہا اور اب خانہ کعبہ کی تجلیات سے بہرہ مند ہوتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خواصؑ:

حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیاس سے اس قدر بے چین ہوا کہ چلنے چلنے پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کسی نے میرے منہ پر پانی ڈالا۔ میں نے آنکھیں کھولی تو دیکھا ایک نہایت خوبصورت آدمی گھوڑے پر سوار ہے۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔

گھوڑی دیر چلے تھے اس نے مجھ سے پوچھا یہ کون سی آبادی ہے؟ میں نے کہا یہ مدینہ منورہ آگیا۔ کہنے لگا، اتر جاؤ اور روضہ اقدس پر حاضر ہو تو یہ عرض کر دینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی حضرت سلیمانؑ کہا ہے۔

حضرت شیخ ابوالخیر قطعؒ:

شیخ ابوالخیر قطعؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ کوئی چیز چمکنے کی بھی نہ آئی۔ قبر اطہر پر حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کر کے منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ، بائیں جانب حضرت عمر فاروقؓ ہیں اور حضرت علیؓ سامنے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا دیکھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

حضرت احمد رضا خان بریلویؒ:

احمد رضا خان بریلویؒ دوران حج مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اس وقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش مجھے بیداری میں محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔

مولود شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود پڑھتے رہے لیکن مراد برنہ آئی تو ایک غزل لکھی اس کا مطلع یہ ہے:

دو سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اس بہار پھرتے ہیں
یہ غزل مولود شریف میں پڑھ کر آنکھیں بند کر کے با اوب انتظار میں کھڑے ہو گئے قسمت ہانک اٹھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

سلاسل کی دینی جدوجہد اور نظام تربیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ قہطل واقع ہوتا ہے“

اپنی مصیبت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اچھائی، برائی کا تصور قائم کرنے اور نیکی اور بدی میں امتیاز کرنے کے لئے پیغمبروں کے ذریعے احکامات صادر فرمائے۔ سب پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پوری نگرانی کو انسانی کو بتایا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہی نجات کا راستہ ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفریقہ میں تھے اور دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ کی سنت جاری رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ اولیاء اللہ کی جماعت نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احکامات اور احکامات کا تسلسل قائم رہے۔ ہر زمانے میں اولیاء اللہ خواتین و حضرات نے اس فرض کو پورا کیا اور کمال سے تک یہ سلسلہ قائم رہے گا۔

اللہ پاکستان - برما، ملائیشیا، اندونیشیا، افریقہ، ایران، عراق، عرب، چین اور ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کی، اللہ کی مخلوق کی خدمت کی، زمانے کے تقاضوں کے مطابق توحید کی دعوت دی۔ تاریخ کے اوراق کوادیں، اگر شیخ محمد الدین عبدالقادر جیلانی، خواجہ حسن بھڑائی، حضرت داتا گنج بخش، شیخ الدین چشتی، امیر سیر، حضرت بہاؤ الدین زکریا، بہاؤ الحق نقشبند، اعلیٰ شہباز قلندر، شاہ ابوالفضل بھٹائی، قلندر بابا اولیاء اور دوسرے مقتدر اہل باطن صوفیاء، اسلام کی آبیاری نہ کرتے تو آج یہاں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہ ہوتے۔ صوفیاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و امامت کا حق پورا کرنے کے لئے اپنا حق دین و حسن سب قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو قبول کیا اور ان کو عطا فرمایا اور انہیں کامران و کامیاب کیا۔

صوفیاء کرام یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ بندہ اگر کچھ کرنا ہے تو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات و احکامات کے تحت کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”میرا بندہ قرب نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہو جاتا ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے، مجھ سے ملتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے“
یعنی ایسے بندے کے افعال و اعمال اللہ کے تابع ہو جاتے ہیں۔
دوسو سلاسل:

دنیا میں تقریباً دو سو سلاسل ہیں، جو شریعت و طریقت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے عرفان ذات، تسخیر کائنات کے فارمولوں، اور تفسیرانہ طرز فکر کی تعلیم دیتے ہیں۔

ان سلسلوں کی قائم کردہ روحانی درجہ گاہوں میں سالک کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اللہ کو محیط دیکھ لے سالک اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کے پسندیدہ کام ڈار کر اور خوفزدہ ہو کر نہیں بلکہ اللہ کی محبت میں اس لئے کرتا ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔ اللہ کے پسندیدہ اعمال سے اس لئے اجتناب کرتا ہے کہ اللہ میرا کفیل ہے، میرا محافظ ہے اور میرا خالق ہے۔

قیام صلوٰۃ، عبادات اور مراقبوں کے ذریعہ اللہ کو اپنے اندر ڈھونڈتا ہے۔ سالک کی زندگی کا مقصد اللہ کا دیدار اور اللہ سے ہمکناری ہے۔ سلسلہ کے اسباق پر مدامت کر کے اور مرشد کریم کی نسبت و محبت سے یہ عمل اس کا یقین بن جاتا ہے کہ میں اللہ کے پاس سے آیا ہوں اور مجھے اللہ کے پاس جانا ہے۔ خدمت خلق اور غنودہ گزر اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔

برصغیر میں جو سلاسل مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی سلسلے ہیں جو ساری دنیا میں رشد و ہدایت اور مادی علوم کی تعلیم دیتے ہیں مثلاً:

☆ سلسلہ قادریہ ☆ سلسلہ جنیدیہ ☆ سلسلہ کبرویہ
☆ سلسلہ قادریہ ☆ سلسلہ چشتیہ ☆ سلسلہ شطاریہ

☆ سلسلہ سہروردیہ ☆ سلسلہ نقشبندیہ ☆ سلسلہ عظیمیہ
سلاسل کی معلوم تعداد دو سو بتائی جاتی ہے۔

سلسلہ قادریہ:

امام سلسلہ قادریہ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی کو حضرت علی مرتضیٰ اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست فیض ملا۔ ۴۷۰ ہجری کو قصبہ گیلان میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی عبدالقادر اور محی الدین لقب ہے۔

سلسلہ قادریہ آپ کے نام عبدالقادر سے منسوب ہے۔ آپ کا شجرہ نسب سیدنا امام حسین بن ابی الموشین علی ابن ابی طالب سے ملتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا روحانی شجرہ شیخ حماد الیاس اور ابوسعید السہارک سے حضرت حسن اہرنی، حضرت علی اور رحمت العالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

ریاضت و عبادت اور مشکل و دشمنی مراصل سے گزرنے کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ شیخ ابو سعید مہارک صبح کے وقت ایک کوٹھے میں بند کر دیئے تھے اور اگلے روز عصر کے وقت کمرہ سے باہر نکالتے تھے۔ کچھ عرصہ تک حضرت عبدالقادر جیلانی کمرہ سے آنے کے بعد احتجاج کرتے فہرہ کرتے اور کہتے تھے کہ اس قید کیا ہوا ہے۔ لیکن جب مرشد فرماتے عبدالقادر کمرہ میں چلو باہر رہنے کا وقت پورا ہو گیا ہے تو، ماسولی کے ساتھ کوٹھے میں چلے جاتے تھے۔ حراحت نہیں کرتے تھے۔ یہ ریاضت مسلسل تین سال تک جاری رہی۔

اسی طرح کے واقعات حضرت ابوبکر شبلی اور امام فرائی کی ریاضت و عبادات کے ہیں۔

ابوبکر شبلی:

صوفیاء کے سرخیل حضرت جنید بغدادی سے جب بغداد کے گورنر ابوبکر شبلی نے اہل تصوف کے گروہ میں داخل ہونے کی درخواست کی تو حضرت جنید نے فرمایا کیا آپ تصوف کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ ابوبکر شبلی نے کہا میں اس کے لیے تیار ہوں۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کیونکہ تم بغداد کے

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج تک اُن کی کوئی درخواست یا شکوہ نہیں فرمائی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے صاحبِ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مزاج شناس ہیں کہ وہ ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں جو حضور کی طبیعت اور مزاج مبارک کے خلاف ہو۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دیکھ کر کی تمام کرامات کو مختصر سے وقت میں سمیٹ لینا ممکن نہیں ہے۔

تین کرامات مانتی توجیہ کے ساتھ دینیہ کارنیں ہیں۔

* جنس کی تبدیلی:

ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا شیخ! میں فرزندِ ارجمند کا خواستگار ہوں۔"

شیخ نے فرمایا:

"میں نے دعا کی ہے اللہ تمہیں فرزندِ عطا کرے گا۔" اس کے ہاں لاکے کے بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ لڑکی کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

شیخ نے فرمایا:

"اس کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے جا اور دیکھ پردہِ فیض سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔"

گھر جا کر دیکھا تو لڑکی لڑکا بن گیا تھا۔ اس کرامت کی علمی توجیہ یہ ہے۔

عورت اور مرد کی تخلیق:

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اور ہم نے تخلیق کیا ہر چیز کو جوڑے دوہرے۔"

EQUATION یہ ہے کہ ہر فرد دو پرت سے مرکب ہے۔ ایک پرت ظاہر اور غالب رہتا

ہے اور دوسرا پرت مغلوب اور چھپا ہوا رہتا ہے۔ عورت بھی دو رخ سے مرکب ہے اور مرد بھی دو رخ سے

مرکب ہے۔ عورت میں ظاہر رخ وہ ہے جو منف لایف کے خدو خال میں نظر آتا ہے اور باطن رخ وہ

ہے جو ظاہر آنکھوں سے مخفی ہے۔ اسی طرح مرد کا ظاہر رخ وہ ہے جو مرد کے خدو خال میں نظر آتا ہے اور باطن رخ وہ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس کی تشریح یہ ہوئی کہ مرد بحیثیت مرد کے جو نظر آتا ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے عورت بحیثیت عورت کے جو نظر آتی ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے۔ Equation یہ بنی کہ مرد کے ظاہر رخ کا متضاد باطن رخ عورت، مرد کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور عورت کے ظاہر رخ کے ساتھ اُس کا متضاد باطن رخ مرد چپکا ہوا ہے۔

جنسی تبدیلی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ باطن رخ میں اس طرح تبدیلی واقع ہو جاتی ہے کہ مرد کے اندر اس کا باطن رخ عورت غالب ہو جاتا ہے اور ظاہر رخ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نتیجہ میں کوئی مرد عورت بن جاتی ہے اور کوئی عورت مرد بن جاتی ہے۔

صاحبِ بصیرت اور صاحبِ تصرف بزرگ چونکہ اس قانون کو جانتے ہیں اس لیے تخلیقی لارمے میں رو و بدل کر سکتے ہیں۔ وزیرِ حضورؐ جیلانیؒ دیکھ کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کائنات میں ہادی و ساری تخلیقی قوانین کا علم حاصل ہے انہوں نے تصرف کر کے لڑکی کے اندر باطن رخ مرد کو غالب کر دیا اور وہ لڑکی سے لڑکا بن گیا۔

حیسانی اور مسلمان:

ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک محلّہ سے گزرے وہاں ایک حیسانی اور ایک مسلمان دستِ دگر بیان تھے۔ پوچھا:

"کہا لڑا ہے ہو؟"

مسلمان نے کہا:

"نہ کھاتا ہے کہ حضرتؐ صلی اللہ علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اللہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حیسانی سے دریافت کیا:

"تم کس دلیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دیتے ہو؟"

عیسائی نے کہا:

”حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔“

بڑے بزرگ صاحب نے فرمایا:

”میں نبی نہیں ہوں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اگر میں مردہ زندہ کروں تو تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے۔“

عیسائی نے کہا:

”بے شک میں مسلمان ہو جاؤں گا۔“

اس کے بعد حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا..... مجھے کوئی پرانی قبر دکھاؤ۔

عیسائی، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو پرانے قبرستان میں لے گیا اور ایک پرانی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”اس قبر کے مردہ کو زندہ کرو۔“

حضرت نوٹ پاکؒ نے فرمایا:

”قبر میں موجود یہ شخص دنیا میں موسیقار تھا۔ اگر تم چاہو تو یہ قبر میں سے گاتا ہوا باہر نکلے گا۔“

عیسائی نے کہا:

”ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔“

حضرت شیخؒ قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”قم ہاذن اللہ“

قبر پر گئی اور مردہ گاتا ہوا قبر سے باہر آ گیا اور عیسائی حضرت شیخؒ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

علمی توجیہ:

اس کرامت کی علمی توجیہ یہ ہے ہم جسے آدمی کہتے ہیں وہ گوشت پوست کے پتھر سے بنا ہوا پتلا ہے اس پتلے کی حیثیت اسی وقت تک برقرار ہے جب تک کہ پتلے کے اندر روح ہے۔ روح نکل

جائے تو ہم اس کو زندہ آدمی نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔“

روح اللہ کا امر ہے۔

سورۃ یسین میں اللہ تعالیٰ نے امر رب کی تعریف یہ فرمائی ہے:

”اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے“ اس کی

Equation یہ مٹی..... آدمی پتلا ہے، پتلا غلاء ہے..... غلاء میں روح ہے، روح امر رب ہے اور امر رب

ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ”ہو جا“ اور وہ چیز مظہر بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کو روح اور تخلیقی قارمولوں کا علم عطا کیا ہے۔ حضرت شیخؒ نے اسرار و

رموز الہیہ کے اس قارمولے کے مطابق جب فرمایا:

قم ہاذن اللہ۔ تو مردہ قبر سے باہر نکل آیا۔

لوح محفوظ پر تبدیلی:

ایک ولی سے ولایت چمن گئی جس کی وجہ سے لوگ اسے مردہ کہنے لگے۔ بے شمار اولیاء اللہ

نے اس کا نام لوح محفوظ پر اشتیاء کی فہرست میں لکھا ہوا دیکھا۔ وہ بندہ نہایت سراسیمگی اور مایوسی کے عالم

میں تھا اس پر دھجیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور رورور کر اپنی کیفیت بیان کی۔ حضرت نوٹ پاکؒ نے اس

کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی ”اسے میں نے تمہارے سپرد کیا، جو چاہے کرو۔ آپؒ نے

اسے مردہ ہونے کا حکم دیا اور اس کا نام بد بختوں کی فہرست سے وحل کیا۔

اس کرامت کی توجیہ یہ ہے:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وراثتِ علوم اور اختیارات

نقل ہوئے ہیں یہ علوم اور اختیارات ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتے ہیں جن کے

بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں اپنے بندے کو دوست رکھتا ہوں اور میں اُس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ذریعے سنتا ہے، میرے ذریعے بولتا ہے اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتا ہے۔"

شیخ عبدالقادر جیلانی عظیم لدنی کے حامل بندے ہیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اس کا نام اشتیاء کی قبرست سے نکل کر سعید روحوں میں درج ہو گیا۔

ماہ ربیع الثانی ۷۶۱ھ کے شروع میں شیخ عبدالقادر جیلانی تخت طویل ہو گئے اور ربیع الثانی کو نوے سال سات ماہ کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے دوران علالت مساجد اور کو فصیح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھنا، بھلائی اور عبادت کو شعار بنانا، توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا۔

سلسلہ چشتیہ:

سلسلہ چشتیہ میں کلہ شہادت پڑھتے وقت "اللہ" پر زور دیا جاتا ہے بلکہ سلسلہ کے اراکین اللہ کے الفاظ کو ادا کرتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصے کو ہلاتے ہیں ان حضرات پر سماع کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے سلسلہ چشتیہ کے امام حضرت مشاودینوری ہیں۔ اور ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری خولجہ غریب نواز کے ذریعے خوب پھیلا اور مقبول ہوا۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیری:

حضرت معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز کی ولادت بصرہ صوبہ سیستان ایران میں ہوئی تاریخ ولادت ۱۱۳۱ھ ہے سلجوقیہ خاندان کے حکمران سلطان بخر نے گیارہویں صدی ہجری میں اس شہر کو آباد کیا تھا۔ خولجہ غریب نواز کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید غیاث الدین اور والدہ کا نام ماہ نور تھا۔

حضرت خولجہ غریب نواز کی عمر تیرہ برس کی تھی تو حسن بن مبارک کے فدائیوں نے بصرہ پر حملہ کر کے اسے تاراج کر دیا۔ نامور علماء اور مشائخ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا خولجہ غریب نواز کے والد خاندان کے افراد کے ساتھ خراسان میں نیشاپور منتقل ہو گئے سفر کی سختی اور مصائب و آلام نے سید غیاث الدین کی صحت پر برا اثر ڈالا۔

حالات اور صحت کی خرابی کی وجہ سے دو سال میں ان کا انتقال ہو گیا اور ایک سال کے بعد والدہ ماجدہ ماہ نور بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ خولجہ غریب نواز ان لگاتار حوادث اور مصائب کی وجہ سے ادا اللہ خاموش رہنے لگے۔

ایک روز ایک درویش ابراہیم قندوزی تشریف لائے خولجہ معین الدین چشتی نے انہیں اپنے گھر میں اٹھایا درویش بہت خوش ہوئے انہوں نے اپنے تھیلے میں سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس سے کھا کھا کر صاحب کو دے دیا۔ آپ نے بلا تکلف کھلی کا ٹکڑا کھا لیا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ نے سر قند کے عالم دین مولانا حسام الدین بخاری کی شاگردی اختیار کی اور دو سال تک ان سے تفسیر، حدیث فقہ کے علوم پڑھے۔ ۲۰ سال کی عمر میں ریاضی، فلکیات اور علم الفہم میں مہارت حاصل کی۔

حضرت خولجہ مشاودینوری:

حضرت خولجہ مشاودینوری نے اپنے شاگرد حضرت ابواسحاق کو وسط ایشیائی ریاستوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا ان ریاستوں میں آتش پرست بہت بڑی تعداد میں رہتے تھے۔

امام سلسلہ حضرت مشاودینوری نے رخصت کے وقت سلسلہ کی اجازت و خلافت عطا کی اور اس سلسلہ کا نام چشتیہ رکھا لفظ چشتی نے آتش پرستوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا اور تبلیغ اسلام کے لئے حضرت مشاودینوری کی حکمت سے بہت فائدہ ہوا چشتیہ بزرگوں کی جدوجہد سے بے شمار آتش پرست مسلمان ہو گئے چونکہ چشتی کے لفظ سے آتش پرست بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کو اپنے لئے انجمنی محسوس نہیں کیا۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے خدمت، اخلاق اور سخاوت کے ذریعہ لوگوں کو اپنے قریب کر لیا اور ان کو اسلام کی روشنی پھیلانی۔ حضرت خولجہ معین الدین چشتی جب سلسلہ چشتیہ کے بزرگ خولجہ عثمان بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس تھی، خولجہ عثمان بخاری نے بیعت کرنے کے بعد آپ کو خانقاہ میں پانی بھرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے کم و بیش ۳۴ سال خولجہ صاحب یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ جب خولجہ معین الدین کی عمر ۳۰ سال ہوئی تو ایک روز حضرت خولجہ عثمان بارونی نے آپ کو بلایا اور پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟"

خولجہ صاحب نے عرض کی حضور اس خادم کا نام معین الدین ہے۔

معین الدین چشتی اپنی تصنیف "انیس الارواح" میں تحریر کرتے ہیں:

"مرشد کریم نے ارشاد فرمایا۔ دو رکعت نماز ادا کرو۔ میں نے ادا کی۔ پھر فرمایا قبلہ رو بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ حکم دیا! سورۃ بقرہ پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ فرمان ہوا کہ اکیس مرتبہ درود شریف پڑھ۔ میں نے پڑھا۔ پھر مرشد کریم کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی جانب منہ کر کے فرمایا آج تجھے خدا سے ملا دوں۔ پھر فرمایا آسمان کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ پوچھا کہاں تک دیکھتا ہے۔ عرض کیا عرش اعظم تک۔ فرمایا زمین کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہاں تک دیکھتا ہے۔ عرض کیا تحت العرشی تک۔ پھر فرمایا سورۃ اخلاص پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ فرمایا آسمان کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ پوچھا اب کہاں تک دیکھتا ہے۔

عرض کیا، عجب عظمت تک۔ فرمایا آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لیں۔ فرمایا کہول۔ میں نے کہول دیں پھر مجھے اپنی دو انگلیاں دکھا کر پوچھا کیا دیکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اٹھارہ ہزار عالمین نظر آ رہے ہیں۔ پھر سامنے پڑی ہوئی اینٹ اٹھانے کا حکم دیا۔ میں نے اینٹ اٹھائی تو مٹی بھر دیا۔ برآمد ہوئے۔ فرمایا یہ فقراء میں تقسیم کر دے۔ میں نے دینار تقسیم کر دیئے۔

خولجہ غریب نواز فرماتے ہیں:

رخصت کرتے وقت مرشد کریم نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھے خدا کے سپرد کیا۔ اور عالم تحریر میں مشغول ہو گئے۔

سلسلہ چشتیہ کی خدمات:

حضرت خولجہ غریب نواز نے اپنے مرشد کریم سے رخصت ہونے کے بعد مختلف شہروں اور ملکوں سے ہوتے ہوئے حرم شریف کا سفر اختیار کیا راستہ میں اصفہان شہر میں خولجہ بختیار کاکی سے ملاقات دہلی السہوں نے بیعت کی درخواست کی۔

جو خولجہ غریب نواز نے قبول فرمائی۔ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے اور حج کیا پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے مسجد نبوی میں آپ مسلسل مراقبہ اور مشاہدہ میں مشغول رہے ایک روز آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے معین الدین تو میرے دین کا معین ہے میں نے ولایت ہندوستان تجھے عطا کی وہاں کفر و فساد پھیل چکا ہے تو اجمیر چلا جاتیرے وجود سے عظمت کفر و رہوگی اور اسلام رونق افروز ہوگا۔"

دو بار رسالت کی اس بشارت سے خولجہ غریب نواز پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اجمیر کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے تھے کہ اجمیر کس ملک میں ہے؟ میں وہاں کیسے پہنچوں؟ سفر کے لئے کون سی بات احتیاج کروں اس کی سوچ میں آگاہ گئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجمیر کے بارے میں اطلاع دی۔

اجمیر کے ارد گرد قلعہ کوہستان بھی دکھائے اسی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواجہ معین الدین کو جنت کا ایک رات عطا فرمایا اور آپ کو سفر کے لئے رخصت کر دیا۔

پورا آپ نے طریقی لاری قراچہ کر دی۔ ۱۱۸۹ھ میں آپ مدینہ منورہ سے بغداد پہنچے کچھ عرصہ قیام کر کے اٹلانٹک کے ساحل پر پہنچے ۱۱۹۰ھ میں حضرت سید علی ہمدانی کے حجاز پر چالیس روز مراقبہ میں مشغول رہے۔

راگ اور سر:

لاہور سے ملتان تشریف لائے خواجہ صاحب نے ملتان میں تقریباً پانچ سال قیام فرمایا۔ ملتان میں شکر ت اور دیگر مقامی زبانیں سیکھیں ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا، وہاں کی ثقافت کا جائزہ لیا، مذہب اور عقائد کو گہری نظر سے دیکھا ہندوؤں میں موسیقی کی مذہبی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپ نے راگ اور سر کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ساز بجانا سیکھا پھر اجیر کی طرف روانہ ہو گئے اس وقت اجیر کا فرماں رواں پر تھوی راج تھا۔

خواجہ غریب نواز اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہرے بھرے علاقے میں ٹھہر گئے لیکن مقامی حکام نے آپ کو اس جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی انہوں نے کہا یہ جگہ راجہ کے اونٹوں کے لیے مخصوص ہے۔ خواجہ غریب نواز نے فرمایا "اچھا اونٹ بیٹھے ہیں تو بیٹھیں" اس کے بعد آپ نے اتنا مارگر کے کنارے ایک جگہ کو منتخب فرمایا۔

شام کے وقت اونٹ آکر میدان میں بیٹھ گئے لیکن اگلے دن صبح اونٹ بیٹھے ہی رہے بہت کوشش کر کے انہیں اٹھایا گیا لیکن وہ نہیں اٹھے۔ واردہ نے اس واقعہ کی اطلاع اپنے افسران کو پہنچائی ان لوگوں نے بھی کوشش کی لیکن اونٹ نہیں اٹھے بالآخر یہ معاملہ پر تھوی راج تک پہنچ گیا۔ اسے بھی حیرت ہوئی جب اسے پتہ چلا کہ کوئی مسلمان سادھو یہاں آئے تھے اور انہوں نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا تھا تو راجہ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جا کر اس سادھو فقیر سے معافی مانگو سپاہی حضرت خواجہ غریب نواز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے خواجہ غریب نواز مسکرائے اور ازراہ شفقت گردن کے اشارے سے معاف کر دیا۔ سپاہی اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ اونٹ کھڑے تھے۔ مندر کے پنڈت یہ کرامت دیکھ کر خواجہ غریب نواز کے گرویدہ ہو گئے۔ ان پنڈتوں اور سادھوؤں میں سے جو افراد تلاش حق کا جذبہ رکھتے تھے ان میں سے شادی دیوا اور ایسے پال نے اسلام قبول کر لیا۔

لفظ اجیر... آجا۔ میر سے بنا ہے۔ آجا سورج کو اور میر پیاؤ کو کہتے ہیں۔

اندر کی آنکھ:

"ایک سادھو خواجہ غریب نواز کی خدمت میں حاضر ہوا سادھو گمان دھیان سے اس کام پہ مگن کیا تھا جہاں نظر آئینہ ہو جاتی ہے مقابل آدمی ایسا نظر آتا ہے۔ جیسے ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصویر نظر آتی ہے۔"

سادھو نے مراقبہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کا سارا جسم نور ہے لیکن دل میں ایک سیاہ دھبہ ہے سادھو نے جب خواجہ صاحب سے مراقبہ کی کیفیت بیان کی تو خواجہ غریب نواز نے فرمایا "تو جگہ گناہ ہے۔"

سادھو یہ سن کر حیرت کے دریا میں ڈوب گیا اور کہا چاند کی طرح روشن آتما پر یہ دھبہ اچھا نہیں لگا آتما میری فطرت سے یہ دھبہ دور ہو سکتا ہے؟ خواجہ غریب نواز نے فرمایا "ہاں" تو چاہے تو یہ سیاہی دھل سکتی ہے۔ سادھو نے بھی آنکھوں اور کپکپاتے ہونٹوں سے عرض کیا۔ "میری زندگی آپ کی نذر ہے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا:

اگر تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو یہ دھبہ ختم ہو جائیگا سادھو کی کچھ بھی یہ بات نہیں آئی لیکن چونکہ وہ اپنے اندر سے مٹی کی کثافت دھو چکا تھا اس لئے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "آتما کی آنکھ سے اللہ دکھائی دے گا۔" سادھو نے دیکھا تو روشن دل سیاہ دھبے سے پاک تھا۔

سادھو نے خواجہ غریب نواز کے آگے ہاتھ جوڑ کر بھتی کی۔ مہاراج "اس انہونی بات پر سے پردہ اٹھائیے۔" خواجہ اجیر جی نے فرمایا "وہ روشن آدمی جس کے دل پر تو نے سیاہ دھبہ دیکھا تھا تو خود تھا لیکن اتنی فطرت کے بعد بھی تجھے روحانی علم حاصل نہیں ہوا" وہ علم یہ ہے کہ آدمی کا دل آئینہ ہے اور ہر

دوسرے آدمی کے آئینے میں اسے اپنا عکس نظر آتا ہے تو نے جب اپنی روشن آنکھیں اٹھ کر دیکھی تو تجھے اپنا عکس نظر آیا۔ تیرا ایمان حضرت محمد رسول اللہ کی رسالت پر نہیں تھا اس لیے تیرے دل پر سیاہ دھبہ تھا اور جب تو نے کلمہ پڑھ لیا تو تجھے میرے آئینے میں اپنا عکس روشن نظر آیا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشیخ چشت کی خانقاہیں اسلامی جدوجہد کا مرکز بنی رہیں۔ یہ خانقاہیں تقویٰ، دین، خدمتِ خلق، توکل اور روحانی علوم حاصل کرنے کی یونیورسٹیاں تھیں۔ ان خانقاہوں میں طالب علم کو ایسی فضاء اور ایسا ماحول میسر آ جاتا تھا کہ وہاں تزکیہ باطن اور تہذیب نفس کیلئے خود بخود انسانی ذہن متوجہ ہو جاتا تھا۔

حصولِ علم کا مرکز حضرت بابا فرید گنج شکر تھے۔ لیکن اس تعلیم کو حسن و خوبی اور منظم جدوجہد کے تحت حضرت بابا نظام الدین اولیاء نے معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ پچاس سال تک یہ خانقاہیں ارشاد و تلقین کا مرکز بنی رہیں۔ نیک، نیک سے لوگ پروانہ وار آتے تھے۔ اور ان کی خدمت میں حاضر باش رہ کر عشقِ الہی اور دینِ اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا جذبہ پیکرِ رخصت ہوتے تھے۔ ان خانقاہوں کا دروازہ امیرِ غریب و شہری دیہاتی، بوڑھے جوان اور بچوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے بیعت کو عام کر دیا تھا۔ جب متلاشیانِ حق ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے تو ان کو فرقہ پہناتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے عظیم الشان خلیفہ برہان الدین کو چار سو ساتھیوں کے ساتھ تعلیم کے لئے دکن روانہ کیا۔ خلیفہ برہان الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دکن کو اسلامی دینی اور روحانی علوم سے فیضیاب کیا۔

سلسلہ سہروردیہ:

سلسلہ سہروردیہ شیخ عبدالقادر سہروردی سے منسوب ہے۔ اس سلسلے کے خاندان حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی ہیں۔ سلسلہ میں تین سال کے مجاہدات کے بعد

• بیات مولانا

مرشد، لیکن ہے کہ قلب کے اندر کتنی سکت پیدا ہوئی اور تزکیہ نفس میں کیا مقام حاصل ہوا ہے۔ تزکیہ نفس اور عبادتِ مصلیٰ اور بھٹی ہونے کے بعد فیضِ منتقل کیا جاتا ہے۔ سلسلہ سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ صواب کا ورد کرایا جاتا ہے اور ذکرِ جلی اور خفی دونوں کرائے جاتے ہیں۔

بہاؤ الدین زکریا ملتانی:

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قریبی تھے۔ ان کے جد امجد کمال الدین علی شاہ تھے۔ کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے۔ اور مکہ معظمہ سے رخصت ہو کر ملتان میں سکونت اختیار کی۔ کمال الدین علی شاہ کے بیٹے کا نام وجیہ الدین محمد تھا۔ وجیہ الدین محمد کی شادی مولانا حسام الدین زکریا کی بیٹی سے ہوئی۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا مولانا وجیہ الدین کے بیٹے ہیں۔

بہاؤ الدین زکریا ۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ سے مدینہ منورہ چلے گئے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ۲۱ سال کے ہوئے تو والد صاحب کا انتقال ہو گیا اس کے بعد آپ نے قرآن حفظ کیا اور طرہ اسان چلے گئے۔ سات سال تک علمائے ظاہر اور علمائے باطن سے اکتسابِ فیض کیا۔ شب و روز اللہ جل و علا علیہ وآلہ وسلم میں ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ میں مشغول رہے۔ مدینہ منورہ کی کوالی لکھنؤ سے معذور ہو کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف آ گئے بغداد میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ایک عرصہ حاضر باش رہے اذکار و اسباق میں استقامت اور اہم کی کے ساتھ مشغول رہے۔

مرشدِ کریم نے فرقہ خلافت عطا فرمایا۔ شجرہ طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی سے شروع ہو کر مولانا شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ حضرت امام حسن۔ حضرت امام علی اور سرور کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

مرشدِ کریم کے علم سے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی ملتان کے لیے عازم سفر ہوئے ان کے ساتھ مولانا شہاب الدین سہروردی بھی تھے۔ دونوں بزرگ بغداد پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی

• بیات مولانا

جاوا، سائل اور دیگر علاقوں تک پھیل گئے۔ یہ حضرات بڑے بڑے شہروں میں انگریزی پیش منفقہ کرتے، صنعتی نمائش کا اہتمام کرتے تھے۔

پیشہ ورانہ دیانت، صفائی، سحرانی حسن سلوک کی وجہ سے، ہر شخص ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا ان کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر لوگ ان سے محبت کرنے لگتے تھے اور یہ خدا رسیدہ لوگ نہایت دلنشین انداز میں قلبی سکون کا راز ان لوگوں کے گوش گزار کرتے تھے اور اسلام قبول کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب سے آشنا ہو جاتے تھے۔ مشرق بعید کے بے شمار جزائر میں کروڑوں مسلمان ان ہی روحانی بزرگوں کے ہاتھ پر شرف باسلام ہوئے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کے تربیت یافتہ شاگردوں اور بزرگوں نے ساتویں صدی ہجری میں دین کی ظاہری اور روحانی تبلیغ کے لئے ہماری دنیا میں مراکز قائم کئے۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے مختلف علاقوں میں جماعتیں روانہ کیں آپ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے کشمیر سے راس کماری اور گوادری سے بنگال تک کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔

حضرت زکریا ملتانی کی فلاحی خدمات:

حضرت زکریا ملتانی مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کا الگ الگ اہتمام فرماتے تھے۔ یہ روحانی تحریک Scientific اور جدید خطوط پر استوار تھی قدرت نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو فلاحی ذہن عطا کیا تھا۔ آپ نے جنگوں کو آباد کر دیا، کنوئیں کھدوائے، شہر میں تعمیر کروائیں اور زراعت پر بھرپور توجہ دی۔ انہیں ہر وقت عوام کی خوشحالی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت ان کے لئے سرمایہ آخرت تھی۔

آپ عوام الناس کے خادم تھے اور عوام آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہی حسن اخلاق اور محبت تھی کہ لوگ جوق در جوق مراقبوں میں شریک ہوتے تھے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرفان کیلئے ایمان داری اور خلوص نیت کو زندگی کا معیار بنالیا تھا۔ روع کی تقویت کیلئے درود شریف اور اذکار کی محفلیں بھی تھیں لوگ خود غرضی اور خود پرستی کے ہولناک عذاب سے بچنے کی ہر ممکن

اور اس کے

اور اس کے

اسے اہل ملتان امیر اسوال پورا کروڑوں میں ملتان شہر الٹ دوں گا۔ حضرت نے ڈولی پر بٹا کر ہر وقت کیا۔ اور کہا روں سے کہا چلو۔ دوسری آواز پر کہا روں سے کہا ڈولی زمین پر اٹھاؤ۔ قہقاری رخ بعد فرمایا۔ چلو کچھ نہیں۔ تیسری آواز پر کہا روں سے فرمایا ڈولی کندھوں سے اٹھاؤ۔ اور ڈولی سے باہر آ کر۔ کہا۔ اس فقیر کا سوال جس قدر جلد ممکن ہو پورا کر دو۔

لوگوں نے پوچھا۔ یا حضرت آپ نے دو مرتبہ ڈولی رکوائی اور کچھ نہیں فرمایا۔ تیسری بار کیا فرمایا۔ فقیر کا سوال پورا کر دو۔ اس کے پس منظر میں کیا حکمت ہے؟

فرمایا۔ پہلی دفعہ فقیر نے سوال کیا تو میں نے اس کی استعداد دیکھی تھی کچھ نظر نہیں آیا۔ دوسری مرتبہ میں نے اس کے مرشد کریم کی استعداد پر نظر ڈالی۔ وہاں بھی کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ تیسری دفعہ آواز کا میرے دل پر اثر ہوا۔

میں نے توجہ کی تو۔۔۔۔۔ دیکھا کہ۔۔۔۔۔ اس فقیر کے سلسلہ کے دادا پیر سیدنا خواجہ علی الصوالا السلام کے دربار اقدس میں باادب کھڑے ہیں۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ایک روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ ایک آدمی حجرہ درگ آئے اور ایک سر بر مہر خط حضرت صدر الدین کو دے کر چلے گئے انہوں نے خط والد کو گواہی خدمت میں پیش کر دیا۔

والد بزرگوار نے فرمایا: بزرگ سے میرا سلام کہو۔ اور عرض کرو کہ آدھے گھنٹہ کے بعد آئیں۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے لمانتیں واپس کیں بیٹوں سے کہا کہ درود شریف پڑھو، آواز سنائی دی "دوست بدست دوست رسید" یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرہ میں گئے، دیکھا کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ تہ فین کے بعد صاحبزادہ کو خیال آیا کہ وہ کون سا رنگ تھے جن سے انہوں نے کہا تھا آدھے گھنٹہ بعد آنا۔ صاحبزادے کو خط کی تلاش ہوئی۔ نکلنے کے نیچے

رکھے ہوئے خط میں تحریر تھا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضوری میں طلب فرمایا ہے میرے لئے کیا حکم ہے۔
فرشتہ عزرائیل"

سلسلہ نقشبندیہ:

اس سلسلے میں مراد مرید کو سامنے بٹھا کر توجہ کرتا ہے اور مرید کا قلب جاری ہو جاتا ہے یہ حضرات ذکر غفی زیادہ کرتے ہیں اور مراقبہ میں سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں۔

ان کے ہاں مرشد اپنے مریدوں سے الگ نہیں بیٹھتا بلکہ حلقے میں ان کا شریک ہوتا ہے یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق سے شروع ہوا اور حضرت بہاؤ الدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔ حضرت بہاؤ الدین ۳ محرم ۷۱۷ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ رجب الاول ۷۸۰ھ کو شب وفات پائی۔

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی ولادت سے پہلے جب خواجہ محمد سہاسی بابا ان کے گھر کے پاس سے گزرتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھے یہاں سے کسی مرد حق آگاہ کی خوشبو آتی ہے۔ ایک دن اینٹ اور گارے سے بنے ہوئے اس گھر سے علم و عرفان کی روشنیاں طلوع ہو گئی۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبند کے دادا نے آپ کو خواجہ محمد سہاسی بابا کی گود میں ڈال دیا۔ آپ نے نوزائیدہ بچہ کو گود میں لے کر فرمایا یہ میرا فرزند ہے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر زمانے کا پیشوا ہو گا۔

حضرت بہاؤ الدین نقشبند فرماتے ہیں کہ جب مجھے شعور کا ادراک ہوا تو دادا نے مجھے سہاسی بابا کی خدمت میں بھیج دیا بابا سہاسی نے میرے اوپر شفقت فرمائی۔ میں نے شکرانے کے طور پر دو رکعت ادا کی۔ نماز میں میرے اوپر سرشاری طاری ہو گئی اور بے اختیار یہ دعا نکل "یا الہی مجھ کو اپنی امانت اٹھانے کی قوت عطا فرما۔"

صبح کو بابا سہاسی کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے فرزند دعا اس طرح مانجی چاہیے "یا الہی جو کچھ تیری رضا ہے اس ضعیف بندے کو اس پر اپنے فضل کرم سے قائم رکھ" پھر فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو اپنا دوست بنا لیتا ہے تو اس کو بوجھ اٹھانے کی سکت بھی عطا فرماتا ہے۔

• بیات سوانہ

دل کی نگرانی کرنی چاہیے:

ایک روز کھانا تناول کرنے کے بعد آپ نے مجھے کچھ روئیاں عنایت کیں میرے دل میں یہ اہمال آیا کہ میں نے تو خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ہے میں اتنی روٹیوں کا کیا کروں؟ کچھ دیر بعد آپ نے مجھ ایک دوست کے گھر چلنے کے لئے کہا راستے میں میرے دل میں پھر وہی خیال آیا کہ روٹیوں کا کیا کرنا ہے۔ حضرت میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دل کی نگرانی کرنی چاہئے تاکہ اس میں کوئی دوسرا اثر نہ آئے۔ جب ہم اس دوست کے گھر پہنچے وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضرت کے سامنے ۱۱۰ روٹی لے کر آیا حضرت سہاسی بابا نے ان سے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جی کہہ دیا کہ آج روٹی لکھن کھالی۔ حضرت نے فرمایا۔ روئیاں پیش کر دو۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کی عزت و توقیر اور عقیدت میں اضافہ بہت زیادہ ہو گئی۔

ایک دن فرمایا۔ جب استاد شاگرد کی تربیت کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ شاگرد بھی استاد کی تعلیمات کو قبول کرے۔

خواجہ محمد بابا سہاسی نے خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کو اپنی فرزندگی میں قبول کیا۔ اگرچہ ظاہری اسباب میں طریقت کے آداب سید امیر کمال سے سیکھے مگر حقیقتاً آپ اویسی ہیں اور آپ نے خواجہ بہاؤ الدین کی روحانی کی روح سے فیض پایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں مجھ کے مزارات میں سے تین متبرک مزاروں پر حاضر ہوا۔ پہلے تین چراغ جلتے ہوئے دیکھا چراغ میں پورا تیل اور تیل ہونے کے باوجود چراغ کی لو کو اونچا کر کے تیل کی کوکھ میں جاری تھی۔ لیکن بابا سہاسی کے مزار کے چراغ کی لو کو مسلسل روشن دیکھ کر دل سے چراغ کی لو پر نظر پڑا۔

اویسی فیض:

میں نے دیکھا کہ قلب کی طرف کی دیوار پست گئی اور ایک بہت بڑا تخت نمودار ہوا دیکھا کہ

سبز پردہ لٹکا ہوا ہے اس کے قریب ایک جماعت موجود ہے میں نے ان لوگوں میں بابا ساسی کو پہچان لیا۔ میں جان گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس جہان سے گزر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ تخت پر خولجہ عبدالخالق بغدادی جلوہ افروز ہیں اور یہ ان کے خلفاء کی جماعت ہے اور ہر خلیفہ کی طرف اشارہ کر کے ان کے نام بتائے۔ یہ خولجہ احمد صدیقی ہیں، یہ خولجہ اولیاء کمال ہیں، یہ خولجہ دیوگری ہیں، یہ صاحب خولجہ محمود الخیر فتویٰ ہیں، اور یہ خولجہ علی راستی ہیں، جب وہ شخص خولجہ محمد بابا ساسی پر پہنچا تو کہا یہ تیرے شیخ ہیں اور انہوں نے تیرے سر پر نگاہ رکھا ہے اور تجھے کرامت بخشی ہے اس وقت اس نے کہا کان لگا اور اچھی طرح سن کہ حضرت خولجہ بزرگ ایسی باتیں فرمائیں گے کہ حق تعالیٰ کے راستے میں تیرے لئے مشعل راہ بنیں گیں۔

میں نے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام اور ان کے جمال مبارک کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ بیک ایک میرے سامنے سے پردہ اٹھ گیا۔ میں نے نور علی نور بزرگ کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور وہ باتیں جو ابتدائی طور پر سلوک اور اس کے درمیان اور اس کی انتہاء سے تعلق رکھتی ہیں مجھے سکھائیں۔

انہوں نے فرمایا جو چرائی تجھے دکھائے گئے ہیں ان میں تیرے لئے ہدایت اور اشارہ ہے کہ تیرے اندر روحانی علوم سیکھنے کی استعداد موجود ہے اور تیرے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسرار و رموز سکھائیں گے لیکن استعداد کی جتنی کو حرکت دینا ضروری ہے تاکہ چرائی کی روشنی تیز ہو جائے۔

دوسری مرتبہ بتایا کہ ہر حال میں اسرونی کا راستہ اختیار کرنا۔ احکام شریعت کی پابندی کرنا۔ منوعات شرعیہ سے اجتناب کرنا۔ سنت والے طریقوں پر پوری طرح عمل کرنا۔ بدعات سے دور رہنا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ہمیشہ اپنا رہنما بنائے رکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے اخبار و آثار یعنی ان کے اقوال و افعال کی تلاش اور جستجو میں رہنا۔ تیرے اس حال یعنی مشاہدے کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ کل علی الصبح تو فلاں جگہ جائے گا اور فلاں کام کرے گا۔

ان لوگوں نے فرمایا اب تو جانے کا قصد کر اور جناب سید امیر کلال کی خدمت میں حاضر

۱۱۔ ان حضرات کے فرمانے کے بموجب میں حضرت امیر کمالؒ کی خدمت میں پہنچا۔ تو حضرت امیرؒ نے لاکھ ہرایاں فرمائیں۔ مجھے ذکر کی حقیقت کی اور خفیہ طریقہ پر نئی اثبات کے ذکر میں مشغول فرمادیا۔

شیخ قطب الدین ہامی ایک بزرگ نے بتایا کہ میں چھوٹی عمر میں تھا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا
 امان کبوتر خانے سے کبوتر خرید کر لے آؤ۔ ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر بہت خوبصورت تھا۔ میں نے یہ
 کبوتر ہمارے خانے میں نہیں دیا۔ کھانا تیار ہونے کے بعد حضرت خواجہ نقشہ بند لے مہمانوں میں کھانا تقسیم
 کیا۔ مجھے کھانا نہیں دیا اور فرمایا انہوں نے اپنا حصہ زندہ کبوتر لے لیا ہے۔

صوفیاء کرام کی دینی خدمات:

وہی بھارت میں حضرت خولید باقی باللہ کا مزار ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خولید
 علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔

احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد بزرگوار نے خواب میں
 اٹھائے تمام جہاں اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔ بندرہ بچھ اور سور آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ
 کے والد مبارک سے نور کا جھماکہ ہوا اور اس میں سے ایک تخت ظاہر ہوا اس تخت پر ایک بزرگ تشریف
 لراہا کہ ان کے سامنے ظالم، بے دین اور ملحد لوگوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے والد نے یہ خواب حضرت شاہ کمال کی شکل سے بیان کیا شاہ کمال صاحب نے یہ تعبیر دی کہ آپ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے اللہ کے دین میں شامل کی ہوگی اور اہل امانت ختم ہو جائیں گی۔ مجدد صاحب کا نام احمد، لقب بدر الدین ہے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت ابوہریرہؓ بن سیدنا عمر فاروقؓ کی ستائیسویں پشت سے ملتا ہے۔

۱۷۰۰ء تک ان میں آپ نے کفر و شرک کا مروانہ وار مقابلہ کیا آپ نے ہزاروں مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی اور اپنے دور کے طاقتور بادشاہ اکبر کی تلخ دانہ سرگرمیوں کا ثبوت کامیابی کے ساتھ دیا۔

اکبر نے کفر والہاد کو یہاں تک پھیلا دیا تھا کہ کلہ خلیفہ میں محمد رسول اللہ کے بجائے اکبر

خلیفہ اللہ کا حکم جاری کرو یا تھا۔ حضرت مجددؑ نے باصرف ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ ان کی تاج کئی کے لئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ دین الہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانی کو کامیاب و کامران کیا۔

چنگیز خانی طوفان نے جب دنیاے اسلام کو تباہ کر دیا۔ شہر ویران ہو گئے، لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے پتھر بنا دیئے گئے، بغداد کی آٹھ لاکھ آبادی میں سے چار لاکھ قتل و غارتگری کی بھینٹ چڑھ گئی، علم و حکمت کی کتابوں کا ذخیرہ آگ کی بھینوں میں جمونک دیا گیا، علماء اور فضلاء اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت بھی اس سرکش طوفان کا صوفیاء نے مقابلہ کیا۔

ان لوگوں نے اسلام دشمن لوگوں کی اس طرح تربیت کی کہ اسلام کے دشمن شیع اسلام بن گئے۔

سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ، ہلاکو خان کے بیٹے محمود خان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے، محمود خان شکار سے واپس آ رہا تھا کہ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر ازراہ تسخیر چھا:

اے درویش تہباری و ازہمی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟ اس بیہودہ اور ذلت آمیز سوال پر بزرگ برہم نہیں ہوئے، خلقت لہجہ کے ساتھ قہقہہ سے فرمایا:

میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کر لوں تو میری داہمی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔

محمود خان اس غیر متوقع اور انا کی گرفت سے آزاد جواب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بزرگ کو اپنا مہمان بنالیا اور درویش کے علم و بردباری اور اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے ورنہ اسلام قبول کر لیا لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے محمود خان نے درویش کو رخصت کر دیا۔ وفات سے پہلے درویش نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ محمود خان کے پاس جائے اور اس کو اپنا دھرم یاد

دلائے۔ صاحب زادے محمود خان کے پاس پہنچے اور اپنے آنے کی غایت بیان کی۔ محمود خان نے کہا اہم سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن فلاں سردار تیار نہیں ہے اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تو اہل آسان ہو جائے گی۔

صاحب زادے نے جب اس سردار سے گفتگو کی تو اس نے کہا۔ میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے میں علمی دلائل کو نہیں سمجھتا میرا مطالبہ ہے کہ آپ میرے پہلوان سے مقابلہ کریں اگر آپ نے اسے ہچکاڑ دیا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

درویش زادے، لاغر و بے اہل اور جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ محمود خان نے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا لیکن درویش کے بیٹے نے سردار کا چیلنج منکھور کر لیا۔ مقابلے کے لئے جگہ اور تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ مقررہ دن ملوث کا اڈہ بام یہ عجیب و غریب ڈنگ دیکھنے کے لئے میدان میں جمع ہو گیا۔ ایک طرف نجف و کمزور ہڈیوں کا لہا لہا فرجہم تھا اور دوسری طرف گرانڈیل اور قیل تن پہلوان تھا۔

محمود خان نے کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن درویش مقابلہ کرنے کے لئے مضرر ہا اور جب دونوں پہلوان اکٹھے ہوئے تو درویش زادے نے اپنے حریف کو زور سے طمانچہ مارا اور وہ پہلوان اس تھپڑ کو برداشت نہ کر سکا اسکی ناک سے خون کا فوارہ اچھا اور پہلوان خشک کھا کر زمین پر گر گیا۔ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا اس نے درویش زادے کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ محمود خان نے بھی اپنے ایمان کا اعلان کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ ہلاکو خان کا چچا زاد بھائی بھی شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

قطب کی تاریخ اسلام کا ایک لافانی باب ہے۔ حضرت شمس الدین، سلطان محمد کے مرشد کریم تھے۔ انہی کی ترغیب اور بشارت سے سلطان محمد نے قطب کو فتح کیا۔ ہم تاریخ کے صفحات جتنے زیادہ پلٹتے ہیں اہل تصوف اور روحانی لوگوں کا ایک قافلہ ہمارے سامنے آتا ہے جو دین اسلام کو پھیلانے میں ہمہ تن مصروف نظر آتا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ:

سلسلہ عظیمیہ جذب اور سلوک دونوں روحانی شعبوں پر محیط ہے۔ اس سلسلے میں روایتی بحری مریدی اور مخصوص لباس اور کوئی وضع قطع نہیں ہے۔ صرف خلوص کے ساتھ طلب روحانیت کا ذوق اور شوق ہی طالب کو سلسلے کے ساتھ منسلک رکھتا ہے۔ سلسلے میں مریدین کو دوست کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے لئے سخت ریاضتوں، چلوں اور مجاہدوں کے بجائے ذکر و اذکار آسان ہیں۔ تعلیم کا محور عارح میں عبادت (مراقبہ) ہے۔ تلک اور خدمت خلق کو اساس قرار دیا گیا ہے۔

• سلسلہ عظیمیہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منظوری سے 1960ء میں قائم ہوا۔

امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاء ۱۸۹۸ء قصبہ خوجہ ضلع بلند شہر بہارت میں پیدا ہوئے۔ والدین نے محمد عظیم نام رکھا۔ والد گرامی کا نام بدیع الدین مہدی شیردل اور والدہ ماجدہ کا نام سعیدہ بی بی تھا۔ شاعری میں بر خیا تخلص ہے۔

تاریخ وفات ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء ہے۔ مزار شریف شادمان ٹاؤن، تار تھ عالم آباد راکھی میں مرقع خاص و عام ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطریق اویسیہ حسن اخروی کے نام سے مخاطب فرمایا۔ عالم نگوین اور عوام و خواص میں قلندر بابا اولیاء کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ پورا نام حسن اخروی محمد عظیم بر خیا المعروف قلندر بابا اولیاء ہے۔

حضرت امام حسن عسکری کے خاندان کے سعید فرزند ہیں۔ مرحبہ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملان عرش میں قلندر بابا اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاء نظام نگوین کے اعلیٰ منصب صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہیں اس دنیا اور دوسری لاشار دنیاؤں میں چار گونی شیعہ کام کر رہے ہیں۔

• تکریم قلندر بابا اولیاء

(۱) قانون (۲) علوم

(۳) اجرام سماوی (۴) نظامت

ان شعبوں کے ہیڈ چار ابدال ہوتے ہیں۔ نظامت کے عہدہ پر فائز ابدال حق کو صدر الصدور کہتے ہیں۔ صدر الصدور کو Veto Powers حاصل ہوتی ہے۔ ابدال حق قلندر بابا اولیاء اس وقت صدر الصدور ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قلندر کا مقام عطا کرتا ہے تو اسے زمان و مکان کی قید سے آزاد ہونے کا اختیار دے دیتا ہے اور نگوینی امور کے تحت سارے ذی حیات اس کے تابع اور ان ہوتے ہیں لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، ریاض، طبع، حرص اور لالچی سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس لئے جب مخلوق انکی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو وہ اسکو سنتے ہیں اور اسکا تذکرہ بھی کرتے ہیں کیونکہ قدرت نے انھیں اسی کام کیلئے مقرر کیا ہے۔ یہی وہ پاک اور قدسی نفس حضرات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور انکے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میری بات کہتے ہیں اور میرے ذریعہ چیزیں پکڑتے ہیں"

پاک و پارس:

قلندر بابا اولیاء نے قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں حاصل کی اور بلند شہر میں ہلال النور کتب خانہ اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔

تاریخ وفات:

۱۳۶۱ھ الہ دین امام پوری حضور قلندر بابا اولیاء کے تانا ہیں۔ آپ ۹ سال تک رات دن بابا تاج علی کی خدمت میں حاضر رہے۔ دوران تعلیم ایسا دور بھی آیا کہ قلندر بابا اولیاء پر جذب و مستی اور عالم و فانی کا جذبہ ہو گیا، لاکھ لاکھ ناموں سے پکارے اور گاہے گاہے گفتگو بھی بے ربط ہو جایا کرتی تھی لیکن

جذبہ کیفیت کی یہ مدت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔

روزگار:

سلسلہ معاش قائم رکھنے کیلئے مختلف رسائل و جرائد کی ادارت و صحافت اور شعراء کے دیوانوں کی اصلاح اور ترتیب و تدوین کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی تحریف لے آئے اور اردو ڈان میں سب ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہو گئے اسکے بعد ایک عرصہ تک رسالہ نفاذ میں کام کرتے رہے کچھ رسالوں کی ادارت کے فرائض انجام دیئے کی مشہور کہانیوں کے سلسلے بھی قلم بند کئے۔

بیعت:

۱۹۵۲ء میں قطب ارشاد حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے رات کو تین بجے سامنے بٹھا کر قلندر بابا کی پیشانی پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہوا، دوسری پھونک میں عالم ملکوت و جبروت اور تیسری پھونک میں عرش معلیٰ کا مشاہدہ ہوا۔

مقام ولایت:

حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین جہتوں میں پوری کر کے خلافت عطا فرمادی۔

اسکے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پر فتوح نے لکندر بابا اولیاء کی روحانی تعلیم شروع کی اور اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت و ثبوت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیش ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔

اخلاق:

ابتداء ہی سے آپ کی طبیعت میں سادگی اور شخصیت میں وقار تھا۔ پریشانی میں دل جوئی کر رہا،

202

۱۱۔ یہ کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھنا اور دوسرے شخص کی توقع سے زیادہ اس کی امداد آپ کی مفت تھی۔

الف وکرامات:

مضمر قلندر بابا اولیاء سے بہت ساری کرامات صادر ہوئیں ہیں جو کتاب "تذکرہ قلندر" میں شائع ہوئی ہیں۔

البيانات:

لاہور ۱۱/۱۰/۱۹۸۱ء نے تعین کیا ہیں تصنیف فرمائی ہیں۔

علم و ادب کا اس انداز ” رہا عیادت قلندر رہا بابا اولیاء “

الموضوع: "الموج وقلع"

”اسلام اور مادی علوم کی توجیہات پر مستند کتاب“ ”تذکرہ حاج الدین بابا“

[illegible]

ایک لفظ تھا کہ لفظ سے انسان ۱۰۰
 ایک شہر تھا شہر سے دیہات ۱۰۰
 عورتوں سے ہزار نفس کا اسے ہیں عظیم
 ہیں تاکہ ۱۰۰ تاکہ سے پائے ۱۰۰

آدم کا دل عقل نہیں ہے بیکار
اسی بناک کی تکلیف میں ملوے ہیں ہزار
اس کا جو ہے کارو کا اٹھانے کے لئے
اس کا نام نہیں ہے بلکہ ہے کنبہار

آنا ہے ترا عالم روحانی سے
حالت تری بہتر نہیں زندانی سے
واقف نہیں میں وہاں کی حالت سے عظیم
واقف ہوں مگر یہاں کی ویرانی سے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سماعت میں نے دی ہے، بصارت میں نے دی ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ اطلاع میں نے دی ہے (یعنی اطلاعات کا سورس اللہ تعالیٰ ہیں) ہم عام حالات میں جس قدر اطلاعات وصول کرتے ہیں ان کی نسبت تمام دی گئی اطلاعات کے مقابلے میں صفر سے ملتی جلتی ہے۔ وصول ہونے والی اطلاعات اتنی محدود ہیں کہ ان کو ناقابل ذکر کہیں گے۔ اگر ہم وسیع تر اطلاعات حاصل کرنا چاہیں تو اس کا ذریعہ بجز علوم روحانی کے کچھ نہیں ہے اور علوم روحانی کے لئے ہمیں قرآن حکیم سے رجوع کرنا پڑے گا۔

بانگوں میں جو قریاں ہیں سب مٹی ہیں
 پانی میں جو مچھلیاں ہیں سب مٹی ہیں
 آنکھوں کا فریب ہے یہ ساری دنیا
 پھولوں میں جو تتلیاں ہیں سب مٹی ہیں

مشہور فنانس رپایا اولیاء نے عالم لاہوت، عالم جبروت، عالم ملکوت، اور ارض و سماوات پر لکھا ہے۔

اسلام علیہ السلام کی خدمات:

ان کے پاس ترقی کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ لوگ مستطیل ہوتے رہیں۔ تقریروں

اور تحریروں کے ساتھ ساتھ Print Media کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ خانوادہ سلسلہ عظیم نے اپنے مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ کے مشن کو پھیلانے، عوام و خواص میں اس کی جڑیں مضکم کر کے لئے پرنٹ میڈیا کو استعمال کیا ہے۔ رسائل و جرائد اور اخبارات میں مسلسل ۳۲ سال سے روحانی علوم کی اشاعت جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ قفل واقع ہوتا ہے“

الحاد، بت پرستی، شرک اور زمین پر فساد ختم کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے تحریروں کا سلسلہ قائم کیا۔ روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔

قرآن کریم کی تصدیق کے مطابق رسالت اور نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔ اللہ کے ارشاد کے مطابق دین کی تکمیل ہو چکی ہے لیکن دین کی تکمیل کے بعد بھی تبلیغ و ارشاد اس لئے ضروری ہے کہ دنیا آباد ہے۔ اور اس آبادی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ دنیا قیامت تک قائم رہے گی۔ نبوت کے فیضان کو جاری رکھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء باطن اولیاء اللہ نے دینی اور روحانی مشن کو قیامت لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اور ایک وقت ایسا آجائے گا کہ نوری انسانی قرآنی احکامات کو سمجھ کر اللہ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کر لے گی اور دنیا امن و امان کا گہوارہ بن جائے گی۔

آج کی دنیا سٹ کر ایک کمرے کے برابر ہو گئی ہے۔ چھ مہینوں کا ستر ایک دن میں اور دنوں کا ستر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ زمان و مکان کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

سائنسی انکشافات:

بظاہر سائنس کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک کوئی بات Vision نہ بنے اور دلائل کے ساتھ اسے ثابت نہ کیا جائے تو وہ بات کابلی قبول نہیں ہے۔

اس سے قطع نظر کہ سائنس کا یہ دعویٰ کتنا غلط اور کتنا صحیح ہے۔ سلسلہ عظیم نے کوشش کی ہے کہ ذہنی وسعت کے مطابق سائنسی انکشافات کو سامنے رکھ کر خواتین و حضرات کو ایسی تعلیمات دی جائیں جن تعلیمات سے وہ ظاہری دنیا کے ساتھ ساتھ غیب کی دنیا سے نہ صرف آشنا ہو جائیں بلکہ غیب کی دنیا اور غیب کی دنیا میں آباد مخلوقات کا مشاہدہ بھی کر لیں۔

دینی جذبہ و جہد:

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سلسلہ عظیم نے درس و تدریس کا نظام ترتیب دیا ہے۔ جو درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ تین سال پر محیط ہے اور دوسرا حصہ بھی تین سال پر محیط ہے۔

طالبات و طلباء یہ چھ سالہ کورس پڑھ کر Knowledge حاصل کر لیتے ہیں جس مانج کی بنیاد قرآن کریم، احادیث اور غیب ہے۔ چونکہ ایک سازش کے تحت اور فاسد ذہن رکھنے والے لوگوں کے منصوبوں کے مطابق خانقاہی نظام کو متنازع فیہ بنا دیا گیا ہے۔ اس لئے خانقاہی نظام کو سلسلہ عظیم نے ”مراقبہ ہال“ کے نام سے متعارف کروایا ہے۔

۲۰۰۳ء تک دنیا میں ۸۰ مراقبہ ہال قائم ہوئے ہیں۔ ان مراقبہ ہالز میں ایسا ماحول Create کیا جاتا ہے جہاں کی فضا سکون و اطمینان کی لہروں کے ارتعاش پر قائم ہے۔ اگر اذکار کی محفلیں ہوتی ہیں۔ مراقبہ کئے جاتے ہیں۔ نماز، روزہ اور عبادت اور ولایت میں دلی کسوتی نصیب ہوتی ہے۔ سلسلہ عظیم Alim کی مکتوبی کی خدمت کر کے اپنی اساتذہ کرام اور برادران الہی حاصل کرے۔

ذکر اذکار

تصوف میں تزکیہ نفس ایسا عمل ہے جس پر تصوف کی بنیاد قائم ہے۔ تزکیہ نفس اور قلبی طہارت کے لئے اللہ روحانیت نے اسباق مقرر کئے ہیں۔ یہ اسباق قرآنی آیات اور اسماء الہیہ سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ان کے درود سے انسان کے اندر پاکیزگی اور نور کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ کسی آیت یا اسم الہی کے درود سے روح میں بالیدگی بڑھ جاتی ہے اور سالک کے اندر باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اسے ایسی بصیرت مل جاتی ہے جس سے وہ حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے۔

اسم اعظم:

نوع مخلوق کا قانون بتاتا ہے کہ ازل سے اب تک صرف لفظ کی کار فرمائی ہے اور حال، مستقبل اور ماضی کے لفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا لفظ ہے۔ انسانی کتابیں اور آخری کتاب قرآن اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے الفاظ کی تشریحات ہیں۔ ان الفاظ قرآنی آیات کی تفسیلات اور اسماء الہیہ کا مظاہرہ ہے۔ اسم کی مختلف طرزوں سے نئی نئی تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسم ہی پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے۔ لفظ یا اسم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ہر قسم کے اسم کا ایک سردار ہوتا ہے۔ وہی سردار اسم اپنے قسم کے تمام اسماء کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ سردار اسم بھی اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور اس ہی سردار اسم کو اسم اعظم کہتے ہیں۔

اسماء نور اور روشنی ہیں۔ ایک طرز کی جتنی روشنیاں ہیں ان کو کنٹرول کرنے والا اسم بھی انہی روشنیوں کا مرکب ہے اور یہ اسماء کائنات میں موجود اشیاء کی تخلیق کے اجزاء ہیں۔ مثلاً نوع انسانی کے اندر کام کرنے والے تقاضوں اور حواس کو جو اسم کنٹرول کرتا ہے۔ یہی اسم نوع انسانی کے لئے اسم اعظم ہے۔ جنات کی نوع کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔ نباتات کیلئے الگ، جمادات کیلئے الگ اور نوعِ عالم کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔

گیارہ ہزار حواس:

انسان کے اندر تقاضوں اور جذبات کی تکمیل کیلئے جو حواس کام کرتے ہیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً گیارہ ہزار ہے ان گیارہ ہزار کیفیات یا تقاضوں کے اوپر ہمیشہ ایک اسم غالب رہتا ہے۔ اس اسماء میں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھایا ہے۔ اسم ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ جو کامل طرزوں کے ساتھ اپنے اندر حقیقی قدریں رکھتا ہے۔

"اللہ نور السموات و الارض"

(سورۃ نور آیت نمبر ۳۵)

اور یہی اللہ کا نور لہروں کی شکل میں نباتات، حیوانات، انسان، جنات اور فرشتوں میں زندگی اور زندگی کی تمام تحریکات پیدا کرتا ہے۔ پوری کائنات میں قدرت کا یہ فیضان جاری ہے۔ کائنات میں ہر فرد نور کی ان لہروں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔

تکلیفاتی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے پے در پے جو خیالات ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور آبادیوں سے ہمیں موصول ہوتے رہتے ہیں۔ نور کی یہ لہریں ایک لہر میں روشنی کا روپ دھار لیتی ہیں۔ روشنی کی یہ چھوٹی بڑی لہریں ہم تک بے شمار تصویر خانے کے ذریعے آتی ہیں۔ ہم ان ہی تصویر خانوں کا نام واہمہ، خیال، تصور اور تقرر رکھ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لوگو! مجھے پکارو میں سنوں گا، مجھ سے مانگو، میں دوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا تذکرہ اپنے ناموں سے کیا ہے۔

"اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ پس ان اچھے ناموں سے اسے پکارتے رہو"

(سورۃ اعراف۔ آیت نمبر ۱۸۰)

"ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اور صحیح اور شام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔"

(سورۃ ابراہیم۔ آیت نمبر ۴۰-۴۱)

ہر اسم کا اثر:

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم ایک چھپا ہوا خزانہ ہے۔ جب لوگ اللہ کا نام درود زبان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسی ہے۔ عام طور پر اللہ کے ننانوے نام مشہور ہیں۔ اس میں سے ہر اسم اللہ تعالیٰ سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر نام کی تاثیر اور پڑھنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔

کسی اسم کی بار بار تکرار سے دماغ اس اسم کی نورانیت سے معمور ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے نورانیت کے اسم کے انوار دماغ میں ذخیرہ ہوتے ہیں اسی مناسبت سے بگڑے ہوئے کام بنتے چلے جاتے ہیں اور سب دلخواہ نتائج مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جس طرح اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح گناہوں کی تار بھی ہمارے اندر روشنی کو دھندلا دیتی ہے۔ گناہیوں اور خطاؤں سے آدمی اللہ تعالیٰ اور اللہ پیروں سے قریب ہو جاتا ہے۔

ہر کوئی بندہ جانتے بوجھے گناہوں اور خطاؤں کی زندگی کو زندگی کا مقصد قرار دے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اس آیت کی تفسیر بن جاتا ہے۔

"میرا گواہی اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان لوگوں کو سمجھنے اور دیکھنے کا عذاب ہے۔"

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۷)

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قانون قدرت کے تحت عمل پیرا ہے۔ ہر صفت اپنے اندر طاقت اور زندگی رکھتی ہے جب ہم کسی اسم کا ورد کرتے ہیں تو اس اسم کی طاقت اور تاثیر کا بخار ہونا ضروری ہے۔ اگر مطلوبہ قوائد حاصل نہ ہوں تو ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لینا چاہئے۔ نیکی اور برائی دونوں اعمال و افعال کے تابع ہیں دونوں میں انسانی اختیار سال زمان اور ہاتھ پیر استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً ایک آدمی گالی دیتا ہے یہ برائی ہے لیکن گالی دینے میں زبان استعمال ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی فلاح و بہبود کیلئے ذہن استعمال کرتا اور احکامات بھی صادر کرتا ہے

اس رویہ میں بھی زبان کا عمل دخل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سوچ تصورات، جذبات اور اچھے برے احساسات کا تعلق، انسانی رویوں پر قائم ہے۔

اگر طرز فکر اور رویوں میں خلوص و ایثار ہے، اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہے، اور سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطابق اخلاق حسنہ پر عمل ہے تو یہ سب اعمال، اعمال صالحہ ہیں۔ اللہ کی نشانیوں پر غور کرنا، اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنا اور رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی تعلیم کو لازمی پکڑو اور ذکر الہی کرو۔ اس عمل سے آسمانوں میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں تمہارا سے لئے نور ہوگا۔

تفکر:

قرآن حکیم کی تلاوت کا مفہوم یہ ہے کہ ارشادات ربانی پر تفکر کیا جائے اور اللہ کے احکامات کے مطابق فرمانبرداری کی جائے۔ قرآن حکیم میں جہاں اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کثرت سے ذکر کرو۔

”اے اہل ایمان! تم اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔“

(سورۃ الزاب۔ آیت نمبر ۳۱)

”اے اہل ایمان! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت

سے ذکر کرو“

(سورۃ انفال آیت نمبر ۳۵)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں کی کہ اس میں معذور آدمی کا غدر قبول نہ فرمایا ہو مگر ذکر الہی ایسی عبادت ہے کہ جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ کوئی اللہ کے ذکر سے معذور نہیں البتہ

الہام الہی کا معاملہ الگ ہے اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، رات ہو یا دن اگر دل سے ہو، زبان سے ہو، خشکی میں یا سندر میں ہو۔ بندہ خوشحال ہو یا غریب الحال ہو، تندرست ہو یا بیمار، جس حال میں بھی ہو بندہ کو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

جس ذکر میں روح اور قلب شامل ہو جائیں اس ذکر کی بڑی اہمیت ہے ذکر اس طرح کیا جائے کہ کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس ذکر خفی کو اللہ کا چین نہیں سن سکتے اسے جلی ذکر پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے۔ ذکر خفی مالک کو دکھا دے سے محفوظ رکھا ہے۔

”اللہ الہی اور ذکر کثیر کے لئے قرآن حکیم میں متعدد آیتیں ہیں۔ کہیں اسم ذات کے ذکر کی تاکید ہے، کہیں اللہ کے اسم کی تلقین کی گئی ہے۔“

”اور یاد کرتے رہتے اپنے رب کو صبح شام گدازدل کے ساتھ، اور خفی آواز میں، اور ذکر سے خالی نہ رہے۔“

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۲۰۵)

یعنی جو لوگ خدا ترس ہیں جب شیطان کی طرف سے ان کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد رکھتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں یعنی جب متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے دھوکہ دیا جاتا ہے اور وہ ان کے دل پر پردے ڈال دیتا ہے تو اس وقت وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دل پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شیطان کا فتنہ ذکر الہی سے دفع کیا جاتا ہے۔

اولیاء اللہ ہر دور میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر خفی یا جلی ذکر کرتے رہے ہیں اس محفل کو اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں انفرادی اور اجتماعی دونوں کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ شامل رکھئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کے لئے کرتے ہیں۔"

(سورہ کہف آیت نمبر ۲۸)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اجتماعی ذکر کا حکم دیا ہے۔

ذاکرین اور فرشتے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں چنانچہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان و دنیا تک اپنے پرؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے تو ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر میں نہیں ہے وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ ایک ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو۔"

مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں فرشتوں کا شامل ہونا عمل خیر کی بشارت ہے۔ ذکر کی مجالس اللہ کی خوشنودی و دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ اللہ کے ذکر سے رحمت کا نزول اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ "نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے۔" (سورہ طہ آیت نمبر ۱۴)

• زیادتہ

نماز میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رابطہ قائم ہو جائے کہ بندہ اللہ کو دیکھ لے اور اسے قید و ایمان کا یہ کمال حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جس طرح باپ دادا کو یاد کرتے ہو کہ محبت بھی ہوتی ہے اور ہمت بھی اسی طرح اللہ کو یاد کرو بلکہ اپنے باپ دادا کو یاد کرنے سے بھی زیادہ۔"

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۰۰)

"یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں خشیت اور عاجزی کے ساتھ آہستہ آواز سے ہر گز اور تمہارا شمار غفلتوں میں نہ ہو۔"

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وہ شخص جس کا سینہ اسلام کے لئے اللہ نے کھول دیا ہے... تاریک بد نصیبوں کے برابر کسی طرح ہو سکتا ہے؟ وہ تو اپنے پروردگار کی طرف سے نور ہے۔ خرابی ہے ان سنگدل لوگوں کی جن کے قلوب لہو لہنگ آلود ہیں۔ اللہ کے ذکر کی طرف سے۔"

حضرت ذکر یا بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ ضعف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

"تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تین دن کسی آدمی سے کلام نہ کرو گے مگر اللہ کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتے رہنا۔"

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۱)

مالی اور مجاہدین:

مالی اور مجاہدین کو بھی ذکر کی تاکید کی گئی ہے:

"اے ایمان والو! جب کافروں کے ساتھ جنگ کیا کرو تو پیر جمائے رکھو اور اللہ کا ذکر بہت کرو تاکہ تم کھارچ پاؤ۔"

(سورہ انفال آیت نمبر ۴۵)

صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں ایسا ماحول Create کیا جاتا ہے جس میں وہاں رہنے والے طلباء و طالبات نور و نبوت اور نورانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام تھوڑی کے طور پر جو اسباق یعنی درود و وظائف شاگردوں کو پڑھواتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذکرین کیساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر لائی کروں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

”مجالس ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان کا نزول سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔“

روحانی اسکول اور کالجوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ذکر کرایا جاتا ہے تاکہ سالکین کے الطائف رنگین ہوں اور ان کے اوپر اللہ کا رنگ غالب آجائے۔ طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، وضو بے وضو، ہر حال میں اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ ہر سلسلہ میں کسی نہ کسی اسم کا ورد کرایا جاتا ہے مثلاً سلسلہ عظیمیہ کا ورد ”یا حی“ یا قیوم“ ہے۔ چلتے پھرتے، وضو بغیر وضو، اٹھتے بیٹھتے، پاکی ناپاکی ہر حال میں سالکین کو ”یا حی“ یا قیوم“ پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

جب کوئی بندہ جلی یا خفی ذکر کرتا ہے اس کے اندر VIBRATION کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ اس کے حواس ہر تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

قانون:

قانون یہ ہے کہ ہر بندے کے اندر دو طرح کے حواس کام کرتے ہیں ایک طرح کے حواس اسے ظاہری دنیا سے نہ صرف قریب کرتے ہیں بلکہ ظاہری دنیا میں قید کر دیتے ہیں، دوسری طرح کے حواس بندے کے اندر غیب بین اور اللہ سے قربت کے حواس ہیں، جب بندہ اپنے باطنی حواس میں ہوتا ہے تو اس کے اوپر اللہ کی صفات محیط ہو جاتی ہیں۔

اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب آدمی کا اشہاک دنیا میں ہوتا ہے تو مادی عناصر میں سزا مند اور قفس میں اشہاک ہوتا ہے حالانکہ وہ اس سزا مند اور قفس کو محسوس نہیں کرتا لیکن اگر وہ عناصر کا تجزیہ کرے اور عناصر کی کن کن تلاش کرے تو اس کے علم میں یہ بات آ جاتی ہے کہ دنیا کی ہر شے سزا مند اور قفس سے بنی ہوئی ہے انسان جو غذا کھاتا ہے وہ بھی سزا مند ہے اور انسان جس قطرے سے بن کر عالم وجود میں آیا ہے وہ بھی سزا مند ہے، آدمی جب مر جاتا ہے اس کا سارا جسم قفس اور سزا مند میں تبدیل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے برعکس دوسرا جسم جو روشنی اور نور سے بنا ہوا ہے۔ اتنا لطیف ہے کہ عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور خود کو فرشتوں کی مجالس میں دیکھتا ہے۔

صوفی جب ذکر لائی میں مشغول ہوتا ہے تو روشنی اور نور سے بہنے ہوئے جسم میں نورانی کرنٹ دوڑ جاتا ہے۔ خوشی کی لہر اس کے اوپر سے خوف اور غم دور کر دیتی ہیں۔

مراقبه

۱۱) فی مرکزیت:

تمام طرف سے ذہن جٹا کر کسی ایک نقطہ پر توجہ مرکوز کرنے کا نام مراقبہ ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ جب تک توجہ مرکوز نہ ہو، ہم کوئی کام احسن طریقہ پر نہیں کر سکتے۔ بچے اس لئے الف۔ ب۔ ج۔ وغیرہ لیتے ہیں کہ ان کی توجہ استاد کے بولے ہوئے الفاظ پر مرکوز ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک منشی حساب اس وقت صحیح کرتا ہے جب اسکی توجہ ادھر ادھر نہ ہوسکے۔ بصورت دیگر وہ کسی حساب صحیح نہیں کرتا۔ کسی بھی شعبہ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کی توجہ اس کام کی طرف قائم رہے۔

جس طرح دنیا کے تمام امور کے لئے ذہنی مرکزیت ضروری ہے اسی طرح دینی امور میں الہی مرکزیت نہ ہو تو خیالات کی یلغار رہتی ہے۔ خیالات کی یلغار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ نماز میں بھی باطن میں رہتا کہ نمازی نے کوئی سورۃ کس رکعت میں پڑھا ادا کی ہے۔

عزفان:

مطالعہ اور صوفیاء مراقبہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو مراقبہ کی تلقین کرتے ہیں۔ تصوف کی تعریف یہ ہے کہ شریعت اور طریقت پر اجماع، یقین اور مداومت سے عمل کیا جائے۔ عرفان اللہ کے لئے شریعت تصوری (THEORY) ہے اور تصوف پر یکینکل (PRACTICAL) ہے۔ وہ سب اسلام کے ارکان پورے کرتا ہے تو یہ عمل دین کی تصبیہ دہی ہے اور جب مسلمان ارکان کی حکمت پر عمل کرے حقیقت تلاش کر لیتا ہے تو یہ عمل پر یکینکل ہے۔ پر یکینکل میں سادگ کو رع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے والوں کو اور مجید کرنے والوں کو اور مجید کرنے والوں کے ساتھ مجید کرنے والے فرشتوں کو دیکھتا ہے اور اللہ کا فضل اس کے اوپر محیط ہو جاتا ہے۔ یہی ”الصلوٰۃ المعراج العوٰمین“ کا مفہوم ہے۔ نمازی دیکھتا ہے کہ جس اللہ کو مجید و کریم ہوں اور اللہ میرے سامنے ہے۔

مراقبہ کی تعریف:

مراقبہ کی تعریف مختلف طریقوں سے بیان کی جاتی ہے۔

- (۱) تمام خیالات سے ذہن کو آزاد کر کے ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا جائے۔
 - (۲) جب مفروضہ حواس کی گرفت انسان کے اوپر سے نوٹ جائے تو انسان مراقبہ کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔
 - (۳) جب انسان اپنے اوپر بیداری میں خواب کی حالت طاری کر لے تو وہ مراقبہ میں چلا جاتا ہے۔
 - (۴) یہ بات بھی مراقبہ کی تعریف میں آتی ہے کہ انسان دور دراز کی باتیں دیکھ اور سن لیتا ہے۔
 - (۵) شعوری دنیا سے نکل کر لاشعوری دنیا میں جب انسان داخل ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت بھی مراقبہ کی ہے۔
 - (۶) مراقبہ میں بندہ کا ذہن اتنا زیادہ یکسو ہو جاتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔
 - (۷) ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ مراقبہ یہ دیکھتا ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔
- انسان کی روح میں ایک روشنی ایسی ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے لامتناہی حدود تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس لامتناہی روشنی کی حد بندی کرنا چاہیں تو پوری کائنات کو اس لامحدود روشنی میں مقید تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ روشنی موجودات کی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے احاطے سے باہر کسی وہم، خیال یا تصور کا نکل جانا ممکن نہیں۔ روشنی کے اس دائرے میں جو کچھ واقع ہوا تھا یا بحالت موجودہ وقوع میں ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب ذات انسانی کی نگاہ کے بالقابل ہے۔

چراغ کی لو:

اس روشنی کی ایک شعاع کا نام ”باصرہ“ ہے۔ یہ شعاع کائنات کے پورے دائرے میں دور

کرتی رہتی ہے۔

کائنات ایک دائرہ ہے اور یہ روشنی ایک چراغ ہے۔ اس چراغ کی لو کا نام باصرہ ہے۔ جہاں اس چراغ کی لو کا عکس پڑتا ہے وہاں اور گرد اور قرب وجوار کو چراغ کی لو دیکھ لیتی ہے۔ اس چراغ کی لو میں جس قدر روشنیاں ہیں ان میں درجہ بندی ہے۔ کہیں لو کی روشنی بہت ہلکی، کہیں ہلکی، کہیں تیز اور کہیں اہلہ جلا پڑتی ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا تو اہم پیدا ہوتا ہے۔ تو اہم لطیف ترین خیال کو کہتے ہیں۔ جو صرف اور اک کی گہرائیوں میں محسوس کیا جاتا ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی ہلکی پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا خیال رونما ہوتا ہے۔ ان چیزوں پر لو کی روشنی تیز پڑتی ہے۔ ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا تصور قدرے نمایاں ہو جاتا ہے اور ان چیزوں پر لو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے ان چیزوں تک ہماری نگاہ پہنچ کر ان کو دیکھ لیتی ہے۔ وہم، خیال اور تصور کی صورت میں کوئی چیز انسانی نگاہ پر واضح نہیں ہوتی اور نگاہ اس چیز کی محسوس نہیں کر سکتی۔

شہود

شہود کسی روشنی تک خواہ وہ بہت ہلکی ہو یا تیز ہو، نگاہ کے پہنچ جانے کا نام ہے۔ شہود ایسی روشنی ہے جو ہلکی سے ہلکی روشنی کو نگاہ میں منتقل کر دیتی ہے تاکہ ان چیزوں کو جواب تک محسوس ہو جس، وہ بالاصل صورت رنگ اور روپ کی حیثیت میں دیکھا جاسکے۔ روح کی وہ طاقت جس کا نام شہود ہے وہ ہم کو خیال کو تصور کو نگاہ تک لاتی ہے اور ان کی جزئیات کو نگاہ پر منکشف کر دیتی ہے۔

اقتدار

شہود میں برقی نظام بے حد تیز ہو جاتا ہے اور حواس میں روشنی کا ذخیرہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس قدر ہلکی سے ہلکی روشنی نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ مرحلہ شہود کا پہلا قدم ہے۔ اس مرحلے میں سارے حواس کا تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی صاحب شہود غیب کے معاملات کو خود و خال میں دیکھتا ہے۔

سماعت:

قوت بصارت کے بعد شہود کا دوسرا مرحلہ سماعت کا حرکت میں آتا ہے۔ اس مرحلہ میں ذی روح کے اندر کے خیالات آواز کی صورت میں صاحب شہود کی سماعت تک پہنچنے لگتے ہیں۔

شامہ اور لمس:

شہود کا تیسرا اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ صاحب شہود کسی چیز کو خواہ اس کا فاصلہ لاکھوں برس کے برابر ہو، سونگھ سکتا ہے اور چھو سکتا ہے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنی طویل شب بیداری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ "یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں آسمان میں فرشتوں کو چلتے پھرتے دیکھتا تھا۔" آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"اگر تم شب بیداری کو قائم رکھتے تو فرشتے تم سے مصافحہ بھی کرتے۔"

دور رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ میں شہود کے مدارج کا تذکرہ موجود ہے۔ فرشتوں کو دیکھنا باصرہ سے تعلق رکھتا ہے اور مصافحہ کرنا لمس کی قوتوں کی طرف اشارہ ہے جو باصرہ کے بعد بیدار ہوتی ہے۔

شہود کے مدارج میں ایک ایسی کیفیت وہ ہے جب جسم اور روح کی وادرت و کیفیت احاطہ ای نقطہ میں ملتی ہیں اور جسم روح کی تحریکات سے براہ راست متاثر ہوتا ہے۔

حضرت معروف کرہی:

صوفیاء کے حالات میں اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ مثلاً ایک قریبی شناسا نے حضرت معروف کرہی کے جسم پر نشان دیکھ کر پوچھا کہ کل تک تو یہ نشان موجود نہیں تھا آج کیسے پڑ گیا۔ حضرت معروف کرہی نے فرمایا کہ "کل رات نماز میں ذہن غائب کی طرف چلا گیا غائب کی طرف میں طواف کے بعد جب چاہا نرم نرم کے قریب پہنچا تو میرا پاؤں پھسل گیا اور میں گر پڑا۔"

پرکٹ لگی اور یہ اسی چوٹ کا نشان ہے۔

ایک بار اپنے مرشد کریم ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء کے جسم پر زخم کا غیر معمولی نشان دیکھ کر میں (خواجہ شمس الدین عظیمی) نے اس کی بابت دریافت کیا۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے بتایا۔ "رات کو روحانی سفر کے دوران دو چٹانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے چٹان میں ٹکلی ہوئی ایک ٹوک جسم میں پھنس گئی تھی۔"

جب شہود کی کیفیات میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو روحانی طالب علم بھی دنیا کی سیر اس طرح کرتا ہے کہ وہ فیب کی دنیا کی حدود میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور وہ سارے کام کرتا ہے جو دنیا میں کرتا ہے۔

سیر یا معائنہ:

صوفی جب مراقبہ کے مشاغل میں پوری طرح انہماک حاصل کر لیتا ہے تو اس میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ زمان کے وہوں کناروں ازل اور ابد کو چھو سکتا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کے تحت اپنی قوتوں کا استعمال کر سکتا ہے۔ وہ ہزاروں سال پہلے کے یا ہزاروں سال بعد کے واقعات دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے کیونکہ ازل سے ابد تک درمیانی حدود میں جو کچھ پہلے سے موجود تھا یا آئندہ ہوگا، اس وقت بھی موجود ہے۔ شہود کی اس کیفیت کو تصوف میں سیر یا معائنہ کہتے ہیں۔

تصوف کا طالب علم "سائل" جب اپنے قلب میں موجود روشنیوں سے واقف ہو جاتا ہے اور شعوری حواس سے نکل کر لاشعوری حواس میں داخل ہو جاتا ہے تو اسے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں وہ ان باتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے جو حقیقت میں چھپی ہوئی ہیں۔ صوفی پر عالم امر (روحانی دنیا) کے حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں اور روشنیوں کو سنبھالنے کے لئے انوار کس طرح استعمال ہوتے ہیں۔ پھر اس کے ادراک پر وہ تجلی منکشف ہو جاتی ہے جو روشنیوں کو سنبھالنے والے انوار کی اصل ہے۔

مراقبہ کے فوائد:

مراقبہ کرنے والے بندے کو متعدد جلیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

- (۱) خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔
- (۲) روحانی علوم منتقل ہوتے ہیں۔
- (۳) اللہ تعالیٰ کی توجہ اور قرب حاصل ہوتا ہے۔
- (۴) منشر خیالی سے نجات مل جاتی ہے۔ وحشی سکون حاصل ہوتا ہے۔
- (۵) اخلاقی برائیوں سے ذہن ہٹ جاتا ہے۔
- (۶) مسائل حل ہوتے ہیں۔ پریشانوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
- (۷) مراقبہ کرنے والا بندہ بیمار کم ہوتا ہے۔
- (۸) مراقبہ کے ذریعے بیمار یوں کا علاج قدرت کا سر بہت وار ہے۔
- (۹) اللہ تعالیٰ پر یقین مستحکم ہو جاتا ہے۔
- (۱۰) اپنے خیالات دوسروں کو منتقل کئے جاسکتے ہیں۔
- (۱۱) صاحب مراقبہ روحانی طور پر جہاں چاہے جاسکتا ہے۔
- (۱۲) مراقبہ کرنے والوں کو نیند جلدی اور گہری آتی ہے۔ وہ فوراً سو جاتا ہے۔
- (۱۳) فراست میں اضافہ ہوتا ہے۔
- (۱۴) کسی بات یا مضمون کو بیان کرنے کی اعلیٰ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔
- (۱۵) صاحب مراقبہ بندہ غنودہ درگزر سے کام لیتا ہے۔ دل نرم اور کھٹکولطف ہو جاتی ہے۔
- (۱۶) بلا تخصیص مذہب و ملت، اللہ کی مخلوق کو دوست رکھتا ہے اور خدمت کر کے خوش ہوتا ہے۔
- (۱۷) "ماں" سے والہانہ محبت کرتا ہے، باپ کا احترام کرتا ہے، بڑوں کے سامنے جھکتا ہے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے۔
- (۱۸) مراقبہ کرنے والا بندہ بخشنی اور مہمان نواز ہوتا ہے۔

(۱) اپنے پرانے سب کے لئے دعا کرتا ہے۔

(۲) مراقبہ کرنے والے کی روح سے عام لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔

(۳) تہ اشع اور انکساری اس کی عادت بن جاتی ہے۔

(۴) صاحب مراقبہ سالک کو پراگندہ خیالات بوجھ اور وقت کا ضیاع نظر آتے ہیں اور وہ ہر حال

میں ان سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کی روحوں سے امداد

کا طالب ہوتا ہے، اور اس کی بے قراری کو قرار آ جاتا ہے۔

(۵) نماز میں حضوری ہو جاتی ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتے ہوئے، اور سجدہ

کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے فرشتوں کو صف پہ صف دیکھتا ہے۔

(۶) آسمانوں کی سیر کرتا ہے۔ اور جنت کے باغات اس کی نظروں کے سامنے آ جاتے ہیں۔

(۷) کلف لغو رکے مراقبہ میں اس دنیا سے گزرے ہوئے لوگوں کی روحوں سے ملاقات

ہو جاتی ہے۔

(۸) بچے ثواب نظر آتے ہیں۔

(۹) شریعت و تصوف پر کار بند انسان کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

مراقبہ کی اقسام

مراقبہ کی یہ تین اقسام میں سے چند ہیں:

- (۱) سلوۃ قائم کرنا
- (۲) روزہ میں توجہ الی اللہ قائم کرنا۔
- (۳) حاجت اللہ میں دیدار الہی حاصل کر کے اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔
- (۴) تصور طبع کا مراقبہ
- (۵) قلبی روشنیوں کا مراقبہ
- (۶) مرتبہ احسان کا مراقبہ

- ۳۔ زرد روشنی کا مراقبہ
- ۴۔ سرخ روشنی کا مراقبہ
- ۵۔ جامنی روشنی کا مراقبہ
- ۶۔ یہ چاروں مراقبے کھلی آنکھوں سے کئے جاتے ہیں:
- ۱۔ مراقبہ سورج بنی
- ۲۔ مراقبہ چاند بنی
- ۳۔ مراقبہ دائرہ بنی
- ۴۔ مراقبہ طبع بنی

۵۔ مراقبہ کرنے کے آداب:

- ۱۔ مراقبہ کرنے کی جگہ ایسی ہونی چاہیے جہاں گرمی ہو نہ سردی ہو۔ ماحول معتدل ہو۔
- ۲۔ شور و غل اور ہنگامہ نہ ہو اور ماحول پرسکون ہو۔
- ۳۔ مراقبہ جہاں کیا جائے وہاں مکمل اندھیرا ہو۔ اگر ایسا ہوتا ممکن نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اندھیرا ہونا چاہیے۔
- ۴۔ مراقبہ بیٹھ کر کیا جائے۔
- ۵۔ لیٹ کر مراقبہ کرنے سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور مراقبہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔
- ۶۔ مراقبہ کے لئے نشست ایسی ہونی چاہیے جس میں آسانی سے بیٹھ کر مراقبہ کیا جاسکے۔
- ۷۔ ارکان اسلام کی پابندی کی جائے۔
- ۸۔ قصے سے گریز کیا جائے۔
- ۹۔ بڑوں کا احترام کریں اور بچوں سے پیار سے پیش آئیں۔

- ۷۔ پھولوں کا مراقبہ
- ۸۔ مراقبہ مشاہدہ قلب
- ۹۔ عرش کے تصور کا مراقبہ
- ۱۰۔ بیت المعمور کا مراقبہ
- ۱۱۔ جنت کا مراقبہ
- ۱۲۔ اپنی روح کے مشاہدے کا مراقبہ
- ۱۳۔ دل میں سیاہ نقطے کا مراقبہ
- ۱۴۔ مراقبہ معائنہ
- ۱۵۔ مراقبہ موت
- ۱۶۔ مراقبہ نور
- ۱۷۔ مراقبہ استرخاء
- ۱۸۔ مراقبہ ہاتھ لمبی
- ۱۹۔ مراقبہ کشف القبور
- ۲۰۔ مراقبہ تنہیم
- ۲۱۔ مراقبہ ذات
- ۲۲۔ مراقبہ توحید الہی
- ۲۳۔ مراقبہ سیرالکس و آفاق
- ۲۴۔ بیمار یوں کے علاج کے لئے بیمار یوں کی مناسبت سے مراقبے تجویز کئے جاتے ہیں۔
- ۲۵۔ مختلف رنگوں کی روشنیوں کے مراقبے:
- ۱۔ نیلی روشنی کا مراقبہ
- ۲۔ سبز روشنی کا مراقبہ

(۱۰) نشر سے بچا جائے۔

(۱۱) ذکر اذکار کی مجالس میں شریک ہوں۔

(۱۲) مراقبہ با وضو کیا جائے۔

(۱۳) وقت مقرر کر کے مراقبہ کرنا چاہئے۔

(۱۴) کھانے کے ڈھائی گھنٹے یا اس سے زیادہ وقفہ گزرنے کے بعد مراقبہ کیا جائے۔ کھانا

بھوک رکھ کر آدھا پیٹ کھانا چاہئے۔

(۱۵) زیادہ سے زیادہ وقت با وضو رہنے کی کوشش کی جائے مگر بول و براز نہ دیکیں۔ تاکہ طبیعت

بھاری نہ ہو۔

(۱۶) چلتے پھرتے وضو بغیر وضو دن میں یا قیوم کا ورد کیا جائے۔ اور رات کو اہتمام کے

ساتھ پاک صاف جگہ، پاک صاف پوشاک پہن کر اور عمدہ قسم کی خوشبو لگا کر کثرت سے

درد و شریف پڑھا جائے۔

مراقبہ کے لیے بہترین اوقات:

(۱) تہجد کے وقت

(۲) فجر کی نماز سے پہلے یا بعد میں

(۳) ظہر کی نماز کے بعد

(۴) عشاء کی نماز کے بعد

مراقبہ کس طرح کیا جائے:

(۱) مراقبہ کی بہترین نشست یہ ہے کہ سائیکل نماز کی طرح بیٹھے۔

(۲) آلتی پالتی مار کر بیٹھا جائے۔

(۳) دونوں زانوں پر ہاتھ رکھ کر حلقہ بنالیا جائے۔ کپڑا یا پٹکا بھی کمر اور ٹانگوں پر باندھا

جاسکتا ہے۔

(۱) مراقبہ میں مرشد سے رابطہ قائم ہونا ضروری ہے۔

(۲) آنکھیں بند ہوں اور نظر دل کی طرف متوجہ ہو۔

(۳) نماز کی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا جائے آنکھوں کی پتلیاں اوپر کی طرف ہوں۔

(۴) ناک کی نوک پر نظر جمائی جائے۔

(۵) کمر اور گردن سیدھی ذوقی چاہئے۔ لیکن سیدھا رکھنے میں کمر اور گردن میں تناؤ نہ ہو۔

(۶) سانس آئے جانے میں ہم آہنگی ہو۔ سانس دھونکی کی طرح نہ لیا جائے۔

(۷) مراقبہ خالی پیٹ کیا جائے۔

(۸) بلند کاغذ ہو تو خیند پوری کر لی جائے پھر مراقبہ کیا جائے۔

(۹) مراقبہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ دوسرے کسی آدمی کو ماورائی

چیزیں دکھائی جاسکتی ہیں۔ مطلب برادری کے لئے لوگوں کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ سب

استدراج کے دائرے میں شمار ہوتا ہے اور استدراج شرعاً ناجائز ہے۔ اور بالآخر آدمی خسارہ

میں رہتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ غلاف شرع باتوں سے لازماً اجتناب کرنا

چاہئے۔

(۱۰) مراقبہ سے پہلے اگر کچھ پڑھنا ہو تو وہ پڑھ کر شمال رخ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے

(اگر مغرب کی طرف منہ کیا جائے تو شمال سیدھے ہاتھ کی طرف ہوگا۔ کسی بھی رخ منہ کر

کے مراقبہ کیا جاسکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ شمال رخ منہ رہے) ذہن اس طرف متوجہ رکھا

جائے جس چیز کا مراقبہ کیا جا رہا ہے۔

(۱۱) مراقبہ کے دوران خیالات آتے ہیں۔ خیالات میں الجھنا نہیں چاہئے ان کو گزر جانے

دیں اور پھر ذہن کو واپس اسی طرف متوجہ کر لیں جس چیز کا مراقبہ کیا جا رہا ہو۔ کم سے

کم ۱۵ سے ۲۰ منٹ مراقبہ کے لئے کافی ہیں۔ زیادہ دیر بھی مراقبہ کیا جاسکتا ہے لیکن

ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ جس وقت دل چاہا مراقبہ کے لئے بیٹھ گئے یا تمام کام چھوڑ کر

مراقبہ ہی کرتے رہیں۔

(۱۵) مراقبہ تحت یا فرش پر کرنا چاہئے۔ کرسی، صوفے، گدے یا کسی ایسی چیز پر بیٹھ کر مراقبہ نہیں کرنا چاہئے جس سے ذہنی سکون میں خلل پڑنے کا امکان ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر امتی یہ بات جانتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار حرا میں طویل عرصے تک مراقبہ کیا ہے۔

دنیاوی معاملات، بیوی بچوں کے مسائل، دوست احباب سے عارضی طور پر رشتہ منقطع کر کے یکسوئی کے ساتھ کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا "مراقبہ" ہے۔

"اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ اور سب سے قطع تعلق کر کے اس ہی کی طرف متوجہ رہو" (سورۃ المزمل آیت نمبر ۸)

صاحب مراقبہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جگہ مراقبہ کیا جائے وہاں شور وغل نہ ہو اور جیرا ہو۔ جتنی دیر کسی گوشے میں بیٹھا جائے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ذہن کو مقصود کی طرف متوجہ رکھا جائے۔

پرہیز و احتیاط:

- (۱) مشاس کم سے کم استعمال کی جائے۔
- (۲) کسی قسم کا نشہ نہ کیا جائے۔
- (۳) کھانا آدھا پیٹ کھایا جائے۔
- (۴) ضرورت کے مطابق نیند پوری کی جائے اور زیادہ دیر بیدار رہے۔
- (۵) بولنے میں احتیاط کی جائے، صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے۔
- (۶) عیب جوئی اور نصیبت کو اپنے قریب نہ آنے دے۔
- (۷) جھوٹ کو اپنی زندگی سے یکسر خارج کر دے۔
- (۸) مراقبہ کے وقت کانوں میں روٹی رکھے۔
- (۹) مراقبہ ایسی نشست میں کرے جس میں آرام ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ کمر سیدھی رہے، اس

طرح سیدھی رہے کہ بڑھکی ہڈی میں تباؤ نہ ہو۔

(۱۰) مراقبہ کرنے سے پہلے ناک کے دونوں تھنوں سے آہستہ آہستہ سانس لیا جائے اور سینہ میں رو کے بلخیر خارج کر دیا جائے۔ سانس کا یہ عمل سکت اور طاقت کے مطابق استاد کی نگرانی میں ایک سے اکیس بار تک کریں۔

(۱۱) سانس کی مشق شامل رُخ بیٹھ کر کی جائے۔

طرح احسان کا مراقبہ:

ایک وقت نماز ادا کرنے سے پہلے مراقبہ میں بیٹھ کر یہ تصور قائم کیا جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اس لئے یہ تصور قائم کرنا کہ نماز میں خیالات کی یلغار نہیں رہتی۔

اب کوئی بندہ اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے اوپر قیب کی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے۔

مراقبہ موت:

ماوی جسم فنا ہونے کے بعد زندگی ختم نہیں ہوتی۔ "انسانی اتا" موت کے بعد مادی جسم کو خیر و شر کا فیصلہ کیا جائے گا جس کا نتیجہ ہے۔

مراقبہ موت کی مشق میں مہارت حاصل کر لینے کے بعد کوئی شخص مادی حواس کو مطلوب اور پسندیدہ اور پر روشنی کے حواس کو غالب کر سکتا ہے اور جب چاہتا ہے مادی حواس میں واپس آ سکتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"مر جاؤ مرنے سے پہلے" اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں رہتے ہوئے مادی حواس کو اس طرح مغلوب کر لیا جائے کہ آدمی موت کے حواس سے واقف ہو جائے اور انسان مادی حواس میں رہتے ہوئے موت کے بعد کی دنیا کا مشاہدہ کر لے۔

قبر میں دروازہ:

روحانی راستہ کے مسافر ایک صوفی نے کشف القیور کے مراقبہ میں جو دیکھا وہ اس

طرح بیان کرتا ہے:

”ایک پرانی قبر کے سرہانے جب میں نے مراقبہ کیا تو میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اسپرنگ کی طرح چھوٹے اور بڑے دائرے آنا شروع ہو گئے۔ یہ دائرے نہایت خوش رنگ تھے۔ پھر ایک دم اندھیرا ہو گیا اور خلا میں روشنی نظر آئی اور ایک بہت بڑی چار دیواری میں قلعہ کی طرح دروازہ نظر آیا..... میری روح اس دروازے میں داخل ہو گئی..... دروازہ میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ یہاں پورا شہر آباد ہے۔ بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ لکھوڑی اینٹوں کے مکان اور چکنی مٹی سے بنے ہوئے کچے مکان بھی ہیں۔ دھوبی گھاٹ بھی ہے اور ندی نالے بھی۔ جنگل بیابان بھی ہیں اور پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات بھی۔ یہ ایک ایسی ہستی ہے جس میں کائنات کے ساتھ ساتھ پتھر کے زمانے کے غاروں میں رہنے والے آدم زاد بھی ہیں۔ یہاں اس زمانے کے لوگ بھی ہیں جب آدم بے لباس تھا وہ ستر پوشی کے علم سے بے خبر تھا۔

ان میں سے ایک صاحب نے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا۔

”آپ نے اپنے جسم پر کپڑوں کا یہ بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے؟ صورت عقل سے تو آپ ہماری نوع کے فرد نظر آتے ہیں“

یہ اس زمانے کے مرے ہوئے لوگوں کی دنیا (اعراف) ہے جب زمین پر انسانوں کے لئے کوئی معاشرتی قانون رائج نہیں تھا اور لوگوں کے ذہنوں میں ستر پوشی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

یہ عظیم الشان شہر جس کی آبادی اربوں کھربوں سے متجاوز ہے، لاکھوں کروڑوں سال سے آباد ہے۔ اس شہر میں گھوم کر لاکھوں سال کی تہذیب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو آگ کے استعمال سے واقف نہیں اور ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو پتھر کے زمانے کے لوگ کہے جاتے

• جنسی بر

اور اس عظیم الشان شہر میں ایسی بستیاں بھی موجود ہیں جس میں آج کی سائنس سے بہت زیادہ ترقی یافتہ قومیں رہتی ہیں۔ انہوں نے اس ترقی یافتہ زمانے سے زیادہ طاقتور ہوائی جہاز اور میزائل بنائے تھے۔ اور انہوں نے جن کا نام ازن کھنولے وغیرہ رکھ دیا۔ اس شہر میں ایسی دانشور قوم بھی آباد ہے جس نے لاکھوں سال پہلے ایجاد کر لئے تھے جن سے کشش قفل ختم ہو جاتی ہے اور ہزاروں نین چٹانوں کا وزن کشش قفل نام کے پتھر کو گرام ہو جاتا ہے۔ لاکھوں سال پرانے اس شہر میں ایسی قومیں بھی محو استراحت یا کام میں ہیں جنہوں نے ٹائم اسپیس Less کر دیا تھا اور زمین پر رہتے ہوئے اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ آسمان پر فرشتے کیا کر رہے ہیں اور زمین پر کیا ہونے والا ہے۔ وہ اپنی ایجادات کی مدد سے لاکھوں سال پہلے دیتے تھے اور طوفان کے جوش کو بھاگ میں تبدیل کر دیتے تھے۔ اسی مادہ کی مدد سے ایسے قدسی نفس لوگ بھی موجود ہیں جو جنت میں اللہ کے مہمان ہیں اور ایسے شقی بھی جن کا مقدر دوزخ کا بدھن بننا ہے۔

یہاں کھیت کھلیان بھی ہیں اور بازار بھی۔ ایسے کھیت کھلیان جن میں کھیتی تو ہو سکتی ہے

اس امر و انداز کی نہیں ہے۔ ایسے بازار ہیں جن میں دکانیں تو ہیں لیکن خریدار کوئی نہیں۔

ایک صاحب دکان لگائے بیٹھے ہیں اور دکان میں طرح طرح کے ڈبے رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک صاحب نے پوچھا۔ یہ شخص اداس اور پریشان نظر آتا ہے۔

اس نے ہم چلا ”ہماری تمہارا کیا حال ہے؟“

”میں اس بات سے غمگین ہوں کہ مجھے پانچ سو سال بیٹھے ہوئے ہو گئے ہیں۔ میرے پاس ایک لاکھ بھی نہیں آیا ہے۔“ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص دنیا میں سرمایہ دار تھا۔ منافع خوری اور چور اور اس کا پیشہ تھا۔

براہر کی دکان میں ایک اور آدمی بیٹھا ہوا ہے بوڑھا آدمی ہے۔ بال بالکل ٹنگ لکھے ہوئے، کپڑے پر دھشت اور گھبراہٹ ہے۔ سامنے کاغذ اور حساب کتاب کے دست پر لکھے ہیں۔ یہ ایک استاد اور قدرے صاف دکان ہے۔ یہ صاحب کاغذ قلم لئے رقوم کی میزان دے رہے ہیں اور جب

رقموں کا جوڑ کرتے ہیں تو بلند آواز سے اعداد گنتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ”دو اور دو سات، سات اور دو دس، دس اور دس انیس۔“ اس طرح پوری میزان کر کے دوبارہ ٹول کرتے ہیں تاکہ اطمینان ہو جائے اب اس طرح میزان دیتے ہیں۔ ”دو اور تین پانچ، پانچ اور پانچ سات، سات اور نو بارہ۔“ مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب میزان کی جانچ کرتے ہیں تو میزان غلط ہوتی ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ رقموں کا جوڑ صحیح نہیں ہے تو وحشت میں جیتنے ہیں چلائے ہیں۔ ہال نوچتے ہیں اور خود کو کوستے ہیں۔ بڑبڑاتے ہیں اور سر کو دیوار سے ٹکراتے ہیں اور پھر دوبارہ میزان کرنے میں شہک ہو جاتے ہیں۔ میں نے بڑے میاں سے پوچھا۔

”جناب! آپ کیا کر رہے ہیں۔ کتنی مدت سے آپ اس پریشانی میں مبتلا ہیں۔“

بڑے میاں نے غور سے دیکھا اور کہا:

”میری حالت کیا ہے کچھ نہیں بتا سکتا، چاہتا ہوں کہ رقموں کی میزان صحیح ہو جائے مگر تین ہزار سال ہو گئے ہیں کم بخت یہ میزان صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ میں زندگی میں لوگوں کے حسابات میں دانستہ ہیر پھیر کرتا تھا بد معاملگی میرا شعار تھا۔“

علامہ موسے تعلق رکھنے والے ان صاحب سے ملے۔ داڑھی اتنی بڑی جیسے جگر ہیر کی جھاڑی۔ چلتے ہیں تو داڑھی کو اکٹھا کر کے کمر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں، اس طرح جیسے پٹا لپیٹ لیا جاتا ہے۔ چلنے میں داڑھی کھل جاتی ہے اور اس میں الجھ کر زمین پر اوندھے منہ گر جاتے ہیں۔ سوال کرنے پر انہوں نے بتایا۔ ”دنیا میں لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے میں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور داڑھی کے ذریعے بہت آسانی سے سیدھے اور نیک لوگوں سے اپنی مطلب برآری کر لیا کرتا تھا۔“

فرشتے کہتے ہیں:

”وہ دیکھئے سامنے بستی سے باہر ایک صاحب زور، زور سے آواز لگا رہے ہیں۔“ اے لوگو! آؤ! میں تمہیں اللہ کی بات سناؤں۔ اے لوگو! آؤ اور سنو، اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ ”کوئی بھی آواز پر کان نہیں دھرتا البتہ فرشتوں کی ایک ٹولی ادھر آ نکلتی ہے۔“

”ہاں سناؤ! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔“ ”صبح فوراً کہتا ہے۔“ ”بیت دیر سے بیٹا سا ہوں۔“

مجھے پہلے پانی پلاؤ، فرشتے کھولتے ہوئے پانی کا ایک گلاس منہ کو لگا دیتے ہیں۔ ہونٹ جل کر سیاہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ پانی پینے سے انکار کرتا ہے تو فرشتے یہی اہلتا اور کھولتا ہوا پانی اس کے منہ پر اتر کر دیتے ہیں۔ فرشتے ہنستے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں۔ ”مرد وہ کہتا تھا آؤ اللہ کی بات سناؤں گا۔ دنیا میں بھی اللہ کے نام کو بطور کاروبار استعمال کرتا تھا۔ یہاں بھی یہی کر رہا ہے۔“ بھلے اور بھلے ہوئے منہ سے ایسی وحشت ناک آوازیں اور جھنجھیلی نکلتی ہیں کہ انسان کو سننے کی تاب نہیں۔

ٹانگوں میں انگارے:

اس عظیم الشان شہر میں ایک جگہ اور تاریک گلی ہے۔ گلی کے اختتام پر کھیت اور جنگل ہیں۔ یہاں ایک مکان بنا ہوا ہے۔ مکان کیا ہے بس چار دیواری ہے اس مکان پر کسی رہ نہا چیز کی ہالی وار کھیت پڑی ہوئی ہے۔ دھوپ اور بارش سے بچاؤ کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس مکان میں صرف عورتیں ہیں، چھت اتنی نیچی ہے کہ آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ ماحول میں کھٹن اور افسوسناک ہے۔ ایک صاحب ٹانگیں پھیلائے بیٹھی ہیں۔ عجیب اور بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ٹانگوں سے اوپر کا حصہ احوال کے مطابق ہے اور ٹانگیں دس فٹ لمبی ہیں۔

اس بیت کڈائی میں دیکھ کر ان سے پوچھا ”محترمہ! آپ کیسی ہیں، آپ کی ٹانگیں اتنی لمبی کیوں ہیں؟“ انہوں نے بتایا کہ میں دنیا کے فانی میں جب کسی کے گھر جاتی تھی، ایک گھر کی بات دوسرے گھر ہا کر ملتی تھی اور خوب لگائی بھائی کرتی تھی۔ اب حال یہ ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ ٹانگوں میں اکڑا کر بھرے ہوئے ہیں۔ ہائے میں جل رہی ہوں اور کوئی نہیں جو مجھ پر ترس کھائے۔

طبیعت:

کشف القبور کے مراقبہ میں، میں نے دیکھا کہ چہرے پر زور اور خوف نمایاں، چھپتے چھپاتے اسے پاؤں یہ شخص ہاتھ میں چھری لئے چارہا ہے۔ افسوس، خدا یا، اس نے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کی پشت میں چھری گھوپ دی اور بچتے ہوئے خون کو کتے کی طرح زبان سے چاٹنے لگا۔ تازہ تازہ اور گاڑھا خون بچتے ہی خون کی تہ ہو گئی۔ تحیف اور نزار زندگی سے بیزار کراہتے ہوئے کہا۔ ”کاش عالم فانی میں یہ

بات میری سمجھ میں آ جاتی کہ نصیحت کا انجام یہ ہوتا ہے۔"

قییموں کا مال:

شکل و صورت میں انسان، ذیل ڈول کے اعتبار سے دیو۔ قد تقریباً 20 فٹ، جسم بے
انتہا چوزا، قد کی لمبائی اور جسم کی چوڑائی کی وجہ سے کسی کمرے یا کسی گھر میں رہنا ناممکن۔ بس ایک
کام ہے کہ اضطراری حالت میں مکانوں کی چھت پر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گھوم رہے
ہیں۔ بیٹھ نہیں سکتے، لیٹ بھی نہیں سکتے، ایک جگہ قیام کرنا بھی بس کی بات نہیں ہے۔ اضطراری
کیفیت میں اس چھت سے اس چھت پر اور اس چھت سے اس چھت پر مسلسل چھلانگیں لگا رہے
ہیں۔ کبھی روتے ہیں اور کبھی بے قرار ہو کر اپنا سر پیٹتے ہیں۔

پوچھا: "حضرت یہ کس عمل کی پاداش ہے؟ آپ اس قدر فکرمین اور پریشان کیوں ہیں؟
جواب دیا: "میں نے دنیا میں قییموں کا حق غصب کر کے بلذتیں بنائی تھیں۔ یہ وہی بلذتیں اور
ممانعتیں ہیں۔ آج ان کے دروازے میرے اوپر بند ہیں۔ لذیذ اور مرغین کھانوں نے میرے جسم
میں ہوا اور آگ بھردی ہے۔ ہوانے میرے جسم کو اتنا بڑا کر دیا ہے کہ گھر میں رہنے کا تصور میرے
لئے انتہائی بات بن گئی ہے۔ آہ! آہ! یہ آگ مجھے جلا رہی ہے۔ میں مل رہا ہوں۔ میں بھاگنا چاہتا
ہوں مگر فرار کی تمام راہیں ختم ہو گئی ہیں۔

ملک الموت اور ایک عورت کا مکالمہ:

میں نے مراقبہ موت میں دیکھا کہ کھیت کے کنارے ایک کچا کوٹھا بنا ہوا ہے۔ کوٹھے کے باہر
چہار دیواری ہے۔ چہار دیواری کے اندر صحن ہے۔ صحن میں ایک گھٹا درخت ہے۔ غالباً یہ درخت نیم کا
ہے۔ اس درخت کے نیچے بہت سے ٹوک جمع ہیں۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا ایک عورت
کھڑی ہے اور ایک صاحب سے الجھ رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ تم میرے غلام کو نہیں لے جاسکتے۔
صاحب کہتے ہیں کہ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے معاملات ہیں۔

میں فرست گیا ہے جس اسی طرح ہوتا ہے۔ عورت نے "ہائے" کہہ کر رور سے اپنے دونوں ہاتھ پیٹے
اور کہنے لگا کہ اللہ نے لے لیا۔

میں آگے بلا جاؤں پوچھا: "کیا بات ہے؟ آپ اس عورت کو کیوں پوچھنا کر رہے ہو؟ ان
صاحب نے کہا: "میں اس سے دیکھا ہوا ہوں کہ میں کون ہوں؟"

میں نے عرض کیا کہ میرا نام نہیں دیکھا کہ یہ حضرت ملک الموت ہیں۔ میں نے یہ بات اب سے
اگرچہ یاد رکھی ہے مگر ابھی یاد نہیں ہے۔ حضرت عرض کیا کہ میں نے معاملہ کیا۔ میں وقت میں نے ان سے
دیکھا ہے کہ وہاں ہوا ہے۔ چہرہ میں اگلی کا رنگ اور ہوا ہے۔ کئی جگہ بھی لگے ان پتھکوں کی وجہ
سے جس کی کئی لکڑیاں لگائی گئی ہیں۔ انھوں نے کہا: "پتھکوں کی لکڑیاں لگائی گئی ہیں۔"

میں نے پوچھا: "اس عورت کے غلام کا کیا معاملہ ہے؟"

حضرت فرمایا: "یہ صاحب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ یہ عورت ان کی بیوی ہے
اور یہ غلام ان کی زوجہ و بانی ہے۔ دیکھا میں ان کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یہ ہدایت ہے کہ اگر
اور اللہ و ملائکہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ و راضی برضا ہے اور اس دنیا سے سفر کرنے
کے لئے تیار ہے۔ لیکن رستم صاحب کا اصرار ہے کہ میں اپنے شوہر کو نہیں جانے دوں گی تا وقتیکہ ہم
دونوں پر ایک ساتھ موت وار ہو۔"

اس معاملہ میں مٹی اور پھولس کے بنے ہوئے ایک کمرے کے اندر ملک الموت میرا ہاتھ
بلا کر لے گیا۔ وہاں ایک خضر صورت بزرگ بھورے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ یہ کپڑے زمین پر
چھائے ہوئے ہیں۔ سر ہانے چڑے کا ایک ٹکیر رکھا ہوا ہے۔

کہیں کہیں سے سلائی اور مڑی ہوئی ہے اس میں سے بھورے کے پتے دکھائی دے رہے ہیں۔
الہامی گول اور پھولی ہے۔ لمبا قد اور جسم بھرا ہوا ہے، پیشانی کھلتی ہوئی، آنکھیں بڑی بڑی اور روشن ہیں۔
انسانی صورت کی طرح شعاعیں نکل رہی ہیں۔

حضرت ملک الموت نے کمرے میں داخل ہو کر کہا: "السلام علیکم یا عبد اللہ!"

میں نے بھی ملک الموت کی تقلید میں: "السلام وعلیکم یا عبداللہ کہا"

حضرت عبداللہ (عالبان کا نام عبداللہ ہی ہوگا) نے ملک الموت سے پوچھا:
"ہمارے خالق کا کیا حکم لائے ہو؟"

ملک الموت نے سر جھکا کر عرض کیا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔" ملک الموت دو ذائقہ ہو کر ان بزرگ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ بزرگ خوش خوشی عاجزی کے ساتھ لیٹ گئے۔ جسم نے ایک جہر جہری لی اور اس پر گزیدہ سستی کی روح پرواز کر گئی۔ فرشتہ آسمان میں اڑ گیا۔ اتنا اونچا، اتنا اونچا کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مراقبہ نور:

تصوف کے مطابق کائنات کی تخلیق کا بنیادی عنصر "نور" ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"

(سورہ نور آیت نمبر ۳۵)

نور اس خاص روشنی کو کہتے ہیں جو خود بھی نظر آتی ہے اور دوسری روشنیوں کو بھی دکھاتی ہے۔ روشنی، لہریں، رنگ، ابعاد یہ سب نور کی گونا گوں صفات ہیں۔ نور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بیک وقت ماضی اور مستقبل دونوں میں سفر کرتا ہے اور ماضی و حال کا آپس میں ربط قائم رکھتا ہے۔ اگر یہ ربط قائم نہ رہے تو کائنات کا رشتہ ماضی سے منقطع ہو جائے گا۔

ماضی اور حافظہ:

اس کی ایک مثال حافظہ ہے۔ جب ہم اپنے بچپن یا گذرے ہوئے کسی لمحے کو یاد کرتے ہیں تو ہمارا ماضی نور کے ذریعے حال میں وارد ہو جاتا ہے اور ہمیں بچپن کے واقعات یاد آ جاتے ہیں۔

جنات، ملائکہ اور دوسری مخلوقات کے حواس بھی نور پر قائم ہیں۔ روحانیت میں نور سے

تعارف حاصل کرنے کے لئے مراقبہ نور کرایا جاتا ہے۔ مراقبہ نور کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

(۱) طالب علم تصور کرتا ہے کہ ساری کائنات اور اس کی مخلوقات نور کے وسیع و عریض سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ وہ خود کو بھی نور کے سمندر میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔

(۲) عرش کے اوپر سے نور کا دھارا ساری دنیا پر برس رہا ہے۔ صاحب مراقبہ خود پر بھی نور برستا ہوا محسوس کرتا ہے۔

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نور کی مثال طاق کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہو اور چراغ ششے کی قدیل میں ہے۔"

(سورہ نور آیت نمبر ۳۵)

روحانی طالب علم اس آیت میں دی گئی مثال کے مطابق تصور کرتا ہے کہ چراغ کی نورانی عوامل سے اس کا پورا جسم منور ہو رہا ہے۔

اسمائے الہیہ کا مراقبہ:

اسی طرح قرآن کریم یا اسمائے الہیہ کے انوار و تجلیات کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ کوئی آیت یا اسم، اسماء الہیہ کا ورد کر کے اس کے معنی اور مفہوم کو دل میں اچھی طرح جاگزیں کر کے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر اللہ کی کوئی صفت یا صفات موجود ہیں۔ مراقبہ کرتے کرتے، سالک کے اندر ایسا استغراق پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شے میں اسے نور اور روشنی نظر آتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ہر شے نور اور روشنی کے خلاف میں بند ہے۔

صوفی جب قرآن پاک کی آیت کے مطابق مراقبہ میں یہ تصور کرتا ہے کہ:

"اللہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو"

(سورہ حدید آیت نمبر ۴)

تو یہ تصور اس قدر پختہ اور گہرا ہو جاتا ہے کہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، تنہائی میں، لوگوں کے ساتھ ملاقات میں، مصروفیت میں، فراغت میں، بندہ کا ذہن اللہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

”مراقبہ کے ذریعے علم تصوف کا حصول یہ ہے کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ دیکھنا مشاہدہ

قلب ہے۔

روشنیوں کی اصل:

مذہب عالم نے کسی نہ کسی طرح ایک نظریہ آنے والی روشنی کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسی روشنی جو ساری روشنیوں کی اصل ہے اور تمام موجودات میں موجود ہے۔ انجیل میں ہے:

”خدا نے کہا روشنی اور روشنی ہو گئی۔“

حضرت موسیٰ نے وادی سینا میں سب سے پہلے جھاڑی میں روشنی کا مشاہدہ کیا اور اسی

روشنی کی معرفت اللہ کے کلام سے شرف ہوئے۔ ہندومت میں اسی روشنی کا نام ”جوت“ ہے۔

عالم اعراف

کشف القبور:

مرنے کے بعد آدمی ملکوتی دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ انسانی اتار دوسری دنیا میں بھی زندگی کے شب و روز چلے کرتی ہے۔ مرنے کے بعد زندگی کو اعراف کی زندگی کہتے ہیں، اس زندگی کا دار و مدار دنیا کے اعمال پر ہے۔ اگر انتقال کے وقت کوئی شخص سکون سے لبریز اور قانی پر آمدگی اور کثافت سے آزاد ہے تو اعراف کی کیفیات میں بھی سکون اور اطمینان قلب کا غلبہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص اس دنیا سے بے سکونی، حسرت کی غلطش اور فتنی گھٹن لے کر اعراف میں منتقل ہوتا ہے تو وہاں بھی گھٹن، پریشان، بے چین اور بے سکون رہے گا۔

کشف القبور کا مراقبہ اس شخص کی قبر پر کیا جاتا ہے جس سے اعراف میں ملاقات کرنا مقصود ہو۔ کشف القبور کے مراقبے کے ذریعے مرحوم یا مرحومہ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

جب کشف القبور کا مراقبہ کسی صوفی یا ولی اللہ کے مزار پر کیا جاتا ہے تو اس سے مقصدان کی زیارت اور روحانی فیض کا حصول ہوتا ہے۔

کشف القبور کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے:

قبر کے پیروں کی طرف بیٹھ جائے۔

”ناک کے ذریعے آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچے اور جب سید بھر جائے تو رو کے بغیر آہستگی سے باہر نکال دے۔ یہ عمل کیا دہ مرتبہ کرے۔

اس کے بعد 100 دفعہ درود شریف اور 100 دفعہ ”یا باعش“ پڑھ کر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میں قبر کے اندر ہوں۔

کچھ دیر بعد ذہن کو قبر کے اندر گہرائی کی طرف لے جائے گویا قبر ایک گہرائی ہے اور توجہ

اس میں اترتی جا رہی ہے۔ اس تصور کو مسلسل قائم رکھنے سے باطنی نگاہ متحرک ہو جاتی ہے اور مرحوم شخص کی روح سامنے آ جاتی ہے۔ ذہنی سکوت اور قوت کی مناسبت سے مسلسل مشق اور کوشش کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مراقبہ مرشد کریم کی نگرانی کے بغیر نہ کیا جائے کیونکہ شعور کے سامنے ایک دم روح آ جانے سے ذہن پلٹ سکتا ہے۔ اور آدمی پر دیوانگی طاری ہو سکتی ہے۔

کشف القبور کی صلاحیت کو زیادہ تر اولیاء اللہ کے مزارات پر فیض کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

جنت کا باغ:

ایک صوفی نے سعدی شریف میں لعل شہباز قلندر کے مزار پر مراقبہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے اندر سے روح کا ایک پرت نکلا اور قبر کے اندر اتر گیا۔

”لحد میں صاحب قبر موجود تھے۔ قبر کے بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی یا چھوٹا دروازہ ہے۔ قلندر صاحب نے فرمایا۔ ”جاؤ! یہ دروازہ کھول کر اندر کی سیر کر وہاں جا سکتے ہو۔“

صوفی نے دروازہ کھولا تو ایک باغ نظر آیا۔ ایسا خوبصورت باغ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی اس باغ میں ایسے پرندے دیکھے جن کے پروں سے روشنی نکل رہی ہے۔ ایسے پھول دیکھے جن کا تصور نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ پھولوں میں ایک خاص اور عجیب بات یہ نظر آئی کہ ایک ایک پھول میں کئی کئی سو رنگوں کا استراحت ہے اور یہ رنگ محض رنگ نہیں بلکہ ہر رنگ روشنی کا ایک قطرہ ہے۔ ہوا چلتی ہے تو یہ رنگ اور روشنیوں سے بچے ہوئے پھول ایسا سماں پیدا کرتے ہیں کہ ہزاروں رنگ برنگے روشن قہقہے درختوں کی شاخوں پر جھول رہے ہیں۔

جنت کے انگور:

درختوں میں ایک خاص بات نظر آئی کہ ہر درخت کا تنہا اور شاخیں، پتے، پھل اور پھول ایک دائرے میں تخلیق کئے گئے ہیں۔ جس طرح برسات میں ساپ کی پھتری زمین میں سے اگتی ہے۔ اسی طرح گول اور بالکل سیدھے تنے کے درخت ہیں۔ ہوا جب درختوں اور پتوں سے ٹکراتی ہے تو ساز بجنے

لگتے ہیں ان سازوں میں اتنا کیف ہے کہ آدمی کا دل وجدان سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس باغ میں انگور کی بیلیں ہیں۔ انگوروں کا رنگ گہرا گلابی یا گہرا نیلا ہے۔ بڑے بڑے خوشوں میں ایک ایک انگور اس فانی دنیا کے بڑے سب کے برابر ہے۔ اس باغ میں آبشار اور صاف شفاف دودھ جیسے پانی کے ٹپے ہیں۔ بڑے بڑے حوضوں میں سینکڑوں قسم کے کنول کے پھول گردن افشائے کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ باغ میں ایسا سماں ہے جیسے صبح صادق کے وقت ہوتا ہے یا بارش چھٹنے کے بعد سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ہوتا ہے۔ اس باغ میں پرندے تو ہزاروں قسم کے ہیں مگر چوپائے کھل نظر نہیں آتے۔ بہت خوبصورت درخت پر بیٹھے ہوئے ایک طوطے سے صوفی نے پوچھا کہ یہ باغ کہاں واقع ہے اس طوطے نے انسانوں کی بولی میں جواب دیا۔

”یہ جنت القلند ہے۔ یہ اللہ کے دوست لعل شہباز قلندر کا باغ ہے“ اور حمد و ثناء کے ترانے کا تہوا اڑ گیا۔ انگوروں کا ایک خوش بوڑ کر داپس جنت کی کھڑکی سے دوبارہ قبر شریف میں آ گیا۔ قلندر صاحب نے پوچھا ”ہمارا باغ دیکھا، پسند آیا تمہیں“ عرض کیا کہ ”ایسا باغ نہ کسی نے دیکھا اور کوئی انسان اس کی تعریف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا“

جنت کا لباس:

روح کی ازلی صفت ہے کہ ہر عالم میں اپنا لباس اختیار کر لیتی ہے جس طرح روح آب و گل کی دنیا میں گوشت پوست کا لباس اختیار کرتی ہے اس ہی طرح مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنا ایک لباس بناتی ہے اور اس لباس میں وہ تمام صفات اور صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو مرنے سے پہلے اس دنیا میں موجود تھیں۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ خوشی و غم کیا ہیں؟ یہ لوگ آپس میں جنتی اور دوزخی لوگوں میں امتیاز بھی کرتے ہیں۔

”اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پانچکے جو ہم کو وعدہ دیا تھا ہمارے رب نے تحقیق سونم نے بھی پایا؟ جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا تحقیق ہو لے۔ ہاں، پھر پکارا ایک پکارنے والے نے ان کے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی داد سے، ڈھونڈتے ہیں اس

میں کچی اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ "ان دونوں گروہ کے درمیان ایک اوٹ جاکھ ہوگی جس کی بلندیوں (اطراف) پر کچھ لوگ ہوں گے۔ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے "سلاستی ہو تم پر" یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہو گئے اور جب ان کی نکاحیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے۔ "اے رب! ہمیں ان نکاحوں میں شامل نہ کیجئے۔" پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے۔ "دیکھ لیا تم نے! آج نہ تمہارے جتنے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے اور کیا اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ نہیں دے گا۔ آج ان سے کہا گیا ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ رنج۔"

(سورہ اعراف آیت نمبر ۴۳-۴۹)

ویڈیو قلم:

نوع انسان اور نوع اجنہ کے لئے دو طبقے متعین ہیں۔ یہ دونوں طبقے علیین اور سجدین ہیں۔

"اور آپ کیا سمجھ سجدین کیا ہے۔ یہ لکھی ہوئی کتاب ہے۔"

(سورہ مطففین - آیت ۸-۹)

"اور آپ کیا سمجھ علیین کیا ہے۔ یہ لکھی ہوئی کتاب ہے۔"

(سورہ مطففین - آیت ۲۰-۱۹)

کتاب المرقوم لکھی ہوئی کتاب (ریکارڈ) ہے۔ انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ سب کا سب فلم کی صورت میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ ہر خیال، ہر تصور، ہر حرکت اور ہر عمل شکل و صورت رکھتا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمارے اپنے علم کے دائرے میں اس کی فلم بن جاتی ہے۔

ہاتف غیبی:

کائنات ایک اجتماعی فہم رکھتی ہے۔ ہر ذرے، سیارے، ستارے، چاند پرندہ، حیوان، انسان،

جنات اور فرشتے سب کو زندگی کی تحریکات ایک ایسے شعور سے ملتی ہیں جو اپنے اندر کائنات کی معلومات کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ دور جدید کی زبان میں اس کی مثال ایک ایسے کیمرے کی ہے جس میں کسی ملک کے کوائف اور حالات کا مکمل ریکارڈ موجود ہو۔

اس شعور سے رابطے کا ذریعہ آواز ہے۔ اس آواز کو اصطلاحاً ہاتف غیبی کہتے ہیں۔ جس کے معنی "غیب کا پکارنے والا" ہے۔ یہ آواز کائنات میں ہر وقت دور کرتی رہتی ہے اور کوئی شخص جس کا ذہن مرکزیت قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آکاش سے پاک ہے، متوجہ ہو کر اسے سن سکتا ہے۔ سوال کرنے تو جواب پاسکتا ہے۔

کائنات آواز کی بازگشت ہے:

تمام مذاہب آواز کو اولیت دیتے ہیں۔ انجیل میں ہے کہ:

"خدا نے کہا اور روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی۔"

ہندو مذہب میں "اوم" کی آواز کو مقدس خیال کیا جاتا ہے۔

ہندو سادھو کہتے ہیں کہ:

آکاش اور دھرتی اور اس کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اوم کی بازگشت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

کائنات میں ایک آواز مسلسل دور کر رہی ہے۔ اس آواز کا نام "اوم" آکاش والی "یعنی آسمانی صدارت کے ہیں۔

صوفیاء بھی ایک غیبی آواز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ "ہو" صوت سرمدی "یعنی خدائی آواز کہلاتی

ہے۔ اسی آواز سے اولیاء اللہ پر الہام ہوتا ہے۔

اس آواز کو سننے کا طریقہ یہ ہے کہ:

مراقبہ کی نشست میں بیٹھ کر دونوں کانوں کے سوراخ گورولی کے پھوئے سے بند کر دیا

جائے۔ اب اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو کر ایک ایسی آواز کا تصور کیا جائے جو مندرجہ ذیل کسی آواز سے

مشابہت رکھتی ہو۔

(۱) منہی اور سرلی آواز

(۲) شہد کی مکھڑوں کی جھنڈناہٹ

(۳) پانی کے جھرنے کی آواز یعنی وہ آواز جو پانی کی سطح پر پانی کے گرنے یا پتھروں پر پانی کے گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

(۴) بانسری کی آواز

(۵) گھنٹیوں کی آواز

آواز میں اسرار و رموز:

صاحب مراقبہ جب مسلسل اس آواز پر دھیان مرکوز رکھتا ہے تو کان میں آواز آنے لگتی ہے۔ یہ آواز مختلف انداز اور طرزوں میں سنائی دیتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ آواز میں الفاظ اور جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔ آواز کے ذریعے مراقبہ کرنے والے پر اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں۔ فیہی واقعات کا کشف اور عالم بالا سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ جب صاحب مراقبہ مشق میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو فیہی آواز سے گفتگو کی نوبت آ جاتی ہے اور وہ آواز سے سوال جواب بھی کرتا ہے۔ جب کوئی شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہاتف فیہی کو سن سکے تو از خود سوال کرنے اور جواب حاصل کرنے کی صلاحیت بھی اس کے اندر بیدار ہو جاتی ہے۔ تاہم عملی طور پر اس کا طریقہ یہ ہے:

☆ جو بات چچھنی ہو اس کو ذہن میں ایک بار دہرائیں۔

☆ پھر مراقبہ کی حالت میں بیٹھ کر ہاتف فیہی کی طرف توجہ کریں اور مسلسل دھیان قائم رکھیں۔

☆ اس وقت سوال کو ذہن میں نہ لائیں صرف توجہ ہاتف فیہی کی طرف مرکوز رکھیں۔

☆ ذہنی یکسوئی اور دماغی طاقت کی مناسبت سے جلد ہی آواز کے ذریعے جواب ذہن میں آ جاتا ہے۔

☆ ہاتف فیہی کی آواز سننے یا ملاقات کرنے کے لئے اہم ضرورت مرشد کریم کی نگرانی ہے۔ یہ

ایسی ہی بات ہے کہ چھوٹے ناواقف بچے کو کسی لیبارٹری میں اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ اور وہاں ایسے کیمیکل ہوں جو نقصان کا سبب بن سکتے ہوں۔ تو اسے فائدہ کے بجائے تکلیف اور پریشانی لاحق ہوگی۔

مراقبہ قلب:

مرشد کریم کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اپنے دل کے اندر جھانکیں اور لگاؤ تصور سے یہ دیکھیں کہ دل میں ایک سیاہ نقطہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد نقطے کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذہن کو نقطے کی گہرائی میں داخل کیا جائے۔ آہستہ آہستہ ذہن نقطے کی گہرائی میں داخل ہوتا ہے اور جس مناسبت سے گہرائی واقع ہوتی ہے نقطے کے اندر پہلے دنیا اور پھر دنیا میں نظر آنے لگتی ہیں۔

مسلمان سائنسدان

۱۳۶۳ سال پہلے زمین پر جہالت کی سیاہ چادر بھیلی ہوئی تھی ہر طرف لسا اور پاتھا۔ جہالت اور بربریت کی اس سے زیادہ بری مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ والدین اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ بے حیائی اور فحاشی عام تھی۔ زمین جب فساد اور خون خرابے سے بھر گئی اور اشرف المخلوقات نے انسانی حدود کو پھلانگ کر حیوانیت کو اپنالیا اور اللہ کے عطاء کردہ انعام "فی الارض خلیفہ" کے منصب کو بکسر بھول گیا تو اللہ نے زمین کو دوبارہ پر سکون بنانے کے لئے اپنے محبوب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس برگزیدہ مقدس اور مطہر بندے نے حبیب و غریب و حیرت انگیز و ممد و ملاحد و درگدگ اللہ کی نشانیوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ ابتدائی دور میں زمین و آسمان کی حقیقت عربوں پر عیاں ہو گئی۔

قرآن نے بتایا:

"چٹک زمین و آسمان کی پیدائش رات اور دن کے بار بار نکلا ہونے اور چھپنے میں ان حکمدوں کے لئے نشانیاں ہیں جو لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ تو نے یہ سب فصول اور بے مقصد نہیں بنایا اور ہمیں روزِ آخر کی آگ سے محفوظ کر دے۔"

(سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۰-۱۹۱)

"کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کسی قسم کا ستم نہیں ہے اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ بنائے اور اس میں سے ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دانا اور دینا ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔"

(سورۃ ق آیت نمبر ۸۵۶)

جب مسلمان علم کی تلاش میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے علم کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جو ان کی

تحقیقات سے تشہر رہا ہو۔ ان کی تحقیقات پوری امت مسلمہ کے لئے سبق آموز ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ مغربی ممالک کی لائبریریاں آج بھی مسلمان اسلاف کی کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ وہ دانشور مسلمان ہیں جنہوں نے تحقیقات کر کے علوم کی شمعیں روشن کیں۔ مسلمانوں نے دنیا میں اس وقت روشنی پھیلائی جب چہار سو تار کی پھیلی ہوئی تھی ان مفکرین، محققین میں علوم باطن کے ماہرین مصوفین بھی تھے اور سائنسدان بھی تھے۔ آج مسلمان جی دست ہے۔ اسلئے کہ من حیث القوم ہمارے اندر سے تلگر۔ ریسرچ اور اللہ کی نشانیوں میں سوچ و بچار کا ذوق ختم ہو گیا ہے۔

عبدالمالک الصمعی:

عبدالمالک الصمعی نے علم ریاضی، علم حیوانات، علم نباتات اور انسان کی پیدائش اور ارتقاء پر تحقیق کی۔ عبدالمالک الصمعی سائنس کا پہلا بانی ہے اس سے پہلے سائنس کے علم کا وجود تاریخ کے صفحات پر موجود نہیں ہے۔

جابر بن حیان:

جابر بن حیان کی کتابوں کے تراجم پندرہویں صدی عیسوی تک یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ اس سائنس دان نے کپڑے کو واٹر پروف، لوہے کو ڈنگ سے محفوظ رکھنے اور شیشے کو رنگین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے صفر کا اضافہ کر کے ہندسوں کی قدر کو بڑھایا۔ اس نے کڑواڑی کے نقشے بنائے اور جغرافیہ میں تحقیقات کیں۔

علی ابن سہیل ربان الطبری:

علی ابن سہیل ربان الطبری نے فردوس الحکمت کے نام سے ایک مکمل کتاب لکھی۔

دہلے سائنس

یعقوب بن اسحاق الکندی:

یعقوب بن اسحاق الکندی علم فلکیات، کیمسٹری، موسیقی اور طبیعیات میں ماہر تھا۔

ابوالقاسم عباس بن فرناس:

ابوالقاسم عباس بن فرناس ہوا میں اڑنے کے تجربے کرتا رہا اس کی کوششیں ہوائی جہاز بننے کا لٹریچر ثابت ہوئیں۔ دھوپ گھڑی بھی اسکی ایجاد ہے۔

ثابت ابن قرۃ:

ثابت ابن قرۃ نے لیور اور گھیر ایجاد کئے، لیور اور گھیر نہ ہوتے تو آج ہم بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ نئی ایجاد نہیں کر سکتے تھے۔

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی:

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی کو سرجری میں مہارت حاصل تھی۔ آپریشن کے بعد جلد کو سینے کا طریقہ بھی اس کی ایجاد ہے۔

ابوالنصر الفارابی:

ابوالنصر الفارابی نے موسیقی کا ایک آلہ ایجاد کیا تھا جس کی آواز سننے والا کبھی سو جاتا تھا کبھی روتا تھا اور کبھی ہنستا تھا۔

ابوالحسن المسعودی:

ابوالحسن المسعودی سب سے پہلا شخص ہے جس نے بتایا کہ زمین کی جگہ سمندر تھا اور سمندر کی جگہ زمین۔ یہ بات اس نے اس وقت بتائی تھی جب پیمائش کے لئے کوئی آلہ موجود نہیں تھا۔

ابن سینا:

ابن سینا میڈیکل سائنس کا ماہر تھا اس نے علم الادیان کا نقشہ بنایا اور اس کے الگ الگ حصے

کر کے اس کی تصویریں بنائیں۔

موجودہ میڈیکل سائنس میں ANATOMY اسی کی تحریر کردہ کتاب کا ترجمہ ہے۔

ابن سینا نے جسمانی حرارت تاپنے کا آلہ ایجاد کیا جو تھرمائیٹری صورت میں آج بھی موجود ہے۔ علی ہذا القیاس بیان کردہ سائنس دانوں کے علاوہ انیس یا بیس سائنسدان اور ہیں جنہوں نے تحقیق و تلاش کے بعد سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔

شاہ ولی اللہ:

شاہ عبدالعزیز کے والد بزرگوار نے پہلی مرتبہ قرآن کا قاری ترجمہ کیا۔ انہوں نے غیب کے اوپر سے پردہ اٹھایا۔ کائناتی نظام کی نقاب کشائی کی اور بتایا کہ ہر انسان کے اوپر نور کا بنا ہوا ایک جسم ہے جو انسان کے جسم کے ساتھ چپکا رہتا ہے۔ محروم اور زوال پذیر قوم نے یہ قدر کی کہ ان کے خلاف قتل کی سازش کی۔

سائنس کا غلطہ بلند ہوا اور سائنس نے AURA کا تعارف کرایا تو قوم نے اسے نفوذ پا لہ صیغہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

بابا تاج الدین ناگپوری:

بابا تاج الدین نے بتایا کہ انسان کی نگاہ میں بہت زیادہ وسعت ہے۔ سورج 9 کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب ہماری نگاہ سورج کو دیکھ سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر کے قانون سے واقف ہو کر دور دراز اشیاء کو کسی DEVICE کے بغیر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کائنات میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے ہم رشتہ ہے۔ ہر ذرہ دوسرے ذرے کے ساتھ جوست ہے۔ جان جب جان سے ملے ملتی ہے تو زندگی بن جاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی:

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے حالات و واقعات ہماری راہنمائی کرتے ہیں کہ ناپیدہ مخلوق جنات

کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ان سے دوستی کر سکتے ہیں۔ اور ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

محی الدین ابن عربی:

شیخ اکبر ابن عربی نے بتایا کہ روح کو دیکھنا، روح سے مکالمہ کرنا اور روح کے ذریعہ عالم بالا میں سیر کرنا، انفس و آفاق کے رموز سے آگاہ ہونا، انسانوں کے لئے ممکن ہے۔

قلندر بابا اولیاء:

عظیم روحانی سائنسدان قلندر بابا نے خواب کے اوپر سے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی زندگی آدمی بیداری میں اور آدمی خواب میں گزرتی ہے۔ بیداری کی زندگی ہو یا خواب کی زندگی دونوں کو روح فیڈ (Feed) کرتی ہے۔ قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں کہ:

”روح“ تجھنی، نور اور روشنی سے مرکب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روح کے اندر یہ وصف دکھا ہے کہ روح نسرہ کی تشکیل کرتی ہے۔ نسرہ میں جلی کے قطرے ملا کر اعلیٰ تخلیق ہوتے ہیں۔

نسرہ میں جب نور غالب ہوتا ہے تو ملائکہ کی تخلیق عمل میں آتی ہے اور نسرہ میں جب روشنی کا غلبہ ہوتا ہے تو جنات اور انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

انسان اور جنات کی تخلیق میں یہ غار مولانا کام کر رہا ہے کہ یہ دونوں مخلوق ظاہر اور غیب میں رد و بدل ہوتی رہتی ہیں۔ غیب میں رد و بدل ہونا خواب کی زندگی ہے۔ اور ظہر میں منتقل ہونا بیداری کی زندگی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواب کی دنیا ہو یا بیداری کی دنیا، دونوں عوالم پر قائم ہیں۔ حواس کی تشکیل میں مسلسل اور متواتر فعال انظار مشن کا عمل و ثل ہے۔ انظار مشن کا بہاؤ جب نزول کرتا ہے تو ایسے انیم بنتے ہیں جن سے اسپیس (Space) کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور جب انظار مشن کا بہاؤ صعود میں ہوتا ہے تو ایسے انیم بنتے ہیں جن سے عالم بالا کی مخلوق وجود میں آتی ہے۔

قرآنی نظریہ:

عربوں سے پہلے یورپ، امریکہ، مصر اور ایشیائی ممالک چین، ہندوستان اور جاپان وغیرہ میں سائنس کا عمل دخل نہیں تھا۔ البتہ یونان میں کسی قدر علم موجود تھا۔ علمی تحقیقات اور نئی نئی ایجادات کی طرف رغبت پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ قرآن پاک کے نازل ہونے کے بعد سر زمین عرب جب علم کی روشنی سے منور ہوئی اس وقت مغربی ممالک میں تہذیب و تمدن کا کوئی نشان نہ تھا۔ روس کے لوگ انسانی کھوپڑیوں میں پانی پیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان صحرائیوں کی زندگی بدل دی۔

قرآن کے علم اور قرآن کے بتائے ہوئے روشن راستے پر چل کر پچاس سال کی مختصر مدت میں مسلمانوں نے آدھے سے زیادہ دنیا فتح کر لی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں مسلمانوں کے قدموں پر جھک گئیں۔ قرآنی آیات کے انوار سے روشن دل مسلمانوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور دنیا کو ایک نئی تہذیب و تمدن سے آراستہ کر دیا۔

یونیورسٹیاں:

قرآنی نظریہ کے مطابق مسلم اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں کے تراجم ہوئے تو ان تحریروں کو یورپ میں اتنی زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ وہاں یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں۔ مختلف علوم سائنس و فلکیات اور ریاضی پر لکھی ہوئی کتابیں چار سو سال تک وہاں کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل رہیں۔ یورپ کے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان نہ ہوتے تو یورپ علم کی روشنی سے محروم رہ جاتا۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں کا علمی زوال شروع ہوا۔ امت مسلمہ قرآنی تحقیق و تفکر (تصوف) سے دور ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے قرآن کے انوار و حکمت سے خود ساختہ دوری قبول کر لی۔ مسلمانوں نے تفکر کرتا چھوڑ دیا پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ قرآنی علوم کے ذریعہ معاشی و معاشرتی اور روحانی زندگی کی جو شمع روشن ہوئی تھی قوم نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔

تفسیر کائنات جو قرآن کا پورا اور مکمل تیسرا علم ہے اس کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور عالم اسلام اس شعور سے محروم ہو گیا جو چودہ سو سال پہلے قرآن نے عطا کیا تھا اور جب کوئی قوم فکر، تحقیق و تلاش، بصیرت و حکمت اور نور علی نور فہم و فراست سے محروم ہو جاتی ہے تو گمراہیوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اور قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

روحانیت کے خلاف سازش:

دنیا کے دوسرے معاملات کی طرح منافق اور سازشی لوگوں نے روحانی سلسلوں میں بھی اپنا عمل دخل جاری رکھا اور لوگوں کی توجہ کشف و کرامات کی طرف مبذول کر دی۔ اس طرز فکر کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا گیا کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ روحانیت کا مطلب کشف و کرامات کے علاوہ کچھ نہیں ہے دوسری بات جو حقیقت کے برخلاف بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ تفسیر کائنات یا روحانی علوم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہوا مسلمان قوم ریسرچ سے محروم ہو گئی اور غیر مسلم اقوام نے علم کائنات میں ترقی کر لی۔ آج کے دور میں ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ سو سال پہلے جو باتیں کرامات کے زمرے میں بیان کی جاتی تھیں وہ سائنسی نظام کے تحت عام ہو گئی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو پانچ جگہ یا سات جگہ دیکھا گیا تھا ایک بہت کم وزن بات معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کی تعلیمات کو اگر مادی شعور کے دائرے میں رو کر سمجھا جائے تو قرآن کے معنی اور مفہوم میں شدید غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام قرآن جیسی عظیم الشان اور لاریب کتاب کے بارے میں اپنے قائم کردہ مفہوم پر متفق نہیں ہیں۔ ہر تفسیر نئے اسلوب اور نئی شرح کی دستاویز ہے قرآن کے الفاظ اس لئے محفوظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

ابدی زندگی کا راز:

صوفیاء کرام کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ انسان ہر لمحہ مرتا ہے اور لمحہ کی موت انسان کے اگلے لمحہ کی زندگی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ تھوڑے سے تفکر سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی جتنی بھی کاوشیں ہیں چاہے وہ اعمال ہوں، علم ہو، فہم ہو، اخلاقیات ہوں یہ سب قبر تک کے معمولات ہیں اگر زندگی اور حیات

کی ہم آہنگی کا ادراک انسان کر لے تو حیات ابدی کا راز اسی زندگی کے میل و نہار میں کھل جاتا ہے۔

ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ آج کا انسان مادی ماحول میں اس قدر کھو چکا ہے کہ اس نے مذہب کو مادی لذتوں کا وسیلہ بنالیا ہے۔ مذہب کا نام استعمال کرنے والے تو بہت ہیں مگر ایمان یقین اور مشاہدے کی طلب اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ جب صاحب ایمان ہی ناپید ہو جائیں تو ایمان کی طلب کون کرے گا؟

آج کا انسان:

آج کا انسان موجودہ سائنسی ترقی کو نوع انسان کا انتہائی شعور سمجھتا ہے۔ یہ ایک گمراہ کن سوچ ہے اس لئے کہ قرآن بتاتا ہے کہ انسان کی ترقی حضرت سلیمان کے دور میں اتنی تھی کہ ایک شخص نے جو عقیدہ نہیں تھا پلک جھپکنے کے وقفے میں ڈیڑھ ہزار میل کے طویل فاصلے سے مادی FORM میں دربار سلیمان میں تخت منتقل کروا دیا تھا۔ دانشوروں کا کردار گزشتہ صدیوں سے آج تک انتہائی مایوس کن رہا ہے انہوں نے کبھی انسانی فکر کو اس طرف مائل نہیں کیا اور انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وسیلے کے جسمانی طور پر کون کی سائنس کے ذریعے معراج کے شرف سے مشرف ہوئے۔

الیکٹران:

انسان روشنی سے بنا ہوا ہے اس کے سادے محسوسات الیکٹران کے اوپر قائم ہیں اگر انسان اپنے اندر دور کرنے والی الیکٹرونک شی سے واقفیت حاصل کر لے تو وہ مادی وسائیل کے بغیر کسی بھی مادی شے کو جہاں چاہے منتقل کر سکتا ہے۔ سائنس کا نظریہ قیاس پر مبنی ہے۔ قیاس جہاں تک کام کرتا ہے۔ نتیجہ مرتب ہوتا رہتا ہے یا نہیں ہوتا۔ قیاس کا پیش کردہ کوئی نظریہ کسی دوسرے نظریہ کا چند قدم ساتھ ضرور ہوتا ہے مگر پھر ناکام ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے بذات خود جتنے طریقے وضع کیے ہیں سب کے سب کسی نہ کسی مرحلہ میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔ توحید کے علاوہ اب تک جتنے نظام بائے حکمت بنائے گئے ہیں وہ تمام اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ گئے یا آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ آج کی نسلیں گزشتہ نسلیں سے زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہوں گی۔

مفکرین اور اقوام عالم:

مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے دھنیے جدا گانہ ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسان کا جسمانی و خلیفہ ایک ہو سکے صرف روحانی و عارف ہیں جن میں پوری نوع انسانی اشتراک رکھتی ہے اگر دنیا کے مفکرین جدوجہد کر کے روحانی و عارف کی غلط تعبیروں کو درست کر سکتے تو وہ اقوام عالم کو ایک دائرہ میں اکٹھا کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"انسان ہماری بہترین مٹائی ہے۔"

(سورہ التین آیت نمبر ۴)

انسان کو مخلوقات میں افضلیت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اس کے اندر عقلی علوم جاننے سمجھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب سے صدیوں پہلے کی سائنسی ایجادات ہوں یا موجودہ دور میں سائنسی ایجادات ہوں یہ سب عقلی صلاحیتوں کے استعمال کا مظاہرہ ہے۔

تخلیقی فارمولے:

علم تصوف... انکشاف کرتا ہے کہ زمین پر موجود ہر شے روشنی کے غلاف میں بند ہے اور روشنی کے غلاف میں مقداریں کام کر رہی ہیں۔ انسان جب عقلی صلاحیتوں کو بیدار کر کے کسی شے میں فکر کرتا ہے تو اس کے اوپر شے کے اندر چھپی ہوئی قوتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ موجودہ سائنسی ترقی اسی ضابطہ اور قاعدہ پر قائم ہے۔ سائنس دانوں نے جیسے جیسے فکر سے کام لیا ان کے اوپر شے کے اندر کام کرنے والی تحریریں اور تعبیری قوتیں آشکار ہو گئیں۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں خواہ وہ مانع ہوں یا فہوس ہوں یا گیس کی صورت میں ہوں سب کی سب ایٹموں سے بنی ہوئی ہیں اور خود ایٹم زیادہ تر "خلا" پر مشتمل ہے۔ بعض اشیاء میں تمام کے تمام ایٹم ایک جیسے ہوتے ہیں ایسی اشیاء کو عناصر کہا جاتا ہے جن میں ہائیڈروجن، کاربن، لوہا، سوڈیم، پلاسٹیم اور یورینیم جیسے قدرتی عناصر ہیں۔ عناصر کے

علاوہ مرکبات میں مختلف عناصر کے ایٹم ایک دوسرے میں جذب اور گندھے ہوئے ہیں۔ عناصر کی باہمی پڑوسی سے سالمات بنتے ہیں۔

TOM:

ایٹم یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "Tom" "تاقابل تقسیم شے" کے ہیں۔ یونانی زبان میں "نوم" (TOM) "تقسیم کرنے کو کہتے ہیں۔ آریائی زبانوں میں "آ" نفی کا کلمہ ہے۔ ایٹم کا نام ديمقراط نامی ایک سائنس دان کا وضع کردہ ہے۔

دمقراط نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ نیا کی ہر شے نہایت چھوٹے چھوٹے تاقابل تقسیم ذروں یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ ایٹم کا سائز ایک انچ کا ذراتی کروڑ حصہ ہوتا ہے۔ یعنی سوئی کی نوک پر لاکھوں ایٹم رکھے جاسکتے ہیں۔ ہلکی اشیاء کے ایٹم ہلکے اور بھاری اشیاء کے ایٹم بھاری ہوتے ہیں بشمول انسان تمام جانداروں کی روح بھی ایٹموں سے مرکب ہے۔ روح کے ایٹم باقی تمام اشیاء کے ایٹموں سے چھوٹے اور لطیف ہوتے ہیں۔ موت کے بارے میں ديمقراط کا خیال تھا کہ جب روح کے تمام ایٹم جسم سے نکل جاتے ہیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں جسم میں روح کا ایک ایٹم بھی باقی نہیں رہتا جو خارج شدہ ایٹموں کو واپس لاسکے اس لئے روح نکل جانے کے بعد آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔

مادہ اور توانائی:

تحقیق اور تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مادہ اور توانائی ایک ہی شے کے دو روپ ہیں کیونکہ یہ تمام ذرات جو کہ اب تک معلوم کئے گئے ہیں توانائی کی صورت میں سامنے آئے ہیں یعنی ان بنیادی ذرات پر تجربات سے ہی ان کی تقسیم اور نوٹ پھوٹ سے آخر کار توانائی ہی حاصل ہوتی ہے۔ بالکل لول ایٹم یا بنیادی ذرات جو اب تک دیکھے نہیں جاسکے ان کے بارے میں اتنی مفصل معلومات کن بنیادوں پر جمع کی گئی ہیں؟

سائنس دان اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تجربات کے نتائج سے حاصل ہونے والے تاثر یا

خصوصی مظاہرہ کی صورت میں یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ایٹم اور اس کے ذرات کیا ہیں۔ مثلاً فی وی اسکرین پر جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ الیکٹران دھارا ELECTRON BEAM کے بہاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے جب کہ الیکٹران یا الیکٹران بیم دکھائی نہیں دیتی۔ اس طرح کے تجربات میں ایٹم کو جب کسی ذراتی قوت یا شعاع کے زیر اثر لایا جاتا ہے تو ایٹمی ذرات پر اس کی اثر پذیری کے نتائج ایک اسکرین پر دیکھے جاتے ہیں۔ اسکرین پر نظر آنے والا یہ RESPONSE روشنی کے دھبہ (DOT) رنگ یا غنماہٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس طرح ذرات کی خصوصیات معلوم کر لی جاتی ہیں۔

نور کے خلاف:

احسن الیقین اللہ کے تقویٰ سے کردہ اختیارات کے حامل لوگ... کائنات کی تخلیق میں نور کا یقین کرتے ہیں۔ نور اور روشنی کے FLOW کو کائنات کی حرکت قرار دیتے ہیں۔ کائنات میں بڑے سے بڑا کرو... یا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ (ایٹم)... نور کے خلاف میں بند ہے۔ اور ہر ذرہ اور عناصر کی پوری دنیا... مقداروں پر قائم ہے۔ مقداریں الگ الگ ہیں۔ لیکن ہر مقدار دوسری مقدار کے ساتھ آپس میں گندمی ہوئی ہے۔ ایک طرف مقداریں ہم رشتہ ہیں اور دوسری طرف الگ الگ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ جو بہت سی رنگ برنگ چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے ان کے لئے جو غور فکر سے کام لیتے ہیں یعنی ریسرچ کرتے ہیں"

(سورہ نحل آیت نمبر ۱۳)

"اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی"

(سورہ نور آیت نمبر ۳۵)

چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے قرآن میں جس کی وضاحت نہ ہو

(سورہ سہا آیت نمبر ۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

”اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے اس کتاب کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور آسمانوں کا جاننے والا ہے“

(سورہ نحر قان آیت نمبر ۶)

یعنی کائنات کا ایک ذرہ حتیٰ کہ اس کا ایک ایٹم اور ایک سال (MOLECULE) اس کے علم میں ہے۔

معین مقداریں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور پھر اس تخلیق کار مولوں سے آگاہ کیا“

(سورہ اعلیٰ آیت نمبر ۳۱)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو معین مقداروں (ایٹم) سے بنایا ہے اور معین مقداریں دراصل اس شے کے ظاہر اور باطن میں کام کرنے والی صلاحیتیں ہیں جو ایک قانون اور DISCIPLINE کے تحت ایک واحد ہستی کی نگرانی میں برقرار ہیں۔ بڑے بڑے اجرام سماوی معمولی اور ننھے سے ایٹم، ایٹم کے اندرونی خول یا اجزاء، الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران اس ذات واحد کی نظروں کے سامنے ہیں۔ کوئی بھی ذرہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

”وہ ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ اس کے علم سے کوئی رتی برابر چیز باہر نہیں۔ وہ چیز آسمانوں میں ہو یا زمین میں اور ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا اور ان چیزوں کی تمام اقسام کے کارمولے مکمل کتاب میں موجود ہیں“ (سورہ سبا آیت نمبر ۲۱)

ذرات کی تین قسمیں:

سورہ سبا کی اس آیت میں تین قسم کے ذرات کا بیان ہوا ہے:

(۱) رتی برابر ذرہ

(۲) اس سے چھوٹا

(۳) نسبتاً اس سے چھوٹا

تخلیق میں تین قسم کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ ایک ایٹم دوسرے ایٹم کے اندرونی اجزاء اور سوئم ایٹم کے مرکبات۔

(۱) ”مثقال ذرہ“ یعنی دو رتی برابر چیز ہے جس میں وزن پایا جاتا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ رتی چھوٹے سے وزن کا تشخص ہے ذرہ برابر چیز کا مطلب یہ ہوا جس میں کوئی وزن ہو اور معین مقدار یا مقداریں ہوں۔ ایٹم چونکہ ایک ایسی اکائی ہے جس کے اندر الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران موجود ہیں۔ اس لئے اس میں مقدار اور وزن دونوں ہیں۔

(۲) اس سے چھوٹا یعنی ایٹم سے نسبتاً چھوٹا الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ اور ایٹموں کے مرکزوں سے خارج ہونے والی الفا، بیٹا اور گاما شعاعیں۔

(۳) اور اس سے بڑا (ایٹم سے بڑا) یعنی قیامت تک دریافت ہونے والے ہر ایٹم کے ذرات اور اجزاء خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ہوں اور کتنے ہی بڑے ہوں۔

روشنی کا جال:

قرآن میں ظہر کرنے سے انسان کی نظر میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایٹم کی اکائی میں روشنی کے جال کو دیکھ لیتی ہے ایک صوفی یہ جان لیتا ہے کہ ایٹم کا، ایٹم کے اندرونی اجزاء اور ارض و سما کا خالق ایک ہے اور پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔ اس نے اس کائناتی سسٹم کو ایک ضابطہ کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور ہر چیز کو معین مقداروں کے ساتھ وجود بخشا ہے۔

مقداروں کا یہ علم وہ لوگ سیکھ لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:

”اور وہ جن لوگوں نے میرے لئے یعنی میری تخلیق کو جاننے کے لئے جدوجہد اور کوشش کی میں انہیں اپنے راستے دکھاتا ہوں“

قرآن میں لوہے (دھات) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
(سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۹)

”اور ہم نے نازل کیا لوہا (اس میں دوسری دھاتیں بھی شامل ہیں جیسے یورینیم وغیرہ) اور اس میں ہم نے انسانوں کے لئے بیشمار طاقت اور قائد سے رکھ دئے ہیں۔“

(سورہ حدید آیت نمبر ۲۵)

مغنیات اکوان:

مرشد کی نگرانی میں تصوف کے اسباق کی تکمیل کرنے والا فرد جب ان مقداروں سے واقف ہو جاتا ہے جو اشیاء کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں تو وہ مقداروں کو کم و بیش کر کے شے میں مابیت قلب کر سکتا ہے۔ مقداروں کا علم اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دھات سیسہ (LEAD) میں ایسی مقداریں موجود ہیں جو اینیم کی قوت پر غالب آسکتی ہیں۔

لہروں کا جال:

کائنات چار نہروں یا چار توانائیوں سے فیض پور ہے۔

۱۔ نہر تسوید ۲۔ نہر تجرید ۳۔ نہر تجبید ۴۔ نہر تقبیر

یورینیم اور لیڈ دونوں دھاتیں تسویدی لہروں سے فیض ہوتی ہیں۔ لیڈ کے اوپر ایسی لہروں کا غلاف بنا ہوا ہے کہ اگر اسے تلاش کر لیا جائے تو دنیا اینیم کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے۔ سب کا سب انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔“

(سورہ جاثیہ آیت نمبر ۱۳)

اس کا مفہیم یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان میں موجود کسی بھی شے کے اندر جب فکر کرے گا تو اس شے کے اندر کام کرنے والی مقداروں کا علم اسے حاصل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ اینیم مقداروں کا ایک مرکب ہے اور یہ مقداریں مادیت کی اکائی ہیں۔ مادیت کی ہر اکائی نور کے غلاف میں بند ہے۔ نور کے اوپر روشنی کا غلاف ہے۔ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک اکیڑھیاں ہزار دوسہ بیاسی میل بتائی جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار سے ہزاروں گنا لورانی لہروں کی رفتار ہے۔ نور اور روشنی مرکب اور مفرد و لہروں کا ایک جال ہے جس کے اوپر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ذرہ بنا ہوا ہے۔ صوفی جب روشنی کی سطح سے نکل کر نور میں داخل ہو جاتا ہے تو چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں ناقابل بیان طاقت (ENERGY) اس کے اوپر غلاف ہو جاتی ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی میں جو عوامل کام کر رہے ہیں ان میں انفرادی سوچ اور مادی مفاد کا عمل دخل ہے۔ اس لئے یہ ساری ترقی نوع انسانی کے لئے پریشانی اور بے سکونی کا پیش خیمہ بن گئی ہے۔ اگر یہی ترقی اور ایجاد و فہرہ ان طرز فکر کے مطابق ہو جائے تو سائنس نوع انسانی کے لئے سکون و آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔ فی الوقت صورتحال یہ ہے کہ ترقی کا فصول انسانی نسل کو آتش فشاں کے کنارے لے آیا ہے۔ اگر اس کا مثبت تذکرہ نہ کیا گیا تو یہ دنیا کسی بھی وقت بھک سے اڑ جائے گی۔ جو چیز وجود میں آجاتی ہے اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے۔

صوفی اور سائنسٹ:

موجودہ سائنسدان اور صوفی سائنسدان میں یہ فرق ہے کہ سائنسٹ کے پیش نظر پہلے اپنا مفاد ہوتا ہے اور صوفی کا علم مخلوق کے لئے وقف ہوتا ہے۔

کائناتی نظام کو سمجھنے کی صلاحیت کو تصوف میں مغنیات اکوان کہتے ہیں۔ مغنیات اکوان کے حامل صوفی خواتین و حضرات کے اندر اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہزاروں سال پہلے کے گذرے ہوئے حالات و واقعات اور ہزاروں سال بعد آنے والے حالات و واقعات کو دیکھ لیتے ہیں اور اسکی تفصیلات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

ظاہری علوم اور روحانی علوم

کائنات اور کائنات میں کروڑوں دنیاؤں میں دو علوم رائج ہیں۔
ایک علم حصولی اور دوسرا علم حضوری۔

علم حضوری:

علم حضوری وہ علم ہے جو ہمیں غیب کی دنیا میں داخل کر کے غیب سے حقائق کراتا ہے۔ علم حضوری سیکھنے والے بندے کے اندر لاشعوری تحریکات عمل میں آجاتی ہیں۔ لاشعوری تحریکات عمل میں آجانے سے مراد یہ ہے کہ حافظہ کے اوپر ان باتوں کا جو بیان کی جارہی ہیں ایک نقش ابھرتا ہے۔ مثلاً اگر علم حضوری سکھانے والا استاد کبوتر کہتا ہے تو ذہن کی سکرین پر کبوتر کا ایک خاکہ بنتا ہے اور جب الفاظ کے اندر گیرائی پیدا ہوتی ہے تو دماغ کے اندر فی الواقع کبوتر اپنے پورے ضد و خال کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اسی طرح روحانی استاد جب انیم کا تذکرہ کرتا ہے تو انیم کی ساخت انیم میں توانائی اور عناصر اور عناصر کی باہمی وابستگی سے بننے والے سالمات کا ادراک ہوتا ہے۔ علم حضوری میں تین ابواب اور بے اکھائیں ہوتی ہیں۔

باب اول:	ایمان
باب دوم:	تفصیل
باب سوم:	اسرار

علم حصولی:

علم حصولی یہ ہے کہ جب کوئی استاد شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویر بنادہ خال بنا کر دکھاتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق و شوق سے استاد کی رہنمائی میں مشق کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ اچھا یا بہت اچھا مصور بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس علم حضوری ہمیں بتاتا ہے کہ ہر انسان کے اندر تصویر بنانے کی صلاحیت موجود ہے، استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ شاگرد کے اندر مصور بننے کی صلاحیت کو متحرک کر دیتا ہے۔ ہم اس بات کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں:

اطلاعات کا علم:

دنیا میں جو کچھ موجود ہے یا ہونے والا ہے یا گزر چکا ہے وہ سب خیالات کے اوپر رواں دواں ہے۔ اگر ہمیں کسی چیز کے بارے میں کوئی اطلاع ملتی ہے تو وہ چیز ہمارے لئے موجود ہے اور اگر ہمیں اپنے اندر سے کسی چیز کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا کسی چیز کے بارے میں خیال نہیں آتا تو وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی مصور بننا چاہتا ہے تو پہلے اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ مجھے تصویر بنانی ہے۔ کوئی آدمی مشین اُس وقت بناتا ہے جب اسے مشین بنانے کا خیال آئے۔ اگر خیال نہ آئے تو کوئی آدمی انجینئر، ڈاکٹر، میچر وغیرہ نہیں بن سکتا۔

علیٰ بذالقیاس دنیا کے ہر علم کی یہی نوعیت ہے۔ پہلے علم کے بارے میں ہمارے اندر خیال پیدا ہوتا ہے اور ہم اس خیال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور علم ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہمارے اندر کام کرنے والی مخصوص صلاحیت کو متحرک کر دیتا ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کے اندر موجود صلاحیت کو بیدار کرنے میں معاون بن جاتا ہے۔ جس طرح تمام علوم و فنون کی صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہیں اسی طرح تصوف یا "روحانی علوم" سیکھنے کی صلاحیت بھی انسان کے اندر موجود ہے۔ جب آدمی تصویر بنانا سیکھ لیتا ہے تو اس کا نام مصور ہو جاتا ہے اور جب آدمی فرنیچر بنانے میں ماہر ہو جاتا ہے تو اس کا نام برہنچی رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی سائنسی اعتبار سے کوئی چیز ایجاد کر لیتا ہے تو وہ سائنسدان کہلاتا ہے۔ روحانی استاد کی مدد سے شاگرد اپنے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار کر لیتا ہے تو اس کا نام روحانی انسان ہو جاتا ہے۔

سائنسی اسکینڈل:

۱۹۱۲ء میں انگلینڈ کے برٹش میوزیم میں ایک انسانی کھوپڑی کی تلاش کی گئی۔ جس کے نیچے لکھا تھا PITT DOWN MAN۔ اس حقیقت پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ انسان سے ملتی جلتی مخلوق کی کھوپڑی ہے جو پانچ لاکھ سال قبل زندہ تھا اور یہ مخلوق موجودہ انسان کی جہاں جہی۔ پورے پچاس سال اس کھوپڑی پر بحث ہوتی رہی، کافر ناسر متعلقہ کی گئیں اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں۔ لیکن جب ریلوے کاربن طریقہ ایجاد ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ یہ کھوپڑی دراصل ایک انسان کی تھی ایک ہزار ایک ہزار کا تھا اور انسان کی کھوپڑی ذبح ۶۰ سال پرانی تھی جبکہ ہڈی کے جزے کی عمر صرف پچاس سال تھی۔ دراصل یہ ایک اہلی اور بچہ کا سائنسی اسکینڈل تھا چنانچہ کھوپڑی کو لورڈ اشولٹ میں سے اٹھایا گیا۔

لیکن گپ بات یہ ہے کہ اس بنیاد پر جو رپورٹیں دیے گئے یا کتابیں لکھی گئیں ان کو جھوٹا نہیں کہا گیا۔ بلکہ سچ کرنے والے قیاس پر قائم شدہ سائنسی نتیجہ کی بنیاد پر ماضی کو اربوں سال پر پہلا دیتے ہیں۔ جب کہ ان کے پاس تاریخ ثابت کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔

مطروغہ علوم:

دنیا کی پیدائش کے متعلق تخمینہ بھی قیاس پر مبنی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ زمین پانچ ارب سال پرانی ہے کچھ سائنسدان زمین کی عمر کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا دور تقریباً نصف ارب سالوں پر مشتمل ہے، دوسرا دور سترہ کروڑ سالوں پر محیط ہے، تیسرا دور ساڑھے چھ کروڑ سالوں پر مشتمل ہے، چوتھا دور پچیس لاکھ سالوں پر مشتمل ہے۔

کچھ سائنسدان دلیل یا سند کے بغیر زمین پر انسان کے ظہور کو دس لاکھ سال پہلے بتاتے ہیں۔ جبکہ کچھ سائنسدان انسان کا زمین پر ظہور دس ہزار سال سے پچاس ہزار سال بتاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کی تخلیق اور انسان کی تخلیق کے بارے میں سائنسدان کسی ایک نقطے پر خود کو مجتمع نہیں کر سکے۔ چند سائنسدان تخمینوں اور اندازوں سے بات کرتے ہیں اور نئے سائنسدان ان کی نفی کر دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کے وقت سے قریباً دس ارب انسان دنیا میں رو چکے ہیں۔ ہمارے اس دور میں بتایا جاتا ہے کہ زمین پر چھ ارب انسان آباد ہیں، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ پانچ ارب سال میں صرف پانچ ارب کی آبادی زمین پر شمار کی جاتی ہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ سائنسدان جو کچھ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے کون سے عوامل ہیں سائنسدان جو کچھ کہتے ہیں دوسرے سائنسدان انکی تردید کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ زمین بہت طویل عرصے سے قائم ہے اور زمین پر بستیاں بستی ہیں اور برباد ہو جاتی ہیں۔ ہم حضرت آدم کے زمین پر اترنے کے بعد کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو زمین کے مختلف ادوار ہمارے سامنے آتے ہیں اور یہ سارے ادوار ارتقائی مراحل طے کر کے پھر اس نقطہ پر آ جاتے ہیں جہاں سے ارتقاء شروع ہوا تھا۔

ماوی جیالوجسٹ:

زمین پر تین حصے پانی ہے اور ایک حصہ خشکی ہے، زمین طبقات یا پرت در پرت بنی ہوئی ہے، جس طرح پیاز میں بے شمار پرت ہیں اسی طرح زمین بھی طبقات یا پرت در پرت تخلیق کی گئی ہے۔ زمین کو ادھڑا جائے تو نظر آتا ہے کہ زمین کا ہر پرت ایک نئی تخلیق ہے۔ ہم کسی پرت کا نام لو یا کسی پرت کا نام کوئلہ، کسی پرت کا نام تانبہ یا پتیل رکھتے ہیں۔ کسی پرت کو یورینیم یا دوسری دھاتوں کے نام سے جانتے ہیں۔

جیالوجسٹ یہ بات جانتا ہے کہ زمین کے ذرات دراصل نئی نئی تخلیقات کے قارموں ہیں۔ یہی صورتحال مٹی کی بھی ہے۔ زمین پر مٹی کہیں سرخ ہے، کہیں سیاہ ہے، کہیں بھری ہوئی ہے، کہیں چٹنی ہے، کہیں پہاڑ کی طرح سخت ہے اور کہیں ولولہ ہے۔ زمین کی ایک خاصیت جو ہر جگہ خود اپنا مظاہرہ کرتی ہے یہ ہے کہ زمین ماں کی طرح اپنے بطن میں کسی جگہ کو نشوونما دیتی ہے جس طرح ایک ماں پہلے دن سے بچے کو اپنے بطن میں تخلیق کر دے اس کے مطابق نشوونما دے کر پیدا کرتی ہے اسی طرح زمین بھی بے شمار بچوں کو الگ الگ تخلیق کر رہی ہے۔ ہم جب زمین کی تخلیقات کے اوپر غور کرتے ہیں تو یہ بات یقین کا

درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ زمین دراصل کسی تخلیق کو مظہر بنانے کے لئے بنیادی مصالح فراہم کرتی ہے۔ جس طرح کسی کھلونے کی ڈالی میں پلاسٹک ڈال کر کھلونا بنالیا جاتا ہے۔

ہر بیج ایک ڈالی ہے:

زمین کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بخشا ہے کہ وہ ہر ڈالی کے مطابق پودا لگائی میں لے آتی ہے۔ جب ہم بیج کے اوپر غور کرتے ہیں تو ہمارا شعور یہ جان لیتا ہے کہ ہر بیج ایک ڈالی ہے، زمین کا وصف ہے کہ وہ جب کسی ڈالی کو استعمال کرتی ہے تو اس ڈالی کو جتنا چاہے گا پلا دیتی ہے، جتنا چاہے نکیر لیتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا بیج ہر ڈالی کے دانے سے بھی بھرا ہوا ہوتا ہے اس طرح وسعت دے دیتی ہے کہ وہ بہت بڑا درخت بن جاتا ہے۔ زمین کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ زمین حصے پانی کی ذریعہ اس طرح کرتی ہے کہ وہ پانی ڈالی کے مطابق ضرورت کو اہل میں گھسیک کر دیتا ہے۔ پانی کا وصف ہے بہنا۔ اگر پانی کا بہاؤ قسم ہو جائے تو پانی سڑ جاتا ہے۔ اس میں بدبو اور قطن پیدا ہو جاتا ہے۔

.....

انسانی فطرت:

ہر انسان کے اندر تین حصے پانی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فطرت پانی کی فطرت کے مطابق ہے۔ جب تک انسان اپنی فطرت یعنی مسلسل حرکت میں وقت گزارتا ہے وہ فطرت سے قریب رہتا ہے اور جب کوئی فرد اپنی فطرت یعنی حرکت سے انحراف کرتا ہے تو اس کے اوپر جمود طاری ہو جاتا ہے اور جمود قطن بن جاتا ہے۔ زمین کے اندر زمین کے اوپر جتنے بھی طبقات ہیں۔ مثلاً اشجار، نباتات، معدنیات کی فطرت حرکت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

روحانی جیالوجسٹ:

تصوف کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ علم دنیاوی لوگوں کا علم ہے۔ جو زمانہ کے سرور و کرم سے بچنے کے لئے خود کو معاشرہ سے دور کر لیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے اہل تصوف اچھی طرح جانتے ہیں کہ کائنات مسلسل حرکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الٹی مشن پھیلائے کی ذمہ داری ان اہل تصوف حضرات

دخواتین کے پردہ کی گئی ہے جو جمود سے انحراف کرتے ہیں۔

دنیا بیزاری اور جمود کے بارے میں شد و مد سے تذکرہ ایک سازش ہے جس کے ذریعہ تصوف کو بدنام کیا گیا ہے صوفی تو اتنا فعال ہوتا ہے کہ ہر شخص اس کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ صوفی شب بیدار ہوتا ہے، محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، کاروبار کرتا ہے لیکن کاروبار میں قوانین کی پیروی کرتا ہے، معاشرہ میں رائج قوانین کا احترام کرتا ہے، پاک صاف رہتا ہے، اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، مخلوق سے محبت کرتا ہے، جبکہ چالاک اور عیار لوگوں نے اللہ کی مخلوق کو اپنے لئے ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے۔ پانچ وقت اللہ کے حضور حاضر ہونا، حاضر ہونے سے پہلے اہتمام کرنا، رکوع و سجود میں ادب کا خیال رکھنا، صبح سے دوپہر تک بچوں کے لئے معاش کے کام کرنا، بچوں کی تربیت کرنا، ان کو علوم سکھانا، قرابت داروں کے حقوق پورے کرنا، موت و زیست میں شریک ہونا، تزکیہ نفس کے ساتھ فکری اختیار کرنا، کس طرح دنیا بیزاری ہو سکتی ہے۔ اسلام میں جب رہبانیت نہیں ہے تو مسلمان دنیا بیزار نہیں ہو سکتا، صوفی بھی سب وہ کام کرتا ہے جو عوام الناس کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ صوفی ہر عمل اور ہر کام اللہ کی معرفت کرتا ہے۔ صوفی سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع کی پیروی کرتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا شمار صوفیاء کے گروہ میں نہیں ہوتا۔

صلاحیتوں کا %:

اس وقت زمین پر چھار ب آبادی ہے۔ یہ اس آبادی کا ذکر ہے جو زمین کا تیسرا حصہ ہے۔ زمین پر آباد ہستیوں اور شہروں کو دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ آبادیاں اور شہر دراصل VALLEYS ہیں۔ کہیں گھائیاں اور VALLEYS چھوٹی ہیں اور کہیں بڑی ہیں، شمال میں پہاڑ ہیں۔ جنوب میں گھائیاں کھلے میدان ہیں ان گھائیوں اور کھلے میدانوں کو پہاڑوں سے دبایا گیا ہے اور اطراف میں سمندر ہیں۔ سمندر کے اندر جزیرے ہیں اور یہ چھوٹے بڑے جزیرے ہی شہروں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب کہ جو آبادی معلوم دنیا کہلاتی ہے آبادیاں اس کے علاوہ بھی ہیں۔

سائنس نے بہت ترقی کی ہے اور موجودہ ترقی پانچ سے دس فیصد تک انسانی صلاحیتوں کا

ملا ہوا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا صرف دس فیصد استعمال کرتا ہے تو ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ نوے فیصد صلاحیتیں کیا ہیں؟

اوپر سال میں انسان اس قابل ہوا ہے کہ وہ دس فیصد صلاحیتوں کا استعمال کر سکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ نوے فیصد چھپی ہوئی صلاحیتیں اگر استعمال کی جائیں تو اس کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا؟

پانچ فیصد صلاحیت:

سائنس کے بقول انسان پانچ ارب سالوں میں انسانی صلاحیتوں کا پانچ سے دس فیصد تک استعمال جان سکا ہے۔ اس ترقی کو کیسے ترقی کے عروج کا زمانہ کہا جاسکتا ہے؟

سائنس دان یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایسی ایجادات ہو چکی ہیں۔ جن ایجادات کے فارمولوں سے آج کی سائنس ابھی تک واقف نہیں ہوئی ہے۔ آسمانی کتابوں انجیل، تورات، زبور اور قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو سب کتابیں یہ درس دیتی ہیں کہ انسان دو رخنوں سے مرکب ہے۔ ایک رخنہ مادی جسم ہے اور دوسرا رخنہ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم ماں کے طعن میں آنے کے بعد بنتا ہے۔ اسی کو شعور کہتے ہیں۔ اور روحانی جسم ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے سے موجود ہے۔ اس کو لاشعور سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اگر انسان شعور میں رہتے ہوئے ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو وہ اربوں سال میں پانچ سے دس فیصد صلاحیتوں سے واقف ہوتا ہے اور اگر انسان اپنی روح سے واقف ہو کر لاشعور میں ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو اس کے اوپر قبیل عمر سے میں باقی نوے فیصد صلاحیتیں بھی منکشف ہو سکتی ہیں۔ زمان اور مکان کے فارمولوں کا انکشاف اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

”ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔“ (سورۃ سبا آیت نمبر ۳)

مادی اور روحانی جسم

اس دنیا میں ہر آدمی ایک ریکارڈ ہے اور اس کی ساری زندگی لکھ رہی ہے۔ عالم ناسوت کا ہر باسی ایک ڈرامہ ہے۔ ڈرامہ زندگی میں کام آنے والے کرداروں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے ایسے کردار جو کسی ایک شخص کی انفرادی زندگی کو نمایاں کرے اور اس کے ماحول میں جو کچھ ہے اسے نظر عام پر لے آئے۔ جب ہم ڈرامہ لکھتے ہیں تو ڈرامے کے سارے کردار ہمارے سامنے آتے ہیں اور جب ہم ڈرامہ دیکھتے ہیں تو ہم خود ان کرداروں میں گھس جاتے ہیں جن سے ہم گزر چکے ہیں یا گزر رہے ہوتے ہیں۔ معرفت کے کسی بھی دور میں جب کوئی جھانکتا ہے تو ہر شخص کی کہانی ایک جیسی نظر آتی ہے۔ ہر آدمی مادی وجود میں اس زمین پر قدم رکھتا ہے اور ہر شخص دھیرے دھیرے لکھ مادی وجود سے دور ہوتا رہتا ہے مادی وجود سے دوری اپنی جگہ مسلم لیکن مادی وجود جس بساط پر نمودار ہوتا ہے جس بساط پر آگے بڑھتا ہے اور جس بساط پر منظر سے غائب ہو جاتا ہے وہ سب کے لئے ایک ہے۔

ارتقاء:

ابھی تک سائنسی دنیا میں کوئی ایسا علم منظر نہیں بنا جو اس بات کی تشریح کر دے کہ بساط کیا ہے؟ کوشش لوگوں نے بہت کی کہ بساط پر سے پردہ اٹھ جائے مگر پردہ تو جب اٹھے گا جب کہیں پردہ ہو۔ اگر کہیں کسی کو پردے کے بارے میں کوئی خبر مل گئی ہے تو وہ خبر بھی خود پردہ ہے۔ نقاب رخ الٹ دیا جائے تو بڑی سے بڑی دانشورانہ بات ایک نہ سلجھنے والی مچتی ہے۔ اگر لاشعور اور ورانے لاشعور کی اصطلاحات کا سہارا لے کر کچھ عرض کیا جائے تو وہ پردہ اٹھ جاتا ہے جس پر انسانی ارتقاء کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔

ارتقاء کیا ہے؟

ارتقاء یہ ہے کہ آدمی اپنی برائیوں کمزوریوں اور کوتاہیوں کو چھپاتا ہے اور خود کو دوسروں سے

اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں بھی کائنات کے کتبے کا ایک فرد ہوں وہ کتبہ جو زمین پر آباد ہے۔ مفت خوری جس کا طرہ امتیاز ہے۔ پیدا کوئی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے ماں نے پیدا کیا۔ کفالت کوئی کرتا ہے کہا جاتا ہے باپ نے پرورش کی۔ عقل و شعور پتہ نہیں کہاں سے ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ تجروں اور مدرسوں سے شعور ملتا ہے۔ آدمی زمین پر دوندتا پھرتا ہے۔ زمین کو اپنے نوکیلے ٹخروں سے چیر کر اس میں دائروں والا ہے اور زمین سے خراج وصول کرتا ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ زمین کا بھی کوئی حق ہے۔

جس اللہ نے زمین دی، ایک پھوٹی کوڑی لئے بغیر پانی دیا ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں ہوا دی۔ اس کا تذکرہ آ بھی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ بیکار بات کہی جا رہی ہے۔ بڑا ہو، چھوٹا ہو، کم عقل ہو یا دانشور، غریب ہو یا دولت کا پجاری قارون ہو۔ سب مفت خور ہیں نہ صرف مفت خور بلکہ احسان فراموش بھی ہیں۔

انسان ایک پتلا ہے پتلے میں غلام ہے غلام میں کل پرزے ہیں۔ ہر کل، دوسری کل سے جڑی ہوئی ہے اور ہر پرزہ دوسرے پرزے میں بیست ہے۔ اس طرح کہ کہیں بھی کوئی حرکت ہو تو سارے کل پرزے متحرک ہو جاتے ہیں۔ کل پرزوں سے بنی مشین کو چلانے کے لئے پتلے میں چابی بھردی گئی تو پتلا چلنے پھرنے لگا۔ چلنے پھرنے، اچھلنے کودنے اور محسوس کرنے کے عمل سے پتلے میں "تھپ" پیدا ہوگئی۔ "میں" جانتی ہے کہ چابی ختم ہو جائے گی "میں" کا وجود ختم ہو جائے گا اور پتلا باقی رہ جائے گا۔

لوگ اس "میں" کو ایک فرد مانتے ہیں۔ "میں" کو ایک ہستی تسلیم کرتے ہیں۔ ذات، انا اور ہستی کیوں ہے یہ کوئی نہیں جانتا عجیب قماش ہے کہ "میں" بھی خود کو نہیں جانتی۔ جب کوئی بندہ خود کو فرد کے روپ میں دیکھتا ہے۔ تو ظاہر الوجود نظر آتا ہے اور جب بندہ خود کو ہڈیوں، پٹھوں اور کھال میں منڈھے ہوئے صندوق کے اندر دکھاتا ہے تو اپنی ذات نظر نہیں آتی۔

عالم ایک نہیں بے شمار عالمین ہیں اور ان عالمین میں لاکھوں کبکشاہیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ساری کائنات sparking کا مسلسل اور متواتر عمل ہے۔ لیزریم سے بھی زیادہ لطیف روشنی

میں کائنات بندھی ہوئی ہے اور اس کائنات میں وہ کچھ ہے جسے ظاہر وجود کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ شعور اور اک نہیں کر سکتا، عقل کی دہاں تک رسائی نہیں۔ کسی نے دیکھنے کا دعویٰ بھی کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔

باطن الوجود۔ ظاہر الوجود:

ہر شخص کی اصل باطن الوجود ہے اور ظاہر الوجود باطن الوجود کا ظہور یا تو لوانتیت کا پانی ہے۔ میں اس وقت "میں" ہوں۔ جب زمین پر موجود ہوں لیکن تجربہ کی بات یہ ہے کہ زمین بھی ایک نہیں ہے۔ زمین بھی ظاہر الوجود اور باطن الوجود کے خلاف میں اللہ ہے۔ زمین ظاہر الوجود ہے تو محسوس ہے اور زمین جب باطن الوجود ہے تو غلام ہے۔ زمین کا ظاہر الوجود کشش قوت ہے اور زمین کا باطن الوجود روشنی ہے۔ اور روشنی پرت و پرت نور ہے۔ اللہ نور السموات والارض۔ اللہ سلاطین اور زمین کی روشنی ہے۔

پہاڑ اڑتے ہیں:

افراد کی طرح زمین بھی عقل و شعور رکھتی ہے۔ زمین جانتی ہے کہ اتار کے درخت میں امرود نہیں لگتا اور امرود کے درخت میں اتار نہیں لگتے۔ وہ مناس، مکناں، تلخ اور شیریں سے بھی واقف ہے۔ اس کے علم میں ہے کہ کائے بھرے پودے میں پھول زیادہ حسین لگتا ہے۔ کائناتوں کے بغیر پودے میں کتنا ہی خوش رنگ۔ پھول ہو، پھول میں کتنے ہی رنگوں کا احراج ہو لیکن پھول کی قیمت وہ نہیں جو کائناتوں کے ساتھ لگے ہوئے پھول کی ہے۔ زمین اس بات کا علم بھی رکھتی ہے کہ اس کی کوکھ میں قسم قسم کے بچوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ زمین جہاں بیٹا رنگوں سے مزین پھول پیدا کرتی ہے تلخ و شیریں پھل اگاتی ہے۔ پرندوں، چوپایوں کی تخلیق کرتی ہے وہاں اپنی حرکت کو متوازن رکھنے کے لئے پہاڑ بھی بناتی ہے۔ لیکن یہ سیلوں میل طویل اور آسمانوں سے باتیں کرتے ہوئے بلند و بالا پہاڑ جب ظاہر الوجود میں نظر آتے ہیں تو زمین پر پڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب پہاڑوں کا باطن الوجود نظر آتا ہے تو پہاڑ اڑتے ہوئے بادل دکھائی دیتے ہیں۔

"تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ جیسے ہوئے ہیں حالانکہ پہاڑ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہیں"

(سورۃ نمل آیت نمبر ۱۸)

آدم زاد نہیں تھا تب بھی زمین تھی۔ آدم زاد نہیں ہو گا تب بھی زمین رہے گی۔ ظاہر الوجود ایک ذرہ تھا ذرے میں دوسرا ذرہ شامل ہوا تو ایک سے دو ذرات ہوئے اور ذرات کی تعداد اتنی بڑھی کہ ایک وجود بن گیا۔

قلندر دو حروف جانتا ہے اور وہ دو حروف یہ ہیں:

کوئی نہیں..... کبھی نہیں

رائٹر، سائنس دان، علامہ، مفتی، مشائخ کہتے ہیں دو لفظ ہیں۔

نفی..... اثبات

تصوف بتاتا ہے کہ اثبات نہیں صرف نفی ہی مادے کی اصل ہے۔

تجزیہ:

ہمارے سامنے مٹی کا ایک ڈھیلا ہے اسکا وزن دو کلو ہے۔ اس دو کلو وزنی ڈھیلے کو کسی آدمی کی کمر پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔ مٹی کے ڈھیلے کو جس کرائے کی طرح کر لیں تو ہوا میں اڑ جائیگا۔ سوال یہ ہے کہ دو کلو وزن کدھر گیا؟

کیا اس پے ہوئے ڈھیلے کے ذرات کو کسی کی کمر پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی؟ تجربہ شاید ہے کہ چوٹ نہیں لگے گی۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مٹی کے ڈھیلے کو کتنا ہی چس لیا جائے ذرات موجود رہیں گے اور کسی طریقے پر ان ذرات کو پھر جمادیا جائے اور کسی آدمی کی پشت پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔

حقیقت یہ مشکف ہوئی کہ بہت زیادہ ذرات کا جمع ہونا، ایک دوسرے میں پیوست ہو جانا یا باہم دیگر ہم آغوش ہو جانا کشش ثقل یعنی اثبات (ظاہر الوجود) ہے۔ ظاہر الوجود تو رہے گا مگر ظاہر الوجود کی اصل فنا ہے۔ قلندر جب فنایت کا ذکر کرتا ہے تو وہ ظاہر الوجود کی نفی کرتا ہے۔ کیوں نفی کرتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر باطن الوجود کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتی۔

قلندر جزو دو حرف والا کچھ نہیں رکھتا

فقیہ شہر قادوں ہے لغت بائے تجاری کا

جیسے جیسے نفی کا عمل بڑھتا ہے، ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ جب کوئی انسان باطن الوجود بن جاتا ہے اور خود کو باطن الوجود میں دیکھ لیتا ہے تو مادی دنیا سے نکل کر نور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ آدم برادری کا ہر فرد روح اور جسم (مادہ) کا مجموعہ ہے۔ آدم زاد کے اندر تین حصے پانی ہر وقت جسم کی کارکردگی کو بحال رکھتا ہے۔ شریانوں و ریدوں میں خون دور کرتا رہتا ہے۔ پیچھڑوں کا پھیلنا اور سکڑنا بھی ہوا اور آکسیجن کے اوپر قائم ہے۔ جس زمین پر آدم رہتا ہے پھلتا پھرتا ہے مگر فریب کی دنیا بساتا ہے کبر و تکبر سے اس کی گردن اونٹ کا گوبان بنی رہتی ہے۔ جس دھرتی کی کوکھ سے وسائل پیدا ہوتے ہیں اور جو دھرتی آدم زاد کو اس کی تمام تر رحمت اور نعمت کے ساتھ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے وہ بھی مادیت ہے۔

اس کے برعکس روح لطیف ہے، پاکیزہ ہے اور عالم قدس سے ہم رشتہ ہے۔ تجلی اسے فیض کرتی ہے۔ روح اللہ کی محبت اور قربت سے توانا رہتی ہے۔

جس طرح جسم مادی غذا نہ ہونے سے کمزور ہو جاتا ہے اس طرح اگر روح کو قرب الہی حاصل نہ ہو تو ضعیف ہو جاتی ہے۔

مادہ اور روح ہم رشتہ ہیں:

سمندر سے موجیں اُٹھتی ہیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس سمندر میں چلی جاتی ہیں۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ اور موجوں کی بے قراری اور کڑواہٹ کبوت بے تابی کا اثر لیا ہے؟

موج جب اپنی اصل سمندر سے دور ہوتی ہے تو اس کے اوپر دوری کا احساس غالب آ جاتا ہے۔ وہ بار بار ساحل سے اس لئے سر ٹکراتی ہے کہ اسے فراق کی گھڑیاں قیامت لگتی ہیں۔ سمندر جوش و جلال اور عظمت سے جب دو اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اونچی اونچی لہریں اس کے

باطن سے باہر آ جاتی ہیں اور مسائل پر اپنی پیشانی رکھ دیتی ہیں۔ عظمت و جلال کا مظاہرہ انہیں اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ سجدہ میں گر جائیں۔ لہٰذا جیسے ہی مسائل پر جبین نیاز رکھتی ہیں، سمندر دربارہ اسے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے یہاں تک کہ لہر اور سمندر ایک ہو جاتے ہیں۔

پانی ذرہ ذرہ ہو کر جب اپنی ٹہنی کر دیتا ہے تو اسے ہوا خلا میں اچھال دیتی ہے۔ خلا و جب فنایت کی لطافت سے معمور ہو جاتا ہے اور اسے سکون کا ایک ابدی لمحہ میسر آ جاتا ہے تو یہ ساری لطافت یہ سارا ترشح، یہ ساری نمی بادل کے روپ میں خود کو منتقل کر دیتی ہے۔ بادل کے بڑے بڑے ٹکیزے قافلہ در قافلہ کارواں در کارواں اڑتے ہوئے شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال مشرق اور مغرب سے شرق میں محو سفر ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان کا قیام ہوتا ہے وہاں حرکت منجمد ہو جاتی ہے اور جمود اپنے وجود کو نہر اہوا دیکھتا ہے تو وہ سورج سے معاونت چاہتا ہے۔ سورج جب بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھری ہوئی چاندنی کو کہری آنکھوں سے دیکھتا ہے تو سورج سے نکلنے والی شعاعیں اس وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔ یہ ریزہ ریزہ جمود سیال بن کر اعلیٰ سے قذیب کی طرف چشموں آبشاروں ندی نالوں میں سیل بے کراں کی طرح رواں دواں ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سمندر سے جا ملتا ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سمندر سے نکلا ہوا پانی کا ایک قطرہ اپنی اصل سمندر سے رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔

کسی بھی درخت کا بیج پسند نہیں کرتا کہ وہ اس طرح فنا ہو جائے کہ موت اس کے مستقبل کو کھا جائے۔ ہر بیج اپنے اندر تیار درخت کی حفاظت کرتا ہے۔ خودی کا لباس پہن کر درخت کے وجود کو قائم رکھتا ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ بیج اپنی اصل سے رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔

حرکت ہر وقت حرکت ہے۔ یہ حرکت پہاڑوں کو بڑے بڑے تودوں کو چھوٹے چھوٹے پتھروں میں، چھوٹے پتھروں کو کرش میں اور کرش کو بجری میں، بجری کو ریت میں کیوں تبدیل کرتی رہتی ہے؟ اس لئے کہ پہاڑوں، کوہساروں اور ریت کے ذرات میں قدر مشترک ختم نہ ہو۔

آدم زادے تصوف کو نظر انداز کر کے جب روح سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ سیم و زر کی فراوانی

اور بخش و عشرت کو سب کچھ جان لیا تو..... روح کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا اس لئے کہ روح جانتی ہے کہ صرف مادیت کا خول روح کی عزا کو زہریلا کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے روئے سے آدم زاد کا رشتہ کمزور ہوتا ہے وہ خالق اکبر کی محبت سے دور ہوتا رہتا ہے۔

زر و جواہر:

دنیا میں جنگ و جدال خون ریزی نفرت و قہر اور بھیا تک موت کی تاریکی اس لئے بھیل گئی ہے کہ آدم برادری کی روح بے قرار اور بے چین ہے۔ اسے سکون اس لئے نہیں ہے کہ اشرف المخلوقات آدم و نندہ بن گیا ہے۔ زر و جواہر کو اہمیت دیتا ہے لیکن جس نے زر و جواہر کے ذخائر آدم کو منتقل کر دیئے ہیں اس سے صرف لفظی تعلق رکھتا ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان ممالک میں جہاں دولت کی فراوانی ہے آسائش و آرام کی اتنی سہولت ہے کہ لوگ سوچتے ہیں کہ اب ہم کس زاویہ سے آسائش حاصل کریں..... وہاں ہر شہر کے ہر ہسپتال میں آدمی سے زیادہ آبادی دماغی مر یض ہے۔ ہسپتالوں میں نصف سے زیادہ بستہ دماغی مر یضوں کے لئے مخصوص ہیں۔ وہاں کا کروڑ پتی تاجر سب کچھ خرید سکتا ہے لیکن اسے سکون میسر نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک شتم نہ ہونے والی بے چینی اسے کسی کس چین نہیں لینے دیتی۔ دینے والوں پر قانونوں کے نیچے جھکتا ہے اور سوچتا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے لیکن میں بے چین اور پریشان کیوں ہوں؟

انسان بے سکون کیوں ہے؟

زر پرست لوگوں کو کون بتائے کہ وہ اس لئے پریشان ہیں کہ ان کے اندر ایک ہستی ہے جس نے ان کے وجود کو سہارا دیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زندہ ہیں۔ وہ ہستی کون ہے؟ وہ ہستی ان کی روح ہے۔ اور روح اللہ سے محبت چاہتی ہے۔ جب تک روح کو محبت میسر نہیں آئے گی آدم و اوسب کچھ ہوتے ہوئے بے چین رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدم زاد کا مادی وجود "ن" کے تابع ہے۔ روح مادی وجود کے تابع نہیں ہے۔

آج کا مسلمان جو ایمان سے خالی دامن ہے، جس کے قول و فعل میں تضاد ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو حقیقت سمجھ بیٹھا ہے جس کے اندر منافقت، بغض، کینہ، تعصب، نفرت اور درندگی نے بسیرا کر لیا ہے، جو گریباں چاک، افسردہ چہرہ، اور گدالی آنکھوں والی تصویر بن گیا، کہتا ہے مجھے سکون نہیں ہے۔ قرآن نہیں ہے۔

و پوچھتا ہے کہ

میں اس بے یقینی سے کس طرح نجات حاصل کروں؟

انسان! اس لئے ہے یقین ہے کہ منافقت اور مکر اس کی زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔ جیسے جیسے وہ مکر و فریب سے قریب ہو رہا ہے..... اللہ کی محبت اور قربت سے دور ہو رہا ہے۔ انسان جب اپنی منافقت پر سے پردہ اٹھائے گا..... تو اسے اپنا چہرہ بھیا تک نظر آئے گا.....

ماحول زہر آلود ہو گا تو انسان کیوں بیمار نہیں ہوتے۔ جب اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت ہمارے اندر نہیں ہوگی تو ہم کبھی خوش نہیں رہیں گے۔
خوش نہیں ہوتے تو سکون نہیں ملے گا.....

وسوسوں سے آزاد دنیا

روحانی اسکول اور روحانی کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ غیب کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر اس دنیا کی موجودگی کا یقین ہو۔ یقین ہونا اس لئے ضروری ہے کہ یقین کے ہم کسی چیز سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ پانی پینے سے پیاس اس لئے بجھ جاتی ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ ہم زندہ اسلئے ہیں کہ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ جس وقت جس لمحے اور جس آن زندگی سے متعلق یقین ٹوٹ جاتا ہے، آدمی مر جاتا ہے، کسی آدمی کے ذہن میں یہ بات آجائے اور یقین کا درجہ حاصل کر لے کہ اگر میں گھر سے جاؤں گا تو میرا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا تو وہ گھر سے باہر نہیں جاتا۔

جنت کا دماغ۔ دوزخ کا دماغ:

انسان کے اوپر وہ دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ فرمانبرداری کا دماغ جو جنت کا دماغ ہے جس کے ذریعہ آدم جنت میں رہتے تھے۔ دوسرا دماغ جو نافرمانی کے بعد وجود میں آیا۔

جنت کا دماغ = یقین اور فرمانبرداری کا دماغ

نا فرمانی کا دماغ = شیطان کے وسوسوں کی آماجگاہ، اس دماغ میں انسان وسوسوں اور شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

"پھر شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں سے ان کو نکلوا دیا۔ تو شیطان دونوں کو بھٹکانے لگا تاکہ ان کی ستر کی چیزیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں بے پردہ ہو جائیں۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت کے قریب جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ، تم زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، اور ان سے (شیطان نے) قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض سرودھنے دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) بھیجی ہی لیا۔ جب وہ

اس درخت کے قریب چلے گئے تو ان کے ستر کی چیزیں ان سے بے پردہ ہو گئیں۔

"اور ہم نے آدم سے پہلے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات دیکھا تو شیطان نے ان کے دل میں دوسرا ڈال دیا اور کہا آدم کیا میں تم کو ایسا درخت بتاؤں جو ہمیشہ کی زندگی کا ثمرہ دے اور ایسی بادشاہت دے جو کبھی ختم نہ ہو۔"

(سورہ اعراف آیت نمبر ۲۰)

آدم نے شجر ممنوعہ کے قریب جا کر یہ محسوس کیا کہ میرے جسم پر لباس نہیں ہے۔ اور اسے سر پوشی کرنا پڑی۔

ان محسوسات کے نتیجے میں جنت نے آدم کو رد کر دیا اور آدم کو زمین پر پھینک دیا گیا۔

تصوف کے اسباق:

تصوف میں جتنے اسباق اور ادوار و طائف، اعمال و اشغال اور مشقیں کرائی جاتی ہیں ان سب کا منشاء یہ ہے کہ آدم کے لئے جنت کا حصول ممکن ہو جائے۔
اللہ تعالیٰ نے آدم کو تین علوم سکھائے ہیں۔

(۱) خالق اور کائنات کا تعارف

(۲) مخلوقات

(۳) خود آگاہی

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے۔ اس طرح ہر علم میں درخ ہیں اور تین علوم میں چھ درخ ہیں۔ ان چھ درخوں یا چھ دائروں کو تصوف میں لطائف ست (SIX GENERATORS) کہتے ہیں۔

(۱) نفس.....جزیر (۲) قلب.....جزیر

(۳) روح.....جزیر (۴) سر.....جزیر

(۵) خفی.....جزیر (۶) اخفی.....جزیر

• قدر شمر

نفس اور قلب.....روح حیوانی ہے۔

روح اور سر.....روح انسانی ہے۔

خفی اور اخفی.....روح اعظم ہے۔

روح حیوانی:

روح حیوانی ان خیالات و احساسات کا مجموعہ ہے جس کو انسانی کہا جاتا ہے۔ اب، گل کی اس دنیا میں آدمی خود کو ہر قدم پر (FORCE OF GRAVITY) میں پابند محسوس کرتا ہے۔ کھانا، پانی، سونا، چاندی، لہو اور دھاتوں کے کام، روح حیوانی کرتی ہے۔ روح انسانی زندگی گزارنے کے مقاصد فراہم کرتی ہے اور انہیں اطلاع فراہم کرتی ہے کہ اس وقت لہذا کی ضرورت ہے اور اب پانی کی ضرورت ہے۔ ہم ان نکلندوں کا نام بھوک، پیاس و غیرہ رکھتے ہیں۔

روح انسانی:

بچوں کی پیدائش کا تعلق روح حیوانی سے ہے لیکن ماں کے دل میں بچوں کی محبت، بچوں کی پرورش، ان کی تربیت کا رجحان روح انسانی سے منسلک ہوتا ہے۔ جب انسان سوتا ہے تو دراصل روح حیوانی الگ ہے۔ جیسے ہی روح حیوانی سوتی ہے۔ روح انسانی بیدار ہو جاتی ہے۔

روح انسانی کے لئے قائم اور آپس رکاوٹ نہیں بننے یعنی جب ہم روح انسانی میں زندگی گزارتے ہیں تو ہزاروں میل کا سفر کرنا اور ہزاروں میل کے فاصلے پر کوئی چیز دیکھ لینا، اور سرے ہوئے لوگوں کی راحوں سے ملاقات کرنا ہمارے لئے ممکن ہے۔

روح حیوانی کے ساتھ ہم ہر قدم پر مجبور اور پابند ہیں جب کہ روح انسانی ہمارے اوپر آزادانی کا۔ وازو بھول دیتی ہے۔ روح حیوانی کے حواس میں ہم دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ سکتے، اندری آنکھوں کے سامنے باریک سے باریک کاغذ بھی رکھ دیا جائے تو ہمیں نظر نہیں

آتا۔ اسکے برعکس روح انسانی میں ہمارے حواس اتنے طاقت ور ہوتے ہیں کہ ہم زمین کی حد سے باہر دیکھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ رومن میں فرمایا ہے:

”اے گروہ جنات اور انسان! تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“

(سورہ رومن آیت نمبر ۳۳)

قصوف میں سلطان کا ترجمہ ”روح انسانی“ ہے یعنی انسان کے اندر جب روح انسانی کے حواس کام کرنے لگتے ہیں تو وہ زمین و آسمان کے کناروں سے نکل جاتا ہے۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہم جب پوری توجہ کے ساتھ کسی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو باقی باتیں عالم بے خیالی میں چلی جاتی ہیں۔ کسی ایک بات پر ہماری توجہ مستقل مرکوز رہے تو وہ بات پوری ہو جاتی ہے مثلاً ہم کسی دوست یا رشتہ دار کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس طرح سوچتے ہیں کہ ہمارا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر اس کی شخصیت میں جذب ہو جائے تو دوست سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

روح اعظم:

روح اعظم میں وہ علوم مخفی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جلی ہدایت اور حکمت سے متعلق ہیں۔ روح اعظم سے واقف بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عارف ہوتا ہے۔ یہی برگزیدہ بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

”میرا بندہ اپنی اطاعتوں سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے قربت غیب کی دنیا میں داخل ہوئے بغیر ممکن نہیں غیب کے عالم میں داخل ہونا یا زمان و مکان سے ماوراء کسی چیز کو دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب آدمی زمان و مکان سے آزاد ہونے کے طریقے سے واقف ہو۔

مثال:

ہم کسی ایسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں جو اتنی دلچسپ ہے کہ ہم ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ کتاب ختم کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ کئی کھنکھنے گزر گئے ہیں اور ہمیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنا طویل وقت کیسے گزر گیا اسی طرح جب ہم سو جاتے ہیں تو وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

”ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”ہم نکالتے ہیں رات کو دن میں سے اور دن کو رات میں سے“

(سورہ آل عمران - آیت نمبر ۲۷)

تیسری جگہ ارشاد ہے:

”ہم اوجیز لیتے ہیں رات پر سے دن کو اور دن پر سے رات کو“

(سورہ حج - آیت نمبر ۶۱)

دیکھنے کی طرزیں:

ہم جب قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں اس آئینہ میں اپنی صورت نظر آتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ آئینہ دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ہم آئینہ نہیں دیکھ رہے آئینہ کے اندر جو عکس ہے اسے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے آئینہ نے ہمیں دیکھ کر ہمارا عکس اپنے اندر جذب کیا اور اپنے اندر جذب کر کے منعکس کرنے کے بعد ہماری تصویر کو منعکس کر دیا۔ اگر آئینہ ہماری تصویر کو اپنے اندر جذب کر کے منعکس نہ کرے تو ہم آئینہ نہیں دیکھ سکتے۔

پہلے آئینہ نے ہماری تصویر دیکھ کر اپنے اندر جذب کی پھر ہم نے اپنی تصویر دیکھی۔ یعنی ہم آئینہ

نہیں بلکہ آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی صورت زندگی کے تمام افعال اور حرکات کی ہے۔

ہر انسان اپنے ذہن کو آئینہ تصور کرے تو دیکھنے کی براہ راست طرز یہ ہوگی کہ کوئی بھی صورت یا شے پہلے ہمارے ذہن نے دیکھی۔ پھر ہم نے دیکھا یعنی ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

پانی سے بھرا ہوا گلاس

ہمارے سامنے ایک گلاس ہے۔ اس میں پانی بھرا ہوا ہے اور ہم گلاس دیکھ رہے ہیں۔ تصوف میں اس دیکھنے کو کلشن کہتے ہیں صحیح طرز کلام یہ ہے کہ ذہن کی اسکرین پر نگاہ کے ذریعے گلاس کا عکس اور پانی کی ماہیت ہمارے لاشعور نے قبول کی۔ یعنی پانی اور گلاس کا پورا پورا عکس اپنے علم اور اپنی ماہیت کے ساتھ ہمارے اندر کی آنکھ نے محسوس کیا اور دیکھا۔

انسان کی نگاہ پہلے کسی چیز کے عکس کو ذہن کی اسکرین پر منتقل کرتی ہے اس کے بعد ہی ہم اس چیز کو دیکھتے ہیں۔

دیکھنے کی ایک طرز یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی چیز رکھی ہوئی ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ ایک دیکھنا یہ ہے کہ سامنے رکھی ہوئی چیز کا عکس ہمارے لاشعور پر نقش ہو رہا ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی ہم اپنی روح کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

اندھی آنکھ

انسان جب مریجاتا ہے اس کے وجود میں آنکھ اور آنکھ کی پتلی موجود رہتی ہے لیکن اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ صورت موت کے علاوہ عام زندگی میں بھی پیش آتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی اندھا ہو گیا اس کے سامنے ساری چیزیں رکھی ہوئی ہیں لیکن اسے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ اس لئے نظر نہیں آ رہا کہ جو چیز دیکھنے کا میڈیم بنی ہوئی تھی وہ موجود نہیں رہی یعنی آنکھ نے کسی چیز کا عکس ذہن پر منتقل نہیں کیا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنکھیں فیک ہوتی ہیں لیکن دماغ کے سیل (CELL) جو انسان کے اندر حیات (SENSSES) پیدا کرتے ہیں یا وہ سیل (CELLS) جو نگاہ کا ذریعہ بن کر تصویری حدود خال کو ظاہر

کرتے ہیں معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں انسان دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کر سکتا ہے۔

آدمی کو چوٹی کا تھی ہے۔ اس نے چوٹی کو دیکھا نہیں ہے۔ لیکن وہ چوٹی کے کانٹے کی تکلیف محسوس کرتا ہے مفہوم یہ ہے آدمی کے اندر وہ حس جو کسی بھی طریقے سے علم بنتی ہے اس نے دماغ کو بتا دیا کہ کسی چیز نے کاٹا ہے۔

انسان کو سب سے پہلے جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے خواہ اس کے ذریعے ہو خواہ شامہ کے ذریعے ہو خواہ سماعت کے ذریعے ہو خواہ بصارت کے ذریعے ہو۔ احساس کا پہلا درجہ ہے۔ کسی چیز کو سننا سننے کے بعد مفہوم اخذ کرنا یہ احساس کا دوسرا درجہ ہے۔ پہلی مرتبہ علم حاصل ہوتا احساس کا پہلا درجہ ہے۔ دیکھنا احساس کا دوسرا درجہ ہے۔ سننا احساس کا تیسرا درجہ ہے۔ کسی چیز کو سونگھ کر اس کی خوشبو یا بدبو محسوس کرنا احساس کا چوتھا درجہ ہے۔ اور چھونا احساس کا پانچواں درجہ ہے۔

بھوک پیاس کیا ہے ایک آدمی کو پیاس لگی۔ پیاس ایک تقاضہ ہے۔ پیاس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے حواس ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ کہ پانی گرم ہے۔ پانی ٹھنڈا ہے۔ پانی کڑوا ہے یا پانی میٹھا ہے۔

پیاس کے تقاضے میں جو مقدار میں کام کر رہی ہیں وہ بھوک کے تقاضے میں نہیں ہیں اس لئے صرف پانی پی کر بھوک کا تقاضا رفع نہیں ہوتا۔ بھوک کے اندر جو مقدار میں کام کر رہی ہیں اس کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے یہی وجہ ہے کہ صرف کچھ کھا کر پیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

حواس میں اشتراک

جب تک آدمی انسان اور حیوانات کے اجتماعی جذبات کے دائرے میں رہتا ہے اس وقت تک اس کی حیثیت دوسرے حیوانات سے الگ نہیں ہے اور جب ان جذبات کو وہ انسانی جذبات کے ذریعے سمجھتا ہے اور جذبات کی تکمیل میں انسانی حواس کا سہارا لیتا ہے تو وہ حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ جذبات اور حواس کا اشتراک انسانوں کی طرح حیوانات میں بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ایک بکری یا ایک گائے حواس میں معنی نہیں پہنچا سکتی۔ اس کا علم زندگی کو قائم رکھنے کی

ضروریات پوری کرنے تک محدود ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے۔ چتے کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے۔ اس بات سے اسے کوئی غرض نہیں کہ پانی کس کا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے اندر جب تقاضا ابھرتا ہے تو وہ حواس کے ذریعہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ تقاضا کس طرح پورا کیا جاتا ہے۔

چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس کا علم عطا کر دیا ہے اس لئے انسان دوسری مخلوق کے مقابلے میں ممتاز ہو گیا اور یہ ممتاز ہونا ہی مکلف ہونا ہے۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں تقاضے یکساں ہیں۔ آدمی کو بھوک لگتی ہے اور بکری اور مٹھے کو بھی بھوک لگتی ہے۔ پیاس آدمی کو بھی لگتی ہے پیاس دوسرے حیوانات کو بھی لگتی ہے۔ دونوں بھوک اور پیاس کا تقاضا پورا کرتے ہیں لیکن انسان تقاضوں اور حواس کی تعریف سے واقف ہے یہ وقوف ہی انسان کو شرف کے درجہ پر فائز کرتا ہے۔

جذبات کس طرح پیدا ہوتے ہیں:

تصوف میں پڑھایا جاتا ہے کہ حواس اور جذبات کس طرح بنتے ہیں؟ یہ علم حاصل کر کے صوفی حواس کے قانون سے واقف ہو جاتا ہے۔

انسان تقریباً ۱۲ اکھرب کل پرزوں سے بنا ہوئی مشین ہے۔ کچھ پرزے حواس بناتے ہیں۔ کچھ پرزے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ کچھ پرزے جذبات کی تکمیل کراتے ہیں۔ انسان کو یہ علم عطا کیا گیا ہے کہ وہ ان کل پرزوں سے واقف ہو اور جان لے کہ اس کے اندر نصب شدہ مشین میں کل پرزے کس طرح فٹ ہیں اور ان کی کارکردگی کیا ہے۔

بکری کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ حواس بنانے کی مشین یا حواس بنانے کے کل پرزوں کو سمجھ سکے۔ اگر انسان اپنے اندر نصب شدہ مشین کو نہیں سمجھتا اور یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر نصب شدہ مشین کائنات سے ہم رشتہ ہے۔

تو اس کی حیثیت بکری سے زیادہ نہیں ہے اس لئے کہ بھوک بکری اور لٹی دونوں کو لگتی ہے۔

کسی بھی اولاد کی پرورش کرتی ہے اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔ پیاس چو ہے اور بھیر دونوں کو لگتی ہے۔ جبلی طور پر ایک آدمی اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے بالکل اس ہی طرح بکری بھی اپنے بچوں سے محبت کرتی ہے دودھ پلاتی ہے اور زندگی گزارنے کے لئے تمام ضروری باتوں سے بچوں کی تربیت کرتی ہے۔ اگر کوئی آدمی سب کچھ وہی کام کرتا ہے جو بکری کرتی ہے تو اس کی حیثیت بکری کے برابر ہے۔ اسے بکری سے افضل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نیند اور بیداری

علم حضوری اور علم حصولی کی مختصر تعریف کے بعد یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ روح کو سمجھنے، جاننے اور پہچاننے کے لئے اگر کوئی معتبر اور حقیقی ذریعہ ہے تو وہ ”علم حضوری“ ہے۔ صرف علم حصولی سے روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر کوئی آدمی علم حصولی سے روح کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ عقلی دلیلوں میں الجھ کر راستہ بھٹک جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی فکر کے مطابق روح کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ انسان پہلے بندہ تھا۔ کسی نے کہا انسان سورج کا بیٹا ہے۔ کوئی انسان کی تخلیق کو گھسی کی تخلیق کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور زیادہ سوچو سوچو کے لوگ جب انہیں روح کے بارے میں کوئی حقیقی بات معلوم نہیں ہوتی تو روح سے قطع نظر کر کے مادی زندگی کو سب کچھ لیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس بندے نے بھی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہا وہ حقیقی اور حتمی نتیجے تک نہیں پہنچا اور جس اللہ کے بندے نے علم حضوری کے ذریعے روح تک رسائی حاصل کی اس کے اندر سے شک اور دوسو سے ختم ہو گئے۔ اور یہ بات اس کا یقین بن گئی کہ گوشت پوست کا جسم مفروضہ اور فکشن (FICTION) ہے۔ مفروضہ اور فکشن کو سنیا لئے والا جسم ”روح“ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے تعلق ختم ہونے کے بعد حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

میں کون ہوں؟ آپ کیا ہیں؟

اس وقت ہمارے سامنے یہ تجسس ہے کہ: انسان کیا ہے؟ ہم اس کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں؟ اور... فی الواقع اس کی حیثیت کیا ہے۔ ہم انسان کو جس طرح جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے۔ ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں اور کھال سے ہم ایک تصویر ہیں۔ لیکن روح کے بغیر اس جسم کے اندر اپنی کوئی حرکت نہیں ہے۔ کوئی اور چیز ہے جو اسے حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔ مثلاً ہم مٹی کا ایک شیر بناتے ہیں اس شیر کو ایسی جگہ رکھ دیتے ہیں جہاں گرد و غبار اڑتا رہتا ہے اور گرد و

غبار شیر کے اوپر جم جاتا ہے۔ ایک آدمی جب شیر کو دیکھتا ہے تو گرد و غبار کا تذکرہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شیر ہے۔ جس طرح ایک شیر کے اوپر گرد و غبار جمع ہو کر یک جا ہو گیا ہے۔ اسی طرح روح نے بھی روشنیوں کے تانے بانے سے رگ پھول، گوشت اور کھال سے ایک صورت بنالی ہے۔ اس ہی صورت کا نام جسم ہے۔

روح کے زون:

ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اندر کوئی عداوت باقی نہیں رہتی۔ مرنے کا مطلب یہ ہے کہ روح نے جسمانی لباس کو اتار کر اس طرح الگ کر دیا ہے کہ اب روح کے لئے اس میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ لباس کا یہ معاملہ عالم ناسوت یا عالم تخلیق تک ہی محدود نہیں ہے۔

روح ہر زون (ZONE) میں..... ہر مقام میں اور ہر تسنزل کے وقت اپنا ایک نیا لباس بناتی ہے اور اس لباس کے ذریعے اپنی حرکات و سکنات کا اظہار کرتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی حرکات و سکنات کا لباس کے ذریعے اظہار کرتی ہے بلکہ اس لباس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس لباس کو نشوونما بھی دیتی ہے۔ کہیں یہ لباس نقصان اور سزا مند سے جتا ہے۔ کہیں یہ لباس روشنیوں کے تانے بانے سے جتا ہے اور یہی لباس نور سے بھی وجود میں آتا ہے۔ روح جب لباس کو MATTER سے بناتی ہے تو مابے کی اپنی خصوصیات کے تحت جسم کے اوپر نام اور اسپیس کی پابندیاں لاحق رہتی ہیں۔

لباس کی صحیح حیثیت (لباس سے مراد گوشت پوست کا جسم) کا ہمیں اس وقت علم ہوتا ہے جب ہم مر جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد گوشت پوست کا جسم محض لباس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

روح کی تلاش:

ضروری ہے کہ ہم تلاش کریں کہ زندگی میں ہمارے اوپر کوئی ایسی حالت واقع ہوتی ہے جو موت سے ملتی جلتی ہو یا موت سے قریب ہو۔ زندگی کے شب و روز میں جب ہم موت سے ملتی جلتی حالت تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ایک حالت پر مجبور آرا کرنا پڑتا ہے اور موت سے ملتی جلتی یہ حالت نیند ہے۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ ”سویا اور مرا ایک برابر ہے“ فرق صرف اتنا ہے کہ نیند کی حالت میں روح کا مادی جسم (لباس) سے ربط برقرار رہتا ہے اور روح اپنے لباس کی حفاظت کے لئے چوکنٹا اور مستعد رہتی ہے اور موت کی حالت میں روح اپنے لباس سے رشتہ توڑ لیتی ہے۔

نیند ہماری زندگی میں ایک ایسا عمل ہے جس سے روح کی ملاہیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ہم دو حالتوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہمارا شعور بیدار ہے۔ ہم ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ سن رہے ہیں، محسوس کر رہے ہیں اور ہم حرکت میں بھی ہیں۔ یہ حالت بیداری کی ہے۔

خواب اور زندگی:

”زندگی کی دوسری حالت (جس کو نیند کہا جاتا ہے) میں ہم دیکھتے ہیں، سننے ہیں، محسوس کرتے ہیں، خود کو چمکا دیکھتے ہیں لیکن جسم حرکت نہیں کرتا۔ اس (PROCESS) سے یہ ثابت ہوا کہ روح اس بات کی پابند نہیں ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہی حرکت کرے۔ روح گوشت پوست کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے۔ گوشت پوست کے جسم کے بغیر حرکت کرنے کا نام ”خواب“ ہے۔ خواب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خواب محض خیالات ہوتے ہیں جس جسم کے خیالات میں آدمی دن بھر مصروف رہتا ہے اس جسم کی چیزیں اسے خواب میں نظر آتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خواب نا آسودہ خواہشات کا عکس ہے۔ جب کوئی خواہش نا آسودہ رہ جاتی ہے اور اس کی تکمیل نہیں ہوتی تو وہ خواہش خواب میں پوری ہو جاتی ہے۔

اس طرح کی بے شمار باتیں خواب کے بارے میں مشہور ہیں اور ہر شخص نے اپنی فکر اور علم کے مطابق خواب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ لیکن اس بات سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جس طرح روح گوشت پوست کے جسم کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ اسی طرح روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ خواب

• خواب اور نیند

دیکھنا اور خواب میں کئے ہوئے اعمال اور حرکات خیالی ہیں تو اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ ہر شخص ایک یا دو یا زیادہ خواب دیکھنے کے بعد جب بیدار ہوتا ہے تو خواب میں کئے ہوئے اعمال کا اثر اسکے اوپر باقی رہتا ہے۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال خواب میں کئے ہوئے اعمال کے نتیجے میں غسل کا واجب ہو جانا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی بیداری میں جنسی لذت حاصل کر کے ناپاک ہو جاتا ہے اور اسکے اوپر غسل واجب ہو جاتا ہے اسی طرح خواب میں کئے ہوئے اس عمل کے بعد بھی اس کے اوپر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خواب میں کوئی ذرا سا نامنظر نظروں کے سامنے آ گیا۔ آدمی جب بیدار ہوا تو منظر کی دہشت ناکی اس کے اوپر پوری طرح مسلط ہوتی ہے۔ جس طرح کسی دہشتناک واقعہ سے بیداری میں دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خواب میں دہشت ناک چیز دیکھنے سے دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ یا اچھا خواب دیکھ کر بیدار ہونے کے بعد وہ خوش ہوتا ہے۔

کائنات کا سفر

کائنات تین دائروں میں سفر کر رہی ہے۔

پہلا دائرہ روح ہے۔

دوسرا دائرہ روح کا بنا ہوا لباس (نسمہ) ہے۔

تیسرا دائرہ نسمہ کا بنا ہوا لباس مادی وجود ہے۔

تینوں دائرے یک وقت حرکت کرتے ہیں۔ روح کے بنائے ہوئے لباس کے بھی اور رخ ہیں ایک مغرور لہروں سے اور دوسرا مرکب لہروں سے بنا ہوا ہے، مغرور اور مرکب دونوں رخ الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے میں جاسٹ ہیں۔

شعور لا شعور:

بیداری کی زندگی شعور ہے، خواب کی زندگی لا شعور ہے، شعوری زندگی میں ذہن اور حافظہ دونوں کام کرتے ہیں، اس ہی طرح لا شعوری زندگی میں ذہن اور حافظہ دونوں کام کرتے ہیں، زندگی کے کچھ حصے شعوری ہوں یا لا شعوری اطلاعات کے تابع ہیں۔ شعور ہر قدم پر چھوڑا اور فنا ہے، لا شعوری زندگی، شعوری زندگی کے مقابلے میں آزاد ہے۔

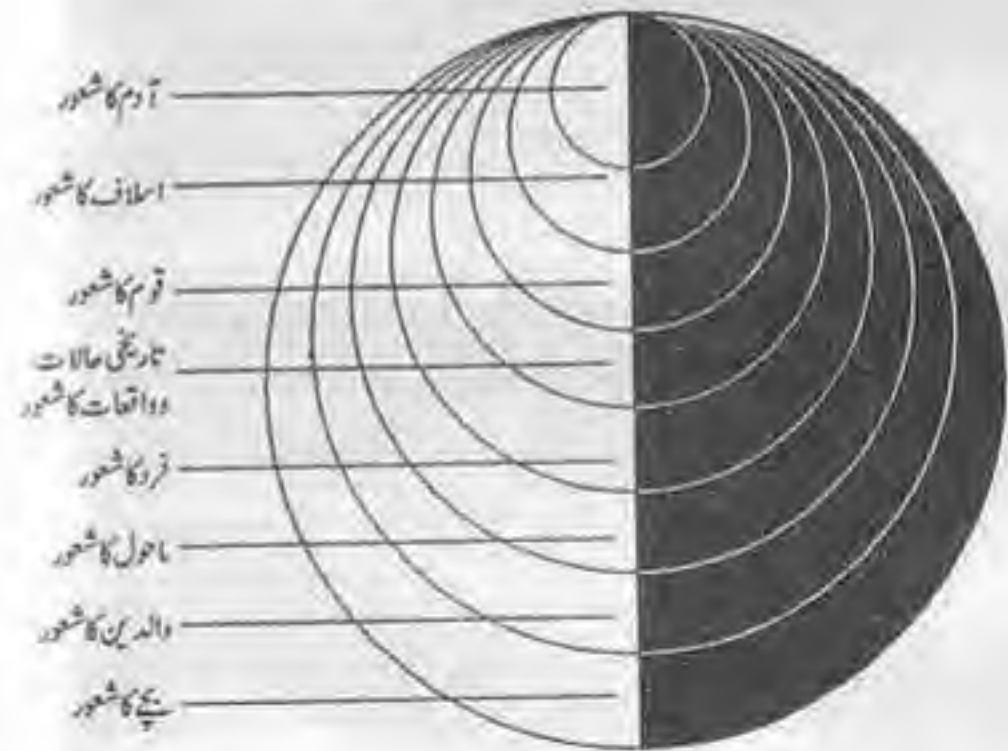
زبور، توریت، انجیل اور آخری آسمانی کتاب قرآن حکیم شعور اور لا شعور کے الٹ پلٹ کو میل د

نہا رکھتی ہیں۔

شعور کا پہلا دن:

پیدائش کے بعد پہلے روز بچے پر لا شعور کا غلبہ ہوتا ہے شعوری ورق کے صفحے پر کوئی تحریر نظر نہیں آتی، جیسے جیسے بچہ ماحول میں وقت گزارتا ہے اسی مناسبت سے شعور کے کورے صفحے پر والدین،

لاشعور شعور



خاندان اور ماحول کے نقوش مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ بارہ سال کی عمر میں وہ صلیب جسے ہم شعور کہہ رہے ہیں اتنا زیادہ روشن ہو جاتا ہے کہ لاشعوری صفحہ دھندلا پڑ جاتا ہے۔ لیکن نقوش ختم نہیں ہوتے، اگر شعور کا صفحہ اتنا زیادہ روشن ہو جائے کہ لاشعوری صفحہ کی تحریر نہ پڑھی جاسکے تو خطرہ ہے کہ اس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور لاشعوری صفحہ کی تحریر سے اس کی نظر ہٹ جاتی ہے اور بالغ ہونے کے بعد وہ لاشعور سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

بے خبر ہونے کا مطلب لاشعوری تحریر کا مٹ جانا نہیں ہے، لاشعوری تحریر اگر ختم ہو جائے گی تو زندگی کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ قدرت نے اس تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے شعوری اور لاشعوری کو اس کو نصف نصف تقسیم کر دیا ہے، آدمی جب رات میں داخل ہوتا ہے تو دراصل لاشعور میں داخل ہوتا ہے آدمی جب دن میں داخل ہوتا ہے تو دراصل وہ شعور میں قدم رکھتا ہے۔

پیدائش سے لیکر مرنے تک کی کل عمر میں انسان آدمی زندگی لاشعور اور آدمی زندگی شعور میں گزارتا ہے۔

زندگی میں شعور اور لاشعور دونوں الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں، شعور کی رفتار نہایت کم اور محدود ہے، لاشعور کی رفتار بہت زیادہ ہے، تخلیقی فارمولوں سے باخبر صوفی حضرات وغیرہ کہتے ہیں کہ آدمی کا کم اپیسس سے کم تک بھی آزاد نہیں ہوتا، آزادی کا مطلب یہ ہے کہ شعور کی رفتار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ محدودیت ٹوٹنے کا احساس نمایاں ہو جائے۔

ہر جگہ ٹائم اور اسپیس ہے:

لاشعور میں انسانی حواس کی رفتار تقریباً ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے، رفتار زیادہ ہونے کو ٹائم اسپیس سے آزادی کہا جاتا ہے، ایک آدمی پیدل چلتا ہے، دوسرا سائیکل پر سوار ہے، تیسرا کار میں ہے، چوتھا آدمی جہاز میں پرواز کر رہا ہے۔ ہر اسٹیج پر رفتار تبدیل ہو جاتی ہے۔

دن کے حواس سے نکل کر انسان جب رات کے حواس میں داخل ہوتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ آدمی زمان و مکان سے آزاد ہو گیا ہے۔ حالانکہ آزاد نہیں ہوتا۔ ہر حرکت میں لاشعور اور شعور دونوں کام

کر رہے ہیں۔ شعور کے غلبہ کو پابندی اور اشعور کے غلبہ کو آزادی کہا جاتا ہے۔

”اے گروہ جنات اور گروہ انسان! تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“

(سورہ زمر آیت نمبر ۳۳)

سلطان کا مطلب اشعور پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔

ماضی کی حقیقت:

کوئی انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو کہیں سے آتا ہے۔ جہاں سے آتا ہے اسے ماضی کہتے ہیں۔ زمین پر آنے کے بعد بچپن گزارتا ہے تو بچپن ماضی میں چلا جاتا ہے اور آدمی جوان ہو جاتا ہے اور پھر یوز حیا پا آتا ہے تو جوانی ماضی میں چلی جاتی ہے۔ آدمی مر جاتا ہے تو ساری زندگی ماضی میں ریکارڈ ہو جاتی ہے۔

وحدت الوجود... وحدت الشہود:

فلسفہ وحدت الوجود کے بارے میں علماء اور مشائخ نے کثرت سے ذکر کیا ہے۔ بڑی بڑی تحریریں قلمبند کی ہیں۔ اس نظریہ پر متعدد تبصرے بھی ہوئے ہیں۔ تصوف کے کئی خاوندے وحدت الوجود کے حامی رہے ہیں۔ خصوصاً حضرت شیخ الدین ابن عربیؒ نے اس نظریہ کی ترجمانی کر کے سارے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ آپ کے شاگردوں نے اس فلسفہ کی ترجمانی میں کئی گراں قدر کتبیں لکھی ہیں۔ شیخ اکبر ابن عربیؒ نے وحدت الوجود (ہمدوست) کا نظریہ پیش کیا تھا مگر اکبری دور کے گمراہ صوفیوں نے حلول و ارتحال کی ہزاروں گمراہیاں اس میں شامل کر دیں۔ ان لوگوں نے عوام کو بتایا کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ خدا ہے، زمین بھی خدا، آسمان بھی خدا، شجر و حجر، نباتات و جمادات، نور و خلقت، خیر و شر، کفر و اسلام غرض کہ ہر چیز خدا کے وجود سے قائم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان گمراہ کن نظریات کے خلاف جنگ کی۔ آپ نے فرمایا:

یہ لوگ وحدت الوجود اور ہمدوست کے نظریہ کی غلط تفسیریں کر رہے ہیں۔ آپ نے ان گمراہیوں کو روکنے کے لئے وحدت الشہود کی دیوار کھڑی کر دی۔

وحدت الوجود کیا ہے؟ ہم اس کے بارے میں... نظریہ رنگ و بو کی روشنی میں عرض کرتے ہیں کہ وحدت الوجود کو سمجھنے کے لئے ہمارے سامنے آئینہ کی مثال ہے۔

اہم باہر نہیں دیکھتے:

آدمی آئینہ دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں آئینہ دیکھ رہا ہوں وہ آئینہ نہیں دیکھ رہا بلکہ آئینے کے اگلے کو دیکھ رہا ہے۔ جب ہم آئینہ دیکھنے کے عمل پر غور کرتے ہیں اور اللہ سے شعور میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے تو بات مختلف ہوتی ہے کہ ہم اپنا عکس آئینے کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں عام سطح کی بات ہے۔

ایسی صورت حال زندگی کے تمام شعبوں کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے باہر دیکھ رہے ہیں۔ صاحب بصیرت بندہ کہتا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہمارے دماغ پر اہر کا عکس غفل اور ہمارے ہم اس عکس کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر کوئی بندہ دیکھنے کی حقیقی طرز سے واقف نہیں ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں باہر دیکھ رہا ہوں لیکن جو بندہ دیکھنے کی صحیح طرز سے واقف ہے تو وہ اس امر سے واقف ہے کہ ہر شخص باہر نہیں دیکھ رہا بلکہ اندر دیکھ رہا ہے۔

نگاہ کی پہلی مرکزیت:

جب نگاہ بالواسطہ سمجھتی ہے تو خود کو مکانیت اور زمانیت کے اندر مقید محسوس کرتی ہے اور جیسے جیسے دیکھنے کی طرز میں گہرائی ہوتی ہے اسی مناسبت سے کثرت در کثرت درجے تخلیق ہوتے ہیں۔

مکانیت اور زمانیت کے اندر شہود اس لئے محدود ہے کہ حرکات و سکنات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر شے دو رخوں پر تخلیق کی گئی ہے۔ یعنی ہر فہرستہ کے دو رخ ہیں۔

یوم ازل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور آواز سننے کے بعد انسان دوسرے تنزل میں داخل ہو گیا اور اس دوسرے تنزل میں اس نے نگاہ، شکل و صورت، گفتار، سماعت، روئیت، احساس، کشش اور لمس سے وقوف حاصل کیا۔

تنزل اول یعنی اللہ کو دیکھنا وحدت کا ایک درجہ ہے اور دوسرا تنزل کثرت کے پانچ درجے ہیں۔ اس طرح چھ تنزلات ہوئے پہلے تنزل کو لفظ وحدت اور دوسرے تنزلات کو صوفیاء کی اصطلاح میں لطائف کثرت کہا جاتا ہے۔

نظریہ رنگ و نور:

نظریہ رنگ و نور کے مطابق جس عالم کو محض وحدت کا نام دیا جاتا ہے انسانی ذہن کی اپنی اختراع ہے انسان اپنی محدود فہم کے مطابق یا محدود فکری صلاحیت کے مطابق جو کچھ کہتا ہے وہ اس کی اپنی محدود وسعت ہے۔

یہ کہنا کہ عالم وحدت، وحدت باری تعالیٰ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت یا اللہ تعالیٰ کے کسی وصف کو انسانی شعور بیان کرنے سے قاصر ہے۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرتے ہیں تو دراصل اپنی ہی فکری صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل احاطہ ہو سکے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جس لامحدودیت کا اظہار کرتا ہے دراصل وہ اپنی محدودیت کا تذکرہ کرتا ہے یعنی انسان کی محدود فکر کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات جس حد تک سما جاتی ہیں اس نے اس کو لامحدودیت کا نام دے دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ہم نے اس حد تک سمجھا ہے۔

انسان جس مقام کے تعین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا سمجھنے کے لئے کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اس ہی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کر دیتا ہے۔ چونکہ انسان کی لامحدود نگاہ بھی محدود ہے اس لئے آگے اور آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ انسان نے سمجھ میں آنے والے عالم کا نام وحدت الوجود یا

احدات الشہور ذکر کیا ہے۔

آفری بی سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَا عَزَّ فَنَّاكَ خَلْقِي مُغْبِرُ فَنَّاكَ"

ہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

"ہم آپ کو نہیں پہچان سکے جیسا کہ آپ کو پہچاننے کا حق ہے"

یہ ارشاد ہمارے رہنمائی کرتا ہے کہ کوئی شخص باری طرح اللہ کا عرفان حاصل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ میں بندہ کو تجلیات و صفات کا جتنا مشاہدہ کرے اسے جس قدر اس کے لئے عرفان الہی ہے۔

ابدال حق قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں:

اب مجھ عالم بالا کی سیر کے مواقع لمبے ہوئے تو میں نے سوچا کہ اولیاء اللہ کی ارواح سے ملاقات کر کے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کتنے مسموئی یا ولی ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کو ایک حالت میں یا ایک صفت میں دیکھا ہے۔ میں نے ایک لاکھ سال کے اولیاء اللہ کا انتخاب کیا اور ان سے اللہ کے بارے میں سوال کیا۔ کسی ایک نے بھی نہیں بتایا کہ انہوں نے اللہ کو ایک روپ میں دیکھا ہے۔ ہر مسموئی نے اللہ کو الگ روپ اور الگ جلی میں مشاہدہ کیا ہے۔

زمان اور مکان

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اور ہم لوگوں کو مشائیں دیکر سمجھاتے ہیں۔ اور اللہ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے"

(سورۃ نور۔ آیت نمبر ۳۰)

بڑی سے بڑی بات کو مثیلی انداز میں بیان کیا جائے تو کم الفکوں میں بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ زمان اور مکان کی الجھی ہوئی تسمی کو طالبات اور طلباء آسانی سے سمجھ لیں۔

دو مسافر..... دو دوست..... دو آدمی..... سڑک پر چل رہے تھے۔

ایک چھوٹے قدم کا تھا اور دوسرا بڑے قدم کا تھا۔ بظاہر دونوں کی رفتار ایک تھی لیکن چھوٹے قدم کے آدمی کا قدم جب اٹھتا تھا تو فاصلہ کم طے ہوتا تھا اور بڑے قدم کے آدمی کا قدم زیادہ فاصلے پر پڑتا تھا۔

دونوں چل رہے تھے..... چلنے میں قدم آگے اٹھتے تھے۔ سڑک پیچھے صف کی طرح تہہ بودی تھی جیسے کوئی الٹی صف لیٹ رہا ہو۔ چلتے چلتے دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ ایک بول چکا تو دوسرے نے اس کی بات کا جواب دیا۔ دوسرا خاموش ہوا تو پہلے نے جواب دیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں سڑک پر ایک تیسرا آدمی چلنا ہوا نظر آیا..... وہ اکیلا تھا۔ وہ پیچھے سے آنے والے دو آدمیوں کی گفتگو سن کر ان کے ساتھ آگیا اور بات چیت میں شریک ہو گیا۔

اب وہ سے تین دوست..... تین مسافر..... تین آدمی ہو گئے۔

یہ آدمی بھی طویل القامت تھا..... چھوٹے قدم کا آدمی سچ میں آگیا اور ادھر ادھر دو بڑے قدم کے آدمی ساتھ ساتھ چلنے لگے..... چلتے چلتے سڑک پیچھے رو گئی اور آنکھوں کے سامنے..... سامنے کی سڑک بھیل گئی..... جب دو قدم اٹھتے تھے..... تو تیسرے قدم پر سڑک پیچھے رو جاتی تھی..... اور آگے قدم اٹھ رہے تھے..... اس چلنے میں جیسے جیسے اسے SPACE یا سڑک کے حصے جڑوں کے نیچے سے نکل رہے

تھے اسی مناسبت سے گھڑی کی سوئی بھی گردش کر رہی تھی۔ ایک آدمی نے گھڑی دیکھ کر کہا چلتے ہوئے ہمیں
تیس منٹ ہو گئے ہیں۔

ہم چلتے ہیں تو زمین ہمیں دھکیلتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قدموں کے نیچے سے سرکنے والی سڑک جب گزروں میں یا فرلانگ میں
بیروں کے نیچے سے نکل گئی تو ہمیں 20 منٹ کا وقت بھی گزر گیا۔

تینوں میں سے ایک چھوٹے قد کے آدمی نے سوال کیا..... دوستو! ہم جب سے چلے ہیں
سڑک ہمارے بیروں میں سے نکل رہی ہے..... ہم آگے بڑھ رہے ہیں..... سڑک پیچھے جا رہی
ہے..... ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سڑک ہمیں آگے دھکیل رہی ہے؟

دوسرا آدمی بولا..... دوستو! سڑک اگر ہمیں دھکیل رہی ہے تو ہمیں چلتے ہوئے ہمیں 20 منٹ
گزر گئے ہیں یہ ہمیں منٹ کا وقت کیا ہے؟

تیسرے آدمی نے کہا..... میں تو یہ سمجھا ہوں کہ ہمارا ایک قدم جب اٹھتا ہے تو دوسرا قدم سڑک
پر ہوتا ہے..... اب جب دوسرا قدم اٹھتا ہے تیسرا قدم سڑک پر ہوتا ہے اور ان دونوں قدموں کے
اٹھنے کے درمیان جو کچھ ہے وہ اسپیس SPACE ہے..... اور دونوں قدموں کے درمیان اگر فریکشن
FRICTION بھی گزرا ہے تو وہ ٹائم TIME ہے۔

تینوں مسافر چلتے چلتے ٹک گئے..... اور سڑک کے کنارے ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ
گئے..... تھوڑی دیر خاموشی کے بعد ایک مسافر بولا۔

یارو!..... ہماری نشست قدرتی طور پر ایسی ہے کہ ہم اسے شلٹ کہہ سکتے ہیں۔

کیا شلٹ بنانا اتفاق ہے؟..... یا اس کے پیچھے کوئی حکمت ہے؟

کوئی آدمی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا..... اوپر دیکھو!..... درخت گول ہے۔

لگتا ہے کہ شلٹ ایک گول دائرے یا چھتری کے نیچے ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ چھتری
بھی زمین کے اوپر قائم ہے اور ہم تینوں بھی زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ہم چل رہے تھے تو زمین

پیچھے بٹ رہی تھی۔ اب ہم بیٹھے ہیں زمین اپنی جگہ پر قائم ہے..... درخت کی گولائی (چھتری) اور
ہمارا شلٹ میں بیٹھنا کوئی ہم معنی بات ہے؟

تیسرا آدمی گفتگو میں شریک ہوا..... اُس نے کہا..... دوستو!..... درخت کی گولائی ایک سٹاپ پر قائم
ہے اور درخت کا تازمین پر قائم ہے..... کیا زمین درخت کے نیچے چوں اور شاخوں سے سنی ہوئی گول
چھتری میں کوئی پیغام ہے؟

سردار اس میں کوئی حکمت نظر آتی ہے.....

تینوں مسافر اس مسئلے کو سلجھانے میں اسے زیادہ ٹھنک ہو گئے کہ انہیں وقت کا احساس نہیں رہا.....
جب وقت کا احساس ہوا تو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا..... ایک سالہ ۱۱..... کہ جب ہم سڑک پر چل رہے تھے.....
چونکہ ہمارے قدم اٹھ رہے تھے..... اس لئے سڑک پیچھے جا رہی تھی۔ ہم آگے جا رہے تھے..... قدموں کے
یکے بعد دیگرے اٹھنے میں اور زمین پر پڑنے میں جب سڑک کافی پیچھے رہ گئی تو ہم نے دیکھا کہ 20 منٹ کا
وقت گزر چکا ہے لیکن اب ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں..... چل نہیں رہے ہیں تو ایک گھنٹے کا وقت کیسے گزر
گیا؟..... کیا وقت کا تعلق چلنے سے ہے یا وقت چلنے کے بغیر بھی گزرتا ہے..... فہرتمین مسافر جو راستے میں
شریک سفر ہوا تھا..... اُس نے کہا..... بھائیو!..... سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم چل رہے تھے جب بھی
وقت گزرا اور جب ہم بیٹھ گئے تب بھی وقت گزرا..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت کی حیثیت ثانوی ہے اور
SPACE کو اولیت حاصل ہے۔

یہ ایسا گھمبیر اور مشکل تجزیہ تھا کہ دونوں دوست حیران رہ گئے..... کہ SPACE جب ہوگی تو
حرکت ہونے کا وقت گزرے گا SPACE نہیں ہوگی وقت نہیں گزرے گا۔

تینوں میں سے ایک نے کہا.....

انسان کی پیدائش بھی SPACE میں ہوئی۔ رحم مادر SPACE ہی تو ہے..... SPACE
میں جب نطفہ قرار پا جاتا ہے تو وقت بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رحم میں نطفہ قرار نہ پائے
اور نو مہینے کے بعد ولادت ہو جائے.....

ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ زمین SPACE نہ ہو اور کوئی بچہ جوان ہو جائے.... اور کوئی جوان بوڑھا ہو جائے.... انسان کی زندگی چاہے ساٹھ سال کی ہو چاہے سو سال کی ہو... SPACE ہوگی تو وقت ہوگا۔ کوئی آدمی SPACE کے بغیر ساٹھ سال کا یا سو سال کا نہیں ہو سکتا.... SPACE کا پھیلاؤ یا SPACE کا سہنا ہی وقت کا تعین ہے۔

آدم کا سراپا:

آدم و حوا سے جب نافرمانی سرزد ہوگئی تو انہوں نے خود کو برہنہ محسوس کیا.... یعنی انہیں اپنے جسم پر سے کپڑے اترے ہوئے نظر آئے.... اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم کا سراپا ایک SPACE ہے۔ نافرمانی سے پہلے سراپا کے وجود و خال جو سر میں داخل ہوتے ہیں انہیں نظر نہیں آتے اور جیسے ہی نافرمانی ہوئی آدم کے سراپا کی SPACE تبدیل ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم اصل SPACE سے اپنی SPACE میں آئے اگر آدم کا سراپا نہ ہوتا تو آدم خود کو برہنہ محسوس نہ کرتے....

ایک ہزار سال کا ایک دن:

تینوں میں سے ایک صاحب بولے.... جب بات آدم اور حوا کی ہے تو ہمیں TIME & SPACE کا سراغ اگر ملے گا تو آسانی کتابوں سے ملے گا.... اس لئے کہ آسانی کتابوں نے ہی آدم و حوا کا تعارف کرایا ہے۔

غیر تین مسافر آسمانوں کی وسعتوں میں گم ہو کر بولا....

دن.... روشنی.... اور یوم SPACE ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

☆ میرا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔

☆ میرا ایک دن دس ہزار سال کا ہوگا۔

☆ اور میرا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔



یعنی دن کی طوالت یا دن چھوٹنے پر سونے کا تعلق... اس کے پھیلنے یا سمنے سے ہے۔

ایک رات ۲۳ سال کے برابر:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا"

جب کہ قرآن پاک 23 برس میں پورا ہوا... مفہوم یہ ہے کہ ایک رات 23 سال کے وقت کی مدت کے برابر ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کے لئے بلایا اور چالیس راتوں تک کو طور پر رکھا۔ یہاں صرف راتوں کی SPACE کا ذکر ہے جب کہ موسیٰ چالیس دن، چالیس راتیں کو طور پر رہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن، چالیس راتیں رات کے SPACE میں رہے۔ رات کے SPACE میں نغم پھیل جاتا ہے۔ دن کے SPACE میں نغم سمٹ جاتا ہے۔

: DIMENSION

ایک صاحب بولے... اسی مضمون پر میرے ذہن میں دو مثالیں آئی ہیں۔

دونوں مسافروں نے بیک زبان کہا... ضرور بیان کرو۔

اُس نے کہا... جب ہم اخبار پڑھتے ہیں تو ہم آنکھوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ہم اخبار کو آواز سے پڑھتے ہیں۔ یعنی ہم آنکھوں کی SPACE کو استعمال کرتے ہیں اور جب اخبار پڑھتے ہیں تو بولنے کی SPACE استعمال کرتے ہیں اگر اخبار ہم سے کچھ فاصلے پر ہو تو آنکھوں کی SPACE کو اخبار پر کیڑے کوڑے نظر آئیں گے اور صحیح نہیں پڑھا جائے گا۔ اگر اخبار اور آدمی کا فاصلہ زیادہ ہو جائے تو حروف کی شکلیں غائب ہو جائیں گی اور اگر چھوٹنے کی صلاحیت سے اخبار دور چلا جائے گا جب کہ چھوٹا بھی اسی وقت ممکن ہے جب SPACE ہو تو اخبار پر کوئی حرف نظر نہیں آئے گا۔ اس بات سے ثابت ہوا کہ ہر شے کا وجود اور ہر وجود میں ڈائنمنشن اور ہر ڈائنمنشن کا قیام

SPACE پر ہے۔

ہم نام کو بھی SPACE ہی کہیں گے۔ اس لئے کہ نام SPACE کی شاعیت ہے... SPACE... جسم... ڈائنمنشن... اگر نہیں ہوں گے تو نام نہیں رکھا جائے گا۔ مثلاً ہم تین مسافر ہیں۔ ہمارے تین نام ہیں... میرا نام محمود ہے... تمہارا نام زید ہے... اور میرے قیسرے بھائی کا نام ایاز ہے... یہ تینوں نام SPACE کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اور یہ SPACE ایک سراپا ہیں۔ ہر سراپا میں اپنے لئے دماغ ہے۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں... سننے کے لئے کان ہیں۔ محسوس کرنے کے لئے دل ہے... چمکنے کے لئے دوران خون کا عمل ہے... سو گھسنے کے لئے ناک ہے... گرمی سردی محسوس کرنے کے لئے جسم میں مسامات ہیں... غم زدہ اور خوش ہونے کے لئے ماحول میں انتشار یا اطمینان ہے... ماحول... زمین کے تابع ہے۔ زمین SPACE ہے... SPACE چھوٹی یا بڑی ہوتی رہتی ہے۔

پروانہ کی عمر:

ایک پروانہ چھ گھنٹے میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے جب کہ وحیل مچھلی پروانے کے چھ گھنٹے میں پورے ہونے والے ماہ و سال ایک ہزار سال میں پورے کرتی ہے... پروانے کی پوری زندگی چھ گھنٹے کی ہوتی اور وحیل مچھلی کی زندگی ایک ہزار سال کی ہوتی ہے۔

ایک سانپ بہت بڑے چوہے کو اس لئے نگل لیتا ہے کہ اُسے چوہا چھوٹا نظر آتا ہے اگر چوہا اتنا بڑا نظر آئے جتنا بڑا آدمی کو نظر آتا ہے تو سانپ اُسے نکلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ چوہا سانپ کو اتنا بڑا نظر نہیں آتا جتنا بڑا آدمی کو نظر آتا ہے۔

شیر ہاتھی کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے۔ ہاتھی کا ذیل ڈول شیر کے مقابلے میں بہت بڑا ہے لیکن ہاتھی شیر سے ڈرتا ہے۔ ہاتھی شیر کو دیکھ کر مقابلہ نہیں کرتا۔ ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔

اس تجزیہ کے تحت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی جب اٹلی SPACE سے نکل کر اٹل SPACE میں داخل ہو جاتا ہے تو اُس کے اوپر خوف طاری ہو جاتا ہے اور یہی وہ خوف ہے جو اُس کو

بھی اثر انداز نہیں ہوتی یعنی قلعے کے اندر محل محل کے اندر گلیاں، سینٹرلی انٹرکنڈیشنز ہوتی ہیں، حیوانوں میں ایک قسم ایسی ہے جو لہروں میں منتقل ہونے کا علم جانتی ہے، جس طرح کسی فی دی سنشن پر تصویر لہروں میں منتقل ہو کر فی دی اسکرین پر نظر آتی ہے۔ اسی طرح حیوانیاں لہروں میں منتقل ہو کر درواز مقامات پر پہنچ جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنسٹ حیوانیاں لاکھوں سال پہلے سے روشنیوں میں تحلیل ہونے کا عمل جانتی ہیں۔

پرندے میں عقل و شعور:

قرآن حکیم میں ملکہ سہا کا واقع بڑا دلچسپ ہے اور اس واقعہ میں ایک پرندے کے عقل و شعور کا تذکرہ ہے اس طرح زمین کے اوپر موجود ہر مخلوق علم کی دولت سے مالا مال ہے، کسی میں عقل و شعور زیادہ ہے، کسی میں کم ہے، لیکن زمین پر موجود تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار مخلوقات اور ان مخلوقات میں کھربوں لاکھوں افراد میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو علم نہ جانتا ہو۔

معاشرتی جانور:

کہا جاتا ہے کہ انسان معاشرتی جانور ہے، معاشرتی جانور سے مراد اگر یہ ہے کہ انسان گروہی سسٹم کا پابند ہے یعنی انسان انسان کے ساتھ رہتا ہے، بات کرتا ہے، نفرت کرتا ہے، محبت کرتا ہے، ایک انسان جو کچھ کھاتا ہے دوسرا بھی وہی نوش جان کرتا ہے تو یہ طرزِ نظم دراصل انسان کی اپنا پرستی ہے، جب کہ ہر انسان یہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ بھیڑ بھی معاشرتی جانور ہے، بھیڑ ہمیشہ بھیڑ کے گھگھ میں بٹھتی ہے، بکری ہمیشہ اپنے ریوڑ کے ساتھ رہتی ہے، ہاتھی ہاتھی کے ساتھ رہتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہاتھی بھیڑ کے ساتھ بیٹھا ہو، بھیڑ اونٹ کے ساتھ بیٹھی ہوئی نظر آتی ہو یہ سب جانور یا حیوانات ایک دوسرے کی خبر گیری رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ انسان چونکہ احساسِ برتری کا مریض ہے اس لئے اس نے اپنے گرد و کو معاشرتی جانور کے نام سے متعارف کرایا ہے۔

جانور روتے ہیں:

ایک گائے یا بھینس کا بچہ جب مر جاتا ہے تو گائے اور بھینس آنسوؤں سے روتے ہیں، حیوانات کے گرد و میں جب پیداؤں ہوتی ہیں تو اس گرد و کے افراد خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑتی ہوئی با آسانی نظر آتی ہے، انسان کہتا ہے انسان کو نفسیات حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عقل و شعور زیادہ ہے، اگر حیوانات کی زندگی پر نظر کیا جائے تو انسان کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے۔

حیوانات میں چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کئی معاملات میں انسان سے کہیں زیادہ اچھے، ہوشیار اور عقل مند ہیں۔

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ علم کے حصول میں جب تمام حیوانات بشمول انسان (میان ناطق) (بب کہ ہر حیوان بھی حیوان ناطق ہے)، کس طرح دوسری مخلوق پر افضل و اشرف ہے۔

یقین کا پتھر:

علم یقین کا پتھر ہے۔ ایسا پتھر جس پر زندگی رواں دواں ہے، حیات و ممات قائم ہے، اور جس پر ترقی و ارتقاء موجود ہے۔

یقین کیا ہے؟:

یقین وہ مرکزیت ہے جس میں شک اور ابہام نہیں ہوتا، دنیا کے کھربوں افراد میں یقین کا پتھر موجود ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے پیاس کا تقاضا نہ ہو تو پانی معدوم ہو جائے گا، پانی سے پیاس اس لئے بجھتی ہے کہ پانی موجود ہے، یقین ایک ایسا عمل ہے جس کے اوپر ظاہر اور باطن متحرک ہیں۔ یقین علم کے بغیر نہیں ہوتا اور علم یقین کی آبیاری میں مکمل کردار ادا کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں یقین اور علم کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہے، حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے نورِ فراست سے نوازا تھا۔ ان کے علم نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا تھا کہ بت سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے، ان کے علم نے انہیں بتا دیا تھا کہ بے جان مورتیوں کو میرا باپ

اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے پھر یہی سورتیاں عبادت گاہوں میں سجادی جاتی ہیں۔ جہاں بادشاہ، بادشاہ کے مصاحب، بڑے بڑے عہدے دار اور عوام پتھر سے تراشی ہوئی ان بے جان سورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں اور حاجت روائی کے لئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

پتھر کی سورتیاں:

ایک روز انہوں نے اپنے والد آذر سے پوچھا:

"اے میرے باپ! کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے کچھ۔"

(سورۃ مریم آیت نمبر ۴۴)

حضرت ابراہیم کے والد نے جو کچھ جواب میں کہا حضرت ابراہیم کے علم نے اس کی نفی کر دی، حضرت ابراہیم کے اندر علم کے بعد فکر اور فکر کے بعد یقین کا پیرن متحرک ہوا تو انہوں نے سوچا

کہ

ہر شے مقررہ قاعدے اور ضابطے کے تحت خود بخود کیسے متحرک ہے؟

کون ہے جو روزانہ سورج کو طلوع کرتا ہے؟

کون ہے جو دن کے اجالے کو تاریکی میں بدل دیتا ہے؟

کون ہے جو درختوں کی شاخوں میں سے پھل نمودار کرتا ہے؟

بادش کون برساتا ہے؟

لہلہاتی کھیتیاں کون اگاتا ہے؟

کون ہے وہ ہستی جس کی عمل داری میں کائنات کا ہر فرد اپنے کام میں لگا ہوا ہے، آپس میں

کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا اور کبھی کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا۔

نتیجہ میں حضرت ابراہیم نے نگڑی سے بنائے ہوئے بتوں، پتھر سے بنائی ہوئی سورتیوں

اور مٹی چوڑے سے بنائی ہوئی دوسری چیزوں کو خدا ماننے سے انکار کر دیا۔

"میں اپنا رخ اس طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں شرک کرنے والوں میں

سے نہیں ہوں۔"

تاروں بھری رات:

(سورۃ النعام آیت نمبر ۷۹)

• فکر کی راہوں پر چلتے ہوئے تاروں بھری ایک رات میں حضرت ابراہیم نے ایک روشن ستارہ دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، جب وہ روشن ستارہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا میں چھپ جانے والے کو معبود نہیں مانتا۔ پھر ٹھنڈی مٹھی روٹلی چاندنی سے بھر لیا، چاند کو دیکھا جیسے جیسے طلوع آفتاب کا وقت قریب آیا چاند بھی نکا ہوں سے اوجھل ہونے لگا حضرت ابراہیم نے چاند کے رب ہونے کی بھی نفی کر دی۔ طلوع آفتاب کے بعد سورج بھی زوال پزیر ہونے لگا اور اس پر انکار و ال غالب آیا کہ وہ نظروں سے مخفی ہو گیا۔

تب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم اور علم کے نتیجے میں یقین سے کہا:

"میرا رب وہ ہے جو نہ کبھی چھپتا ہے اور نہ اسے کبھی زوال ہے۔"

بات بادشاہ نمرود تک پہنچی۔ نمرود خود کو "رعایا کا رب" اور مالک سمجھتا تھا، رعایا نمرود کو خدا مانتی تھی اور اس کی پرستش کرتی تھی، شاہی دربار میں سجدہ کرنے کا رواج عام تھا، باطل عقائد کی پروا اور باطل عقائد کا پرچار کرنے والے مذہبی پیشواؤں، ارباب اقتدار اور عوام سے حضرت ابراہیم نے فرمایا:

"تم کائنات کے مالک اور مختار کل اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو پوجتے ہو، تم شعور کیوں نہیں استعمال کرتے۔"

شعور کا آئینہ:

کوئی بندہ علم تصوف اور روحانیت سے بھنگ جاتا ہے تو اس کے شعور میں ایسی محدودیت پیدا ہو جاتی ہے کہ شعور بوجھل ہو جاتا ہے شعور کے آئینے پر شک کی ریز تہ جم جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے لیکن کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ سنتا ہے لیکن کچھ نہیں سنتا۔ بے مقصد زندگی اس کا نصب العین بن جاتا ہے۔

انسان کے اندر کمپیوٹر:

انسانی دماغ کو سائنس دان قوت اور توانائی کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں، اس میں معلومات اکٹھا کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے، سب سے بڑھ کر یہ جمع شدہ معلومات سے اچھوتی اور غنی فی ایجادات کرتا ہے، لیکن اگر زندگی کی رون آئے تو آدمی لوہے سے بنے ہوئے ایسے روبوٹ کی طرح ہے جس میں کرنٹ نہ ہو۔

جب آدمی زمین پر نہیں تھا تو ایسے مقام پر تھا جہاں اسے ہر چیز بغیر مشقت کے مل جاتی تھی، اسے محنت مشقت کی عادت نہیں تھی، زمین پر آنے کے بعد اسے مشقت بھری زندگی ملی، انسان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وہ جنت کی زندگی گزارے، جنت کی زندگی کی خواہش نے اسے بے چین کیا ہوا ہے، یہ بے چینی رنگ لائی اور انسان نے خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ایسی مشین ایجاد کر لی جس سے کام لے کر وہ مشقت کی زندگی سے بے نیاز ہو جائے، یہ سب تو ہوا مگر آدمی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ خفیہ صلاحیتوں کا مخزن کیا ہے؟ ان صلاحیتوں کو متحرک کرنے کے لئے کرنٹ کہاں سے آتا ہے؟

پہلے کی ایجاد کے بعد انسان پر سہولتوں کے حصول کی راہ ہموار ہو گئی اور وہ قدم قدم آگے بڑھتے ہوئے کمپیوٹر اتار میں داخل ہو گیا اب انسان اس حقیقت سے واقف ہو گیا ہے کہ کوئی بھی مشین کرنٹ کے بغیر کام نہیں کرتی۔ انسان جب سے دنیا میں آیا ہے وہ جنت کو زمین پر اتار لینے کے لئے کوشاں ہے۔

جیسے جیسے اس نے فکر کیا، انسان کے اندر نصب شدہ کمپیوٹر اس کی رہنمائی کرتا رہا نتیجہ میں روبوٹ ایجاد ہو گئے، انسان ایک ہی کام کرتے کرتے اکتا جاتا ہے جب کہ روبوٹ دن رات ایک ہی کام کو دہرا سکتا ہے، روبوٹ انسانوں کے مقابلے میں موسمی تغیرات سے کم متاثر ہوتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی بیشتر فیکٹریوں میں روبوٹ سے کام لیا جا رہا ہے، ویلڈنگ، پینٹنگ، مولڈنگ اور چیزیں اٹھانے اور رکھنے کا کام کرنے والے مصنوعی روبوٹ انسانوں کی طرح کام کرتے ہیں لیکن اگر سوچ آج نہ کیا جائے تو یہ حرکت نہیں کرتے، ان کی ہر حرکت کو برقی آلات کے ذریعہ ایک بورڈ کنٹرول سینٹر سے متعین

کیا جاتا ہے، سوچ آف کر دیا جائے تو کنٹرول سینٹر سے انفارمیشن کی سپلائی منقطع ہو جاتی ہے اور روبوٹ کی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی صورتحال انسان کی بھی ہے، انسان کو زندگی اور زندگی کے تقاضوں کے بارے میں اطلاعات فراہم نہ ہوں تو اس کے اندر کرنٹ کی سپلائی بند ہو جاتی ہے۔

زراعت، تعمیرات، نیوکلیئر پلانٹ، انتہائی حساس اور خطرناک شعبوں کے علاوہ خلا کی تحقیق میں بھی روبوٹوں سے استفادہ کیا جا رہا ہے، اعداد و شمار کا ریکارڈ مرتب کرنے والے روبوٹ سے شروع ہونے والی ریسرچ اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ انسانی دماغ میں موجود صلاحیتوں کا حامل روبوٹ بنانے پر کام ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”اور جب تو ہمارا مٹلی سے جالور کی صورت میرے حکم سے پھر دم مارتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے اور نکا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال نکڑا کرتا مرد میرے حکم سے۔“

(سورۃ المائدہ آیت نمبر: ۱۱۰)

سینکڑوں ہزاروں سال کی کاوش کے بعد بھی جس مقام پر سائنسٹ نہیں پہنچ سکا۔ مسلمان قرآن میں نظر کر کے وہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

کرنٹ اور جان:

”حضرت عیسیٰؑ مٹی سے چنیا بناتے تھے اور پھر اس میں پھونک مار دیتے تھے اور مٹی سے بنائی ہوئی چیز پاؤں کو درخت پر جانتی تھی، مٹی سے بنی ہوئی چیز پاؤں کو ہے سے بنے ہوئے روبوٹ میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق ہے کہ روبوٹ میں بجلی کرنٹ بن رہی ہے اور چیز یا میں حضرت عیسیٰؑ کی پھونک ”جان“ بن رہی ہے۔“

عمر بن خطابؓ

حق الیقین:

”دو جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی، اس نے کہا بھلا اللہ اس کو اس کے فنا ہو چکنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ نے اس کو سو سال کی موت دے دی، پھر اس کو اٹھایا، پوچھا کتنی مدت اس حال میں رہے؟ بولا ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا تم پورے سو سال اس حال میں رہے اب تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو۔ ان میں سے کوئی چیز سڑی نہیں ہے اور اپنے گدھے کو دیکھو ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ تمہیں اٹھائے جانے پر یقین ہو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور بڑیوں کی طرف دیکھو کہ کس طرح ہم انکا زحانچہ کھڑا کرتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پس جب اس پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی وہ پکار اٹھا میں تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۵۹)

عالم امر کا مظاہرہ دیکھ کر حضرت عزیر پکار اٹھے:

”تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ایک ساٹھ سال کا آدمی مر گیا اور دل، گردے، دماغ، آنکھیں سب اعضاء موجود ہیں۔ لیکن کوئی عضو کام نہیں کرتا۔ اس نظام میں سب کی حقیقت ایک جیسی ہے۔ چاہے وہ عالم فاضل ہو یا جاہل ہو، غریب ہو یا امیر ہو۔ جب جسم میں پورے اعضاء موجود ہیں تو آدمی حرکت کیوں نہیں کرتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے اندر سسٹم فیوز ہو گیا ہے، فضا میں بجلی ہے، آکسیجن ہے، مگر جسم مردہ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے انسان روشنیوں سے چل رہا ہے، روشنی کو کھارہی ہے۔ روشنی، روشنی سے بات کر رہی ہے۔ لوگ ماں باپ اس وقت بنتے ہیں، جب ان کے اندر روشنی ہوتی ہے۔ روشنی ختم ہو جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے، موتی کی طرح چمکدار اور روشن ہے، برکت والے چتر ذہنوں سے جس کا نہ مشرق ہے نہ مغرب ہے قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اور اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔“

(سورۃ نور آیت نمبر ۳۵)

جب انسان قرآن کے بیان کردہ اس فارمولے سے واقف ہو جائے گا تو اسے بھاری بھر کم لوہے کے بنے ہوئے روباوت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، اسے سوچ آئے گا کہ آف نہیں کرنا پڑے گا، اس کی سوچ روباوت کا کام کرے گی، وہ جو چاہے گا اللہ کے علم سے ہو جائے گا۔

قلم اور سینما:

پرو جیکٹر سے لہریں نکلتی ہیں جو محسوس ہوتی ہیں اور نظر بھی آتی ہیں لیکن ان لہروں کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں کوئی معنی پیدا نہیں ہوتے، سینما میں بیٹھے ہوئے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پشت کی جانب سے روشنیوں، لہروں یا شعاعوں کی ایک دھار چلی آ رہی ہے اور یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جا کر ٹکرا رہی ہیں۔ جب یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جا کر ٹکراتی ہیں تو وہاں ہمیں مختلف مسودتیں، مختلف شکلیں اور مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔

ہم ان لہروں کو خیال سے تشبیہ دے سکتے ہیں اور لہروں کے ٹکرانے کے عمل کو علم سے منسوب کر سکتے ہیں۔ پردے یا اسکرین سے لہروں کے ٹکرانے کے بعد جو مسودتیں اور جو رنگ جلوہ گر ہوتے ہیں انہیں معنی و مفہیم کہہ سکتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ خیال جب تک کسی اسکرین پر ٹکرا کر اپنا مظاہرہ نہ کرے اس وقت تک کسی علم میں، معنی اور مفہوم پیدا نہیں ہوتے۔

انسانی دماغ

آدم کی اولاد میں زندگی گزارنے کے لئے دو دماغ استعمال ہوتے ہیں، ایک دماغ کا کام پہلی دہائی دن کے وقت بیداری میں اور دوسرے دماغ کا تجربہ رات کے وقت نیند میں ہوتا ہے۔ ایک دماغ دائیں طرف ہوتا ہے دوسرا دماغ بائیں طرف ہوتا ہے۔

دائیں دماغ کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے اور بائیں دماغ کا تعلق شعوری حواس سے ہے، ایمان دماغ وجدانی دماغ ہے اور ہاں دماغ منطقی اور تنقیدی دماغ ہے۔ دائیں دماغ میں لامحدود علوم ہیں اور بائیں دماغ میں محدود علوم کا ذخیرہ ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ اگر ہم آٹھ ہزار یا دواشتی فی سیکنڈ کے حساب سے اپنے دماغ میں ریکارڈ کرتے ہیں تو اس میں اکی گھنٹہ ہے کہ ہم لگا بھرا کسی وقت کے ۵۷ سال تک یادداشتیں ریکارڈ کر سکتے ہیں۔

مشہور سائنسدان آئن سٹائن کا دماغ امریکہ کی لیبارٹری میں محفوظ ہے، بڑے بڑے محققین نے اس پر مصلحت اس غرض سے ریسرچ کی ہے کہ وہ کسی طرح یہ جان لیں کہ آئن سٹائن کی دماغی ساخت میں ایسی کون سی صلاحیت تھی جس نے اسے جینس بنا دیا، لیکن ابھی تک انہیں ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جو عام آدمی کے دماغ اور جینس آدمی کے دماغ میں امتیاز پیدا کر سکے۔

آئن سٹائن کو اس صدی کا عظیم اور جینس سائنسدان کہا جاتا ہے اپنے بارے میں اس نے لکھا تھا کہ تھوڑے روز میں نے خود نہیں سوچیں بلکہ وہ اس پر الہام ہوئی تھی، یاد ہے یہ وہی آئن سٹائن تھا جو اسکول کے زمانے میں تالائق ترین طالب علم شمار کیا جاتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایک تالائق طالب علم جینس کیسے بن گیا؟

Sleep Laboratories

دنیا بھر میں Sleep Laboratories میں ہونے والی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بلا تخصیص جینس اور عام آدمی جب سوتا ہے تو اس کا دماغ Data Processing کا کام شروع کر دیتا ہے، بیداری کے وقت انسانی دماغ میں چلنے والی برقی روایک مخصوص حد تک کام کرتی ہے تو شعور ٹھیک کام کرتا ہے اگر ان لہروں میں اضافہ ہو جائے تو انسان پریشان اور بے سکون ہو جاتا ہے۔ ان لہروں میں مزید زیادتی ہو جائے تو بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

فی زمانہ زیادہ تر لوگ بائیں دماغ کے زیر اثر رہتے ہیں۔ بائیں دماغ میں نسیان کا عمل دخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائناتی علوم سے بے خبری سے انسان مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

وجدانی دماغ:

دن کے وقت دماغ بے دریغ استعمال ہوتا ہے اور وجدانی دماغ استعمال نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انسان کائنات کے حقیقی علم سے بے خبر رہتا ہے۔ اس بے خبری کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے وجدانی دماغ سے رابطہ میں رہے۔ وجدانی دماغ سے رابطہ قائم رہنے سے..... شعوری دماغ میں اتنی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان وجدانی دماغ کی کارگزاریوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں دماغ آدھے یونٹ کے طور پر نہیں بلکہ پورے یونٹ کے طور پر کام کر کرتا ہے۔ نتیجہ میں غلطیوں، تکیفوں، بے سکونی اور پیچیدہ بیماریوں کے امکانات حیرت انگیز طور پر کم ہو جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس وقت انسانی صلاحیتوں سے بہتر سے بہتر کام لینے پر جتنی بھی ریسرچ ہو رہی ہے ان سب کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ کسی طرح دائیں دماغ اور بائیں دماغ کا رابطہ قائم ہو جائے۔ اہل تصوف بتاتے ہیں..... اگر انسان اپنی زندگی کا نصف حصہ..... خیندگی صلاحیت سے واقفیت حاصل کر لے تو..... دائیں دماغ اور بائیں دماغ سے رابطہ قائم ہو جائے گا..... دائیں دماغ اور بائیں دماغ میں رابطہ قائم ہونے سے انسان مخفی علوم اور غیب کی دنیا کے شب و روز سے واقف ہو جاتا ہے۔

سائنس زندگی ہے:

زندگی اور زندگی سے متعلق جذبات و احساسات، واردات و کیفیات، تصورات و خیالات اور زندگی سے متعلق تمام دلچسپیاں اس وقت تک ہیں جب تک سائنس کا سلسلہ قائم ہے، سائنس اندر جاتا ہے، سائنس باہر آتا ہے، اندر کے سائنس سے باطن کا رشتہ جڑ جاتا ہے، سائنس باہر نکلنے سے حواس میں درجہ بندی ہوتی ہے۔

آنکھیں بند کر کے پوری یکسوئی کے ساتھ جب ہم اندر سائنس لیتے ہیں تو شعور باطن کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب سائنس باہر آتا ہے تو ہماری توجہ ظاہر دنیا کی طرف مبذول ہو جاتی ہے نتیجہ میں ہم شک، خوف، لالچ و طمع، جھوٹ اور منافقت کی دنیا میں منتقل ہو کر اس دنیا سے دور ہو جاتے ہیں جس دنیا میں سکون اور آرام کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

غیب کی دنیا:

مخفی دنیا کی مثال تالاب کی طرح ہے..... نہرے ہوئے پانی میں جھانکنے سے ہمیں پانی کے اندر اپنی تصویر نظر آتی ہے اسی طرح باطن میں کائنات کے سارے افراد باہم و دیگر ایک دوسرے میں بہت ہیں۔

کائنات قدرت کا ایک کارخانہ ہے۔ آسمان، زمین، اجرام سماوی، درخت، پہاڑ، چاند و پرند و حشرات الارض، جنات و فرشتے اور انسان سب اس کارخانے کے کل پرزے اور گزاریاں ہیں اور ہر پرزہ دوسرے پرزے سے جڑا ہوا ہے، کسی ایک پرزے کی کارگزاری بھی اعتدال سے ہٹ جائے تو مشین رک جاتی ہے، یا جھٹکے کھائے لگتی ہے۔ ہر پرزہ اپنی کارکردگی کی حد سے واقف ہے لیکن مشین جس میکا نزم پر چل رہی ہے پرزہ اس سے واقف نہیں ہے۔

حرکت مخفی اسکیم ہے جو مظاہر کے پس پردہ کام کر رہی ہے مخفی اسکیم تاریکی اور روشنی کی کمرائی میں ایسے نقوش تخلیق کرتی ہے جن کو ہمارے حواس دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، مثلاً اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھئے، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کی سوئی ڈائل میں موجود ہے، سیکنڈ کی سوئی

تیزی سے حرکت کر رہی ہے آنکھ اس حرکت کو محسوس کر لیتی ہے، مت اور کھینے کی سونیاں بھی حرکت میں ہیں لیکن ہماری آنکھ اس حرکت کو محسوس نہیں کرتی اور جب ہم تھوڑے سے وقفہ کے بعد ان سونیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سونیوں کا حرکت کرنا نظر آتا ہے۔

ایک حرکت یہ ہے کہ سونیاں کم یا زیادہ رفتار سے چل رہی ہیں اور دوسری حرکت یہ ہے جو ساری مشین چل رہی ہے لیکن نگاہ سے چھپی ہوئی ہے۔

گھڑی کے اندر اسپرنگ، لیور اور گراہیاں ہیں ان کے باہمی عمل اور اشتراک سے حرکت کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے، کوئی آگے حرکت کر رہا ہے، کوئی دائرے میں گھوم رہا ہے، کوئی لحظہ یہ لحظہ اپنے جہم کو زیادہ کر رہا ہے اور کوئی سٹ رہا ہے، کچھ میں نہیں آتا کہ حرکت الٹی سیدھی کیوں ہے؟ لیکن فکر کرنے سے ذہن کھل جاتا ہے، ماہ و سال کے تجزیہ سے متکشف ہوتا ہے کہ زندگی اربوں کھربوں کل پرزوں سے بنی ہوئی ایک مشین ہے۔

جس طرح انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی چھوٹی بڑی مشین توانائی (موئل آئل) کی محتاج ہے اسی طرح انسانی بنجرہ میں ہند مشین بھی توانائی (پکنائی) کی محتاج ہے۔

بارہ کھرب خلیے:

دل و باغ، گردے، پیچھے سے معدہ، آنتیں سب نظر نہ آنے والی توانائی سے حرکت کر رہے ہیں، ان بنیادی پرزوں کے ساتھ تقریباً بارہ کھرب پرزے (خلیے) خود بخود متحرک ہیں، آدم زاد کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ اپنے اندر آواز کے ساتھ، جھٹکے کے ساتھ، تیز اور مدہم رفتار کے ساتھ چلنے والی مشین کو دیکھ نہیں سکتا اس کی آواز سن نہیں سکتا، مشین کو چلانے والی توانائی کا غیر مرئی سلسلہ منقطع ہو جائے تو اسے بحال نہیں کر سکتا۔

چراغ میں توانائی:

توانائی کا کام خود جل کر مشین کو حرکت میں رکھنا ہے۔ توانائی اگر اعتدال میں رہے تو زندگی بڑھ جاتی ہے توانائی ضائع ہو جائے تو زندگی کا چراغ بجڑ کر بجھ جاتا ہے۔

مائنس کی مشقوں اور مراقبہ کرنے سے انسان کے اندر توانائی کا ذخیرہ بڑھ جاتا ہے۔ اور کیلوریز (calories) کم خرچ ہوتی ہیں جس کی وجہ سے توانائی کا گراف اوپر چلا جاتا ہے۔

مراقبہ کرنے والا بندہ پرسکون رہتا ہے۔ نیند فوراً آ جاتی ہے۔ چہرہ پر سے جھریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ پرکشش چہرہ کی وجہ سے اپنے پرانے سب پسند کرتے ہیں۔ دوسروں، شکوک و شبہات سے نجات مل جاتی ہے۔

جس شخص کے اندر جتنا شک ہوتا ہے اسی مناسبت سے پریشان ہوتا ہے اور پریشانی سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ دوسروں اور دشمنی دباؤ سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بار بار پڑھا جائے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کی جائے دل کی تصدیق کے ساتھ اللہ کو اپنی ضروریات کا کفیل سمجھا جائے۔ اور وقت کی پابندی کے ساتھ مراقبہ کیا جائے۔

روحانی سائنس

ہندوستان کے مشہور صوفی بزرگ بابا تاج الدین ٹاگپوریؒ خصوصی مسائل میں ہی نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من و عنبر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے تھے جو بابا تاج الدینؒ کے ذہن میں آتی تھی۔ یہ بات بالکل عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور بابا تاج الدینؒ نے اس کا جواب دے دیا۔

”مرہٹہ رگھو راؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ مہاراجہ ترقی علوم سے کس بھی رکھتا تھا اور اس کے اندر ایمان حاصل کرنے کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔ ”بابا صاحب! الکی کلوی جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتے، اجنات، غیر متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی کلوی کے ذکر سے ملتی ہیں۔ جہاں آپ میں ہر دونوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کیا گیا ہے لیکن عقل اور طبی تو یہ بات نہ دہرائے۔ اس کی فہم انسانوں کو سوچنا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ ”ہم سمجھ گئے“ تجربہ بات میں جو کچھ زبان دراز ہیں وہ بالکل آوی ہیں اگلی نہیں آپ اس مسئلہ پر کچھ ارشاد فرمائیں۔“

جس وقت یہ سوال کیا گیا بابا تاج الدینؒ نے لپٹے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے۔ ”میاں رگھو راؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم

• تذکرہ بابا تاج الدینؒ کی

کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں۔ اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی سمجھتے نہیں ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جب ہم دعوئی کرتے ہیں انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔

دن کیا ہے۔ رات کیا ہے؟

فرمایا "جو کچھ میں نے کہا اسے سمجھو پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مطلوب ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دوسرے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں، ان پر بھی نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے، دن کا طلوع ہوتا کیا شے ہے؟ ہمیں نہیں معلوم کہ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے، ہم نہیں جانتے دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے، اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا یہی تجربہ ہے۔

میاں رنگورادو ذرا سوچو کیا منجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات، فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں، پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے، اس لئے قابل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ دراصل نگاہ اور فکر سارے کا سارا عمل فکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا بیولا ہے۔ فکری کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ فکری حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ حواس فکر سے الگ کوئی چیز ہیں، حالانکہ فکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض فکر ہے۔ فرشتہ محض فکر ہے۔ جن محض فکر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ذی ہوش فکر ہے۔

لاحتنا ہی تفکر:

فرمایا اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آ جاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ غور سے سنو! ہمارے فکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے

آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔ فرشتے اور جنات۔ ان سے انسان کا تفکر اسی طرح متاثر ہوتا ہے۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ لاحتنا ہی تفکر سے لٹائی کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔

ایک فکر کا دوسرے فکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرز عمل کا ایک جز ہے۔ انسان باہر گل ہے، جنات پا بہ بیولا ہے، فرشتے پا بہ نور ہیں، یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات ہیں۔ اگر یہ مربوط نہ رہیں اور ایک فکر کی لہریں دوسرے فکر کو نہ ملیں تو رہا ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا فکر بیولا اور بیولا قسم کے تمام حواسوں سے فکری طور پر روشناس ہے ساتھ ہی ہمارا فکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے حالانکہ ہمارے فکر کے تجربات پا بہ گل ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بیولا اور نور کے تجربات انجمنی فکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں فکر کو ان کا نام دیا جاتا ہے اور ان کا فکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو ہماری طور پر لہر کہتے ہیں۔ اس طرح کی فکری ستارے بھی ہیں اور اے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات واضح بالکل آتی ہے کہ ہم آتی ہے کہ فکر کے ذریعے ہمارا دل اور تمام حواسوں سے ہمارا تدار خیال ہوتا رہتا ہے یعنی ان کی آواز (فکری لہریں) ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ تمام کائنات اس قسم کے تدار خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ فکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تدار خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مالوس ہیں۔

کہکشاں نظام:

بابا تاج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے "کہکشاں نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ بے درپے جو خیالات ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں۔ وہ دوسرے

نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشعور تصور خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویروں خانوں کو ہم اپنی زبان میں تو ہم، خیال، تصور اور فکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھایا جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں وہی نقطہ مشترک تصویروں خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی انا کی اقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں دخل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ جن نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ آسانی کتابوں اور قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کھکشانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کار کن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی لہریں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں مضمین مسافت طے کر کے مضمین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

ہر پرست الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہے :

تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ ہستیاں ہیں جو لاشعور کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں مثلاً بصارت، سماعت، تفکر، محبت، رحم، ایثار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپائے کراہیک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرست ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ ملی ہذا القیاس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرست دوسرے انواع سے زیادہ ہیں۔ کائنات کی ساخت میں ایک پرست بھی ہے اور کثیر تعداد پرست بھی ہیں۔ تاہم ہر نوع کے افراد میں مساوی پرست ہیں۔

دخان = مثبت کیفیت / منفی کیفیت :

انسان لاشعور سیاروں میں آباد ہیں اور ان کی قسمیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یکجا بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات ہوں یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر فرد ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرست کی زندگی اُٹھتی ہوتی ہے یا اُٹھتی۔ حسب پرست کی حرکت اُٹھتی ہوتی ہے تو شعور میں آ جاتی ہے۔ غفلتی ہوتی ہے تو لاشعور میں راقی ہے۔ غلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن غفلتی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے حالانکہ وہ اچانک عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔

یہاں چار امور مطالبہ ہے کہ ہماری کائنات غلی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے ہماری پائی ہوئی نظائر غلی انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔ انسان کا غلی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل اُٹھتا رہتا ہے۔ اس کمزوری کی وجہ نوع انسان کے اپنے خصائل ہیں۔ انسان نے اپنے فکر اس لئے پایہ نگاہ کیا ہے یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات میں ہر فکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کر سکتی جو زمینی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں نہ دست و پا ہو۔ اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ چنانچہ کائناتی فکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی تاکہ غلاء پُر ہو جائے۔

فی الواقع انسانی فکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہو سکے جس سے کائنات کی تکمیل ہو جاتی۔ کائنات زمینی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوق لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے۔ اس مخلوق کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان مثبت دخان کی اور جنات منفی دخان کی پیداوار ہیں۔ ہر فرشتہ، ان دونوں کے ملحق سے بنا ہے۔ عالمین کے تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے امکانی تہوج سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور

اور لاشعور حیات سے دور نابود میں کم ہو جاتا ہے۔

ان تین نوعوں کے درمیان عجیب و غریب کرشمہ برسرِ عمل ہے۔ مثبت دھان کی ایک کیفیت کا نام مضاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دھان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار بھات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی کیفیت بڑھ جائے تو انسان میں بھات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور دو بھات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی کیفیت کم ہو جائے تو اس میں کششِ ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر فرشتہ میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر بھات کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریق کار بہت آسان ہے۔ ہم مضاس اور نمک کی معین مقدار میں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مضاس کی مقدار کم کر کے بھات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

خیالات کا قانون:

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے ہیں، ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملانا چاہتے ہیں تو ہزاروں کوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی چند باتیں فکر طلب ہیں۔

سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہوتی کہ

زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لامتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں، انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بڑھاتے اور موجود نہیں جانتیں۔

انا کی لہریں:

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی صہن کر لئے جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی طریقہ کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ گولہ آدی اپنے ہولناں کی طویل انگشت سے سب کچھ دیتا ہے اور کھینے کے اہل سب کچھ کھاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آسنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ نکلروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من من اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

اندرونی تحریکات:

انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کا فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے۔ چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست، معنویت کائنات کی رگ جان ہے۔ ہم اس رگ جان میں جو خود ہماری اپنی رگ جان بھی ہے، ٹھکر اور توجہ کر کے اپنے سیارے اور دوسرے سیاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے تصورات، بھات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ کا محل:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا محل سونے، چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا، دیواروں پر سونے چاندی کی پٹی کاری تھی۔ چھتیں زمرہ اور یا قوت سے مزین تھیں، تخت شاہی زمرہ، سچے موتی، لعل اور فیروزہ سے مرصع تھا۔ تخت کے چاروں کونوں پر ایسے درخت تراشے گئے تھے جن کی شاخیں TRANSPARENT تھیں، شاخوں میں رنگ برنگ، بجلیاں دوڑتی تھیں، ہر شاخ پر گھونسلے بنائے گئے تھے، اور گھونسلوں میں پرندے بٹھائے گئے تھے، دربار میں عود کی کلکیاں سلگتی رہتی تھیں (2002ء میں عود کی لکڑی پانچ لاکھ ساٹھ ہزار روپے کلو ہے)۔ محک و مہر AIR FRESHNER کے طور پر استعمال ہوتے تھے، شاہی تخت اونچائی پر تھا، تخت کے نیچے دائیں بائیں کرسیاں بھی ہوئی تھیں، جن پر انسان اور جنات میں سے اکابرین مملکت اور ان کے معاونین بیٹھتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ تاج شاہی سر پر رکھ کر جلوہ افروز ہوتے تھے تو درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اپنے پر کھول دیتے تھے اور ان پرلوں میں سے محک و مہر کی مہک آتی تھی۔ درود جواہر سے مرصع رنگوں سے آرامت مود رقص کرتے تھے۔ اور یہ سب سائنس کا کرشمہ تھا۔

قرآنی سائنس:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ انہوں نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا:

”میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی دربار میں موجود ہو“ ایک دیو پیکر جن نے کہا ”دربار درخواست کرنے سے پہلے میں تخت لا سکتا ہوں“ جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا یہ کہا ”اس سے پہلے آپ کی پلک جھپکے یہ تخت دربار میں آجائے گا۔“

حضرت سلیمان نے نزع پھیرا ملکہ سبا کا تخت دربار میں موجود تھا حضرت سلیمان نے حکم دیا

موسى بن جعفر (مدرسہ)

کہ اس تخت کی بیست میں کچھ تبدیلی کر دی جائے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا یہ دیکھ کر حقیقت کی راہ پاتی ہے یا نہیں؟

ملکہ سبا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا کیا کر کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ قلند ملکہ نے جواب دیا ”ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے“ ملکہ سبا نے اس کے ساتھ ہی یہ کہا ”مجھے آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت کا پہلے سے علم ہو چکا ہے اس لئے میں مطلع اور فرماں بردار بن کر حاضر ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ تجربہ حصول معاملہ تو آپ کی لامتناہی طاقت کا بے مثال مظاہرہ ہے اس لئے ہم پھر آپ سے فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسان الہی خدوں سے ایک عالیشان محل تعمیر کروایا تھا جو آگینوں کی چمک، قصر کی رفعت اور عجیب و غریب دستکاری کی وجہ سے بے مثال تھا۔ اس میں داخل ہونے کے لئے سائے جو گھن پڑتا تھا اس میں ایک بڑا حوض کھدوا کر پانی سے بھر دیا گیا تھا۔

شگاف آگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نہیں فرش بنایا گیا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکھا کر یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں شگاف پانی بہ رہا ہے۔

روحانی حواس:

بابا تاج الدین نامچہ رشتی کی خدمت میں کھانے کے لئے ایک امراء پیش کیا گیا، قاش جب دونوں سے لگی تو انہوں نے فرمایا: ”یہ کسی مردے کا گوشت ہے“

یہ کہہ کر انہوں نے امراء کی قاش پھینک دی، حاضرین مجلس میں سے کچھ لوگوں کو تجسس ہوا کہ امراء کی قاش سے مردہ گوشت کا کیا تعلق ہے، امراء حضرت امیر مجلس میں سے اٹھے اور فروٹ کی اس دکان پر پہنچے جہاں سے امراء خریدے گئے تھے، دکاندار نے بڑی مظلومی میں آڑھی کا پتہ بتایا، آڑھی نے اس زمیندار کا پتہ بتایا جہاں سے امراء اس کے پاس آئے تھے، زمیندار نے بتایا کہ جس باغ کے یہ امراء وہیں یہاں ایک قبرستان تھا، قبرستان میں مل چلا کر امراء کا باغ لگایا گیا ہے۔

عجیب و غریب سرگزشت:

برصغیر پاک و ہند کے معروف صاحب کمال ایک صوفی بزرگ حضرت غوث علی شاہ پانی پتی نے مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا ہے جو نام اورا پسیس کے بارے میں نہایت حیرت انگیز معلومات فراہم کرتا ہے۔ ایک شخص شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا لباس کے اعتبار سے وہ شاہی عہدے دار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے شاہ صاحب سے کہا: حضرت میری سرگزشت اتنی عجیب و غریب ہے کہ کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خود میری مقتل بھی کام نہیں کرتی۔ حیران ہوں کہ کیا کہوں، کس سے کہوں، کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ اب تھک ہار کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

اس شخص نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا:

میں لکھنؤ میں رہتا تھا برسر روزگار تھا۔ حالات اچھے گزر رہے تھے۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ معاشی حالات خراب ہوتے چلے گئے زیادہ وقت بیکاری میں گزرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے بہتر ہے کہ کسی دوسرے شہر میں حصول معاش کی کوشش کی جائے۔ تھوڑا سا زاراہ ساتھ لیا اور اودے پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں رواڑی کے مقام پر قیام کیا اس زمانے میں وہ جگہ دیران تھی صرف ایک سرائے آباد تھی۔ سرائے میں کچھ کسبیاں رہتی تھیں۔ میں سرائے میں شکر بیٹھا تھا۔ پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔ ایک کسی آئی کہنے لگی میاں کس فکر میں بیٹھے ہو کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے کہا ابھی سفر کی تھکان ہے۔ ذرا استناؤں ٹھکن دور ہونے پر کھانا کھاؤں گا۔ یہ سن کر وہ چلی گئی۔ پھر کچھ دیر بعد آئی اور وہی سوال کیا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا اور وہ چلی گئی۔ تیسری وفد آکر پوچھا تو میں نے سب کچھ بتا دیا کہ میرے پاس جو کچھ تھا خرچ ہو چکا ہے اب ہتھیار اور گھوڑا بیچنے کی سوچ رہا ہوں۔ وہ اٹھ کر خاموشی سے اپنے کمرے میں گئی اور دس روپے لا کر مجھے دیدیے۔

میں نے جب روپے لینے میں پس و پیش کیا تو اس نے کہا میں نے یہ روپے چرخہ کات کر اپنے کفن و فن کے لئے جمع کئے ہیں، تکلف کی ضرورت نہیں، یہ روپے میں آپ کو قرض مسترد رہی ہوں

۔ تکرار ہوئی

جب حالات درست ہو جائیں تو واپس کر دیتا۔

میں نے روپے لے لئے اور خرچ کرتا ہوا اودے پور پہنچا مجھے اچھی ملازمت مل گئی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حالات اچھے ہو گئے۔

سے خط آیا کہ لڑکا جوان ہو گیا ہے، سسرال والے شادی پر اصرار کر رہے ہیں، جلد سے جلد آ کر اس فرس۔ سبکدوش ہو جائیے۔

رخصت منظور ہونے پر میں اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ رواڑی پہنچا تو پرانے واقعات کی یاد تازہ ہو گئی۔ سرائے میں جا کر کسی کے متعلق معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ سخت بیمار ہے اور کچھ لمحوں کی مہمان ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہی تھی اور کہتے ہی کہتے اس کی روح پرواز کر گئی۔ میں نے کفن و فن کا سامان کیا، اسے لحد و قبر میں اتارا اور سرائے میں واپس آ کر سو گیا۔ آدھی رات کے وقت پیسوں کا خیال آیا۔ دیکھا تو جیب میں رنگی ہوئی پانچ ہزار کی ہنڈی غائب تھی تلاش کیا مگر نہیں ملی خیال آیا کہ ہونہ ہو دفن کرتے وقت قبر میں گر گئی ہے۔ افغان و خیزاں قبرستان پہنچا اور ہت کر کے قبر کو کھول دیا۔

قبر کے اندر:

قبر کے اندر اترا تو ایک عجیب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں میت تھی نہ ہنڈی۔ ایک طرف دروازہ نظر آرہا تھا نہت کمر کے اور اڑے کے اندر داخل ہوا تو ایک نئی دنیا سامنے تھی۔ چاروں طرف باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ہرے پھلے پھلے اور درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ باغ میں ایک طرف عالی شان عمارت بنی ہوئی تھی۔ عمارت کے اندر قدم رکھا تو ایک حسین و جمیل عورت پر نظر پڑی۔ وہ شاہانہ لباس پہنے بناؤ سنگھار کئے چٹھی تھی۔ اور گردن خدمت کار ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عورت نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں وہی ہوں جس نے تمہیں دس روپے دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل پسند آیا اور اس عمل کو قبول فرما کر مجھے بخش دیا اور بھرپور نعمتوں سے نوازا دیا۔ یہ تمہاری ہنڈی ہے جو قبر کے اندر گر گئی تھی۔ ہنڈی لو اور یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

میں نے کہا میں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر سیر کرنا چاہتا ہوں۔ حسین و جمیل عورت نے جواب دیا کہ تم قیامت تک بھی ٹھہرتے رہو تو یہاں کی سیر نہیں کر سکو گے۔ فوراً واپس چلے جاؤ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا اس عرصے میں کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہوگی۔ میں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا اور قبر سے نکل آیا۔ باہر آ کر دیکھا کہ وہاں سرائے تھی اور نہ ہی پرانی آبادی تھی۔ چاروں طرف شہر پھیلا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں سے سرائے کے بارے میں پوچھا تو سب نے لاطینی کا اظہار کیا۔ بعض لوگوں نے مجھے عجیب و غریب قرار دیا۔

آخر کار ایک آدمی نے کہا میں تمہیں ایک بزرگ کے پاس لے چلا ہوں۔ وہ بہت مہربان و سید ہیں شاید وہ کچھ بتائیں اس بزرگ نے سارا حال سنا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے دادا بتایا کرتے تھے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک سرائے تھی۔ سرائے میں ایک امیر آکر ٹھہرا تھا اور ایک رات وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ پھر اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا کہ زمین نکل گئی یا آسمان نے اٹھالیا۔ میں نے کہا میں ہی وہ امیر ہوں جو سرائے سے غائب ہوا تھا۔ یہ سن کر وہ بزرگ اور حاضرین محفل حیران اور ششدر رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ دھتکتے گئے۔

امیر یہ واقعہ سنا کر خاموش ہو گیا اور پھر شاہ عبدالعزیز سے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میرا گھر ہے نہ کوئی ٹھکانا۔ دوسرے یہ کہ اس واقعے نے مجھے مفلوج کر دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا اتم نے جو کچھ دیکھا ہے صحیح ہے اس عالم اور اس عالم کے وقت کے جاننے الگ الگ ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا 'اب تم بیت اللہ شریف چلے جاؤ اور باقی زندگی یاد الہی میں گزار دو۔'